ابو عمار عمر فاروق السعیدی

اللہ نور السموات والارض

تفسیر سورت کہف

مؤلفہ

حضرت علامہ حافظ محمد ابراہیم میر سیالکوٹی رحمہ اللہ

ناشر

مکتبہ ثنائیہ

النور اکیڈمی

جامع مسجد اہل حدیث
بلاک نمبر ۱۹ سرگودھا

تذکار

یہ سفر جلیل مجھے برادر فاضل جناب مولانا اشرف جاوید صاحب حفظہ اللہ
(از گھرڑ یانوالہ - فیصل آباد)
کے ہاں سے حاصل ہوا اور اس سے فوٹو کروا دیا۔
جزاہ اللہ خیرا

3/1/2019

ملاحظہ علمیہ: مفسر محترم رحمہ اللہ اپنی تفسیر میں موقعہ بموقعہ تفسیر رحمانی کا حوالہ دیتے ہیں۔ اس بارے میں جناب مولانا حافظ عبد العزیز صاحب علوی حفظہ اللہ شیخ الحدیث جامعہ سلفیہ سے دریافت کیا تو بتایا کہ یہ شیخ علی المہائمی کی تفسیر ہے۔ مہائم بمبئی (ہندوستان) کے قریب ایک بستی کا نام ہے

ابو عبداللہ عمر فاروق السعیدی

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

پیش لفظ

تفسیر سورۃ کہف   از   امام العصر مولانا محمد ابراہیم میر سیالکوٹی۔

یوں تو سارا قرآن کریم انسانیت کے لئے ذریعہ ہدایت اور باعثِ نجات ہے تاہم اس کی مختلف آیات اور سورتوں کی فضیلت اور اہمیت خصوصی نوعیت کی ہے۔

مثلاً سورۃ الفاتحہ اللہ تعالیٰ سے ہمکلامی کا شرف حاصل کرنے میں اہم کردار ادا کرتی ہے۔ ہر نماز کی ہر رکعت میں اس کا پڑھنا ضروری ہے۔ یہ سورۃ الشافیہ، رقیہ بھی ہے کہ اس کے ساتھ دم کیا جاتا ہے۔

سورۃ اخلاص قرآن کا ایک تہائی ہے   سورۃ یٰسین قرآن کا دل ہے   سورۃ الرحمٰن قرآن کی دلہن ہے   سورۃ الملک عذاب قبر سے بچانے والی ہے   سورۃ الواقعہ کی تلاوت فاقہ کشی سے محفوظ رکھتی ہے   سورۃ العصر و کوثر اختصار و جامعیت کا عظیم شاہکار ہیں اسی طرح سورۃ کہف بھی کئی لحاظ سے فضیلت و اہمیت رکھتی ہے۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ارشاد فرمایا جس شخص نے اس کی ابتدائی یا آخری دس آیات یاد کیں اللہ تعالیٰ اسے دجال کے فتنے سے محفوظ رکھتے ہیں۔   فتنہ دجال کیا ہے؟ انسان کا ظاہر بین ہو جانا اور حقیقت سے آگاہی حاصل کرنے سے محروم رہنا۔ وقتی مفاد پر دائمی فوائد کو قربان کر دینا، دنیوی کامیابی کو اخروی فوز و فلاح پر ترجیح دینا، حکومت و دولت کی بنیاد پر اللہ تعالیٰ کی ربوبیت کا انکار کرنا، کسی کی ظاہری شان و شوکت، جاہ و جلال، مال و منال، سپاہ و فوج یا اسباب و وسائل سے اس قدر متاثر ہو جانا کہ اسے مختارِ کل اور مسبب الاسباب مان لیا جائے۔

جہاں اس طرح کے موجودہ اور موعودہ فتنوں سے بچاؤ کے لئے سورۃ کہف کی تفسیر و تفاصیل کا مطالعہ ضروری ہے وہاں یہ بھی ضروری ہے کہ تفسیر و تشریح کا دارومدار روایت و درایت کے لحاظ سے صحیح احادیث و آثار پر ہو تاکہ قاری ان کی روشنی میں اپنے ایمان و عمل کا احتساب کر سکے۔

چنانچہ اس سلسلہ میں ہم حضرت حافظ مولانا محمد ابراہیم میر سیالکوٹی کی معرکۃ الآرا نایاب سورۃ کہف اپنے محترم نا[ظرین کی] خدمت میں پیش کرنے کی سعادت حاصل کرتے ہیں اردو میں تفاسیر تو کئی مل جائیں گی لیکن تفسیر کا اعتبار و انحصار اس بات پر [ہونا] چاہیئے کہ وہ سلف صالحین (صحابہ کرام و تابعین عظام) کے منہج و طریق کے مطابق ہو تاکہ عقائد و اعمال کے بارے میں ایک مسلمان کی سوچ و فکر و ایمان و ایقان اللہ کے ہاں مقبول ہو بصورت دیگر اگر ایمان و عمل بے سند روایات و بے سروپا کہانیوں اور واقعات کی وجہ سے بیتِ عنکبوت ثابت ہوا تو نجات کا معاملہ مشکوک اور کامیابی کا حصو[ل] ناممکن ہو جائے گا۔

آیئے! حضرت علامہ محمد ابراہیم صاحب سیالکوٹی کی سورۃ کہف کی تفسیر کا مطالعہ کریں تاکہ ہم دجالِ اکبر کے فتنۂ عظیم اور دوسرے چھوٹے چھوٹے مگر ایمان کے لحاظ سے بڑے فتنوں سے آگاہی حاصل کریں اور اللہ تعالیٰ ہمیں ان سے بچنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین

والسلام

پروفیسر عبدالستار بھٹی
فاضل خرطوم یونیورسٹی

بسم اللہ الرحمن الرحیم

نحمدہ و نصلی علی رسولہ الکریم

اما بعد: بلغوا عنی و لو آیۃ

عرضِ ناشر

آپ اس امر سے بخوبی آگاہ ہیں کہ تحصیل و ترویج علم کی فضیلت کیا ہے۔ کسی قوم کو وعظ و نصیحت کے لئے انبیاء کرام کے بعد دین کا اعلیٰ و ارفع ذریعۂ ابلاغ علماء و کرام کی ذات و برکات ہوا کرتی تھی جیساکہ محسنِ انسانیت کا ارشاد ہے "العلماء ورثۃ الانبیاء" اسی طرح مذہبی و مسلکی حمیت رکھنے والے احباب زندگی کے لمحات میں اپنے ان علماءِ کرام کے دروس و تقاریر کے انمول موتیوں سے اپنی استعداد کے مطابق اپنے دامنِ ایمان کو بھرتے رہتے ہیں لیکن اگر ارشادِ باری تعالےٰ "کل نفس ذائقۃ الموت" کے مصداق یہی علماء، خطباء اپنے تبلیغی و تصنیفی مشن کی تکمیل کے بعد داعیٔ اجل کی پکار کو لبیک کہتے ہوئے مالک حقیقی کی صدا بہار جنتوں میں بسیرا کریں تو ان کے مواعظِ حسنہ سے مستفید و مستفیض ہونے کا واحد ذریعہ ان کی تصنیف کردہ کتب ہی ہیں۔ ان کتب کے مطالعہ سے جہاں آپ کے علم و عرفان میں اضافہ ہوگا وہاں ان سعید روحوں کے درجات میں بھی رفعت و بلندی ہوگی۔ اس لئے مدتِ مدیدہ سے یہ جذبہ موجزن تھا کہ سلف صالحین رحمہم اللہ اجمعین کی وہ کتب جو امتدادِ زمانہ سے ناپید ہو گئی ہیں ان کو منصۂ شہود پہ لایا جائے۔ اس جذبہ کو عملی جامہ پہنانے میں استاذی المحترم حضرت مولانا محمد یعقوب صاحبؒ گوجروی مرحوم جنہیں مرحوم لکھتے ہوئے کلیجہ منہ کو آتا ہے، کی تحریک و ترغیب نے مہمیز کا کام کیا۔ لہٰذہ زیرِ نظر کتاب "تفسیر سورہ کہف" مؤلفہ علامہ حافظ محمد ابراہیم میر سیالکوٹیؒ مرحوم کی ہے جو حضرت مولانا عبداللطیف صاحب واہ/وزیر کی وساطت سے دستیاب ہوئی جو اب ہدیۂ قارئین پیشِ خدمت ہے۔

ناسپاسی ہوگی اگر میں اپنے احباب مولانا بشیر احمد صاحب نعمانی، محمود بن خالد گرجاکھی اور خصوصاً مولانا ابوبکر صاحب مکتبہ قدوسیہ کا شکریہ ادا نہ کروں۔ کیونکہ کتاب ہذا کی طباعت اور سرورق کی تزئین انہی کی مشاورت اور خصوصی توجہ کا ماحاصل ہے۔ جزاھم اللہ احسن الجزاء

آخر میں دعا گو ہوں کہ اللہ تعالیٰ ہماری اس حقیر سی سعی کو شرفِ قبولیت بخشے۔ ہمیں اسے پڑھنے اور اس پر عمل پیرا ہونے کی توفیق عطا فرمائے نیز مؤلف مرحوم کے علاوہ دیگر تمام مشیران و معاونین کے لئے توشۂ آخرت ثابت ہو۔ آمین ثم آمین۔

وما توفیقی الا باللہ علیہ توکلت و الیہ انیب

العبد الاثم محمد اقبال کان اللہ لہٗ

ماشاء اللہ لا قوۃ الا باللہ

الحمد للہ والمنۃ کہ

تفسیر سورت کہف

از نتائج طبع العلماء ذی کمال

ماہر اسرار شریعت واقف رموز طریقت جامع معقول و منقول حاوی فروع و اصول

حضرت علامۂ فہیم و شہیر علامہ محمد ابراہیم میر سیالکوٹی دامت برکاتہم

در ماہ شعبان ۱۳۵۸ھ مطابق ماہ ستمبر ۱۹۳۹ء

ثنائی برقی پریس امرتسر میں باہتمام ابو رضا عطاء اللہ پرنٹر طبع ہوئی اور مصنف نے

اپنے دفتر "الہادی" واقع شہر سیالکوٹ سے شائع کی۔

تعداد ایکہزار (۱۰۰۰)　　قیمت مجلد　　غیر مجلد

اللہ اکبر

اُرجُ فی اللّٰهفِ بقراءۃِ سورۃِ الکہف

دیباچہ

تفسیر سورت کہف

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اَلحمدُ للہِ ذی الجلالِ والاکرام والصلوٰۃُ والسلام علیٰ رسولہٖ محمدٍ سیّدِ الانام وعلیٰ اٰلہٖ واصحابہٖ المحترزین عن عبادۃِ الاصنام ففازوا بفضلہٖ بدار السلام۔

امابعد آج ۱۲ ربیع الاول ۱۳۵۵ھ کا سبارک دن ہے۔ کہ میں نے حسب معمول دوگانہ نوبہ پڑھکر اور خدا تعالےٰ سے سابقہ گناہوں کی معافی اور آئندہ کیلئے اس تصنیف میں اُسکی توفیق طلب کرکے سُورتِ کہف کا ترجمہ اور تحشیہ شروع کیا ہے اوّل اسلئے کہ گذشتہ ایام میں خطبہ جمعہ[1] میں قوم کے سامنے اسکی نسبت جو وعدہ کیا تھا۔ وہ پُورا ہوجائے۔ دیگر اسلئے کہ قرآن شریف کے ترجمہ وتحشیہ کا ارادہ تھا۔ اِسکے متعلق سُورت کہف کا یہ ترجمہ وتحشیہ بطور نمونہ کے قوم کے ہاتھ میں آجائے اور وہ اس کا مطالعہ کرکے اور حظِ قلبی حاسل کرکے مجھ عاجز کی صحت وتوفیق خداوندی ملنے کے لئے دعا کریں۔ اَللّٰھُمَّ اغْفِرْ لِمُؤَلِّفِہٖ وَلِکَاتِبِہٖ ۔ آمین۔ ملک میں یہ رواج عام ہورہا ہے۔ کہ قرآن مجید مترجم یا غیر مترجم کی کتابت وطباعت کا نمونہ ایک صفحہ پر اور دوسرے صفحہ پر

---

[1] مسودہ شروع تو کیا ۱۳۵۵ھ میں لیکن اسکی کاپی نویسی محرم ۱۳۵۶ھ میں شروع کیگئی اس درمیانی عرصہ میں اسفار، امراض، دیگر تصانیف اور مختلف اشغال کی مصروفیت رہی۔ اور اب بھی یہ سب عوارض ساتھ ہیں لیکن الحمدللہ پھر بھی کچھ نہ کچھ کام ہوتا ہی رہتا ہے ۱۲ منہ عفا عنہ بمبئی رنگون وغیرہ بلاد میں میں نے دیکھا کہ مساجد میں سُورۂ کہف کے مطبوعہ نسخے رکھے ہوئے ہیں۔ جمعہ کے روز سویرے آنیوالے نمازی وہ نسخے لیکر سورت کہف کی تلاوت کیا کرتے ہیں پس میں نے مناسب جانا اس سورت کی تفسیر لکھ کر اس کے کچھ نسخے مسجدیں میں رکھے جائیں تاکہ شوق مند مرد و خواتین یہ سُنّت ادا کرسکیں اور دیگر لوگ بھی خرید کر گھروں میں مطالعہ کریں۔ واللہ الموفق ۱۲

فہرست مضامینِ تفسیر سورتِ کہف

ناظرین سے گذارش

بادام میں چھلکا بھی ہوتا ہے۔ اور مغز بھی، پھر مغز میں روغن بھی ہوتا ہے، اور کھلی بھی، روغن کم ہوتا ہے۔ اور کھلی زیادہ، **قدرت** نے روغن کھلی میں اسطرح محفوظ کر رکھا ہے۔ کہ ظاہری آنکھ سے نظر نہیں آتا۔ لیکن حقیقت بین اور خواص شناس دماغ سمجھ لیتا ہے۔ کہ اس کھلی کے اندر ایک مفید و کارآمد جوہر بھی ہے۔ جو اصل مقصود ہے۔ پس ضرور تمند سمجھدار انسان اس بادام کو کھلی سمیت کھا جاتا ہے۔ اور اس پوشیدہ جوہر کا فائدہ حاصل کر لیتا ہے۔

اسیطرح آپ کو اس تفسیر میں میرے الفاظ میں (نہ خدا کے کلام میں) قشر بھی نظر آئیگا اور کھلی بھی دکھائی دیگی۔ لیکن ظاہر میں روغن نظر نہیں آئیگا۔ ہاں مطالعہ کے بعد (خدائے فضل و کرم سے) اس کا باطنی اثر و کیف آپ کے دماغ کو روشن اور دل کو منور کر دے گا۔ والاستعداد شرط لتحصیل الرشاد واجتہاد یفتح علیک باب المراد،

خادمِ سنتِ رسول کریم ﷺ (حافظ) محمد ابراہیم میر سیالکوٹی عفا عنہ اللہ الرحیم

اس کے کوائف کا اشتہار چھاپکر شائع کیا جاتا ہے۔ وہ ایک ورق سوائے ایک دفعہ دیکھنے کے پھر کسی کام میں نہیں آتا۔ اور بے پروائی و بے احتیاطی کی وجہ سے اسکی حرمت ملحوظ نہیں رہ سکتی۔ اسلئے اِس عاجز نے یہ چاہا۔ کہ قرآن مجید کا ایک معتد حصہ چھپوا کر شائع کیا جائے۔ جو نمونہ کا کام بھی دے۔ اور قرأت و تلاوت کئے جانے کی وجہ سے محفوظ بھی رکھا جا سکے۔ فَبِاللّٰہِ اَحْتَصِمُ عَمَّا یَصِمُ وَبِہٖ اَسْتَعِیْنُ وَھُوَ نِعْمَ الْمُعِیْنُ وَالصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلٰی نَبِیِّہِ الصَّادِقِ الْاَمِیْنِ وَعَلٰی اٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ اَجْمَعِیْنَ ؎

فضائلِ سورۃ کہف

صحیح مسلم اور جامع ترمذی میں حضرت ابودرداء صحابیؓ سے روایت ہے۔ کہ آنحضرتؐ نے فرمایا:۔

مَنْ حَفِظَ عَشْرَ اٰیَاتٍ مِّنْ اَوَّلِ سُوْرَۃِ الْکَھْفِ عُصِمَ مِنَ الدَّجَّالِ ( )

جو شخص سورۃ کہف کی ابتدائی دس آیتیں حفظ رکھے گا۔ وہ دجال (کے فتنے) سے محفوظ رہیگا۔

(۲) نیز صحیح بخاری و صحیح مسلم اور جامع ترمذی میں حضرت براء بن عازبؓ سے روایت ہے کہ ایک شخص سورت کہف پڑھ رہا تھا اور اسکی ایک جانب اس کا گھوڑا دو رسوں سے باندھا ہوا تھا۔ اچانک اسے بادل (کے سایہ) نے ڈھانپ لیا اور وہ سایہ نزدیک در نزدیک ہوتا گیا۔ اس کا گھوڑا اس سے ڈر کر بھاگنا چاہتا تھا جب صبح ہوئی تو وہ شخص نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں آیا۔ اور اس نے آپ سے یہ (واقعہ) ذکر کیا۔ آپ نے فرمایا تِلْکَ السَّکِیْنَۃُ تَنَزَّلَتْ بِالْقُرْاٰنِ یعنی یہ سکینہ تھا جو (خدا کی طرف سے) قرآن (پڑھنے) کے ساتھ نازل ہوتا ہے۔

(۳) مستدرک حاکمؒ میں حضرت ابوسعید خدریؓ کا قول نقل کیا ہے کہ جو شخص ہر جمعہ کو ایکبار ساری سورت کہف پڑھے تو (اس ش) دوسرے جمعہ تک اس کا دل نور سے منور رہیگا۔

(۴) کنز العمال میں ہے کہ جب یہ سورت نازل ہوئی تو اس کے ساتھ ستر ہزار فرشتے تھے۔

شانِ نزول

قریش مکہ عام طور پر اُمّی تھے۔ لکھے پڑھے نہ تھے۔ اسلئے وہ باوجود حضرت ابراہیم کی اولاد ہونے کے اخبار و احوالِ انبیاء سے ناآشنا تھے۔ اور عام جہالت و بت پرستی کی وجہ سے الٰہیات و دینیات سے بھی ناواقف تھے۔ اور معاد و قیامت کے بھی قائل نہ تھے۔ اُن کے مقابلہ میں یہود و نصاریٰ جو بہت عرصہ سے ملک شام سے آکر عرب میں آباد ہو چکے تھے اور علاوہ اسکے خاص عرب بھی بعض قبائل یہودی اور کئی عیسائی مذہب قبول کر چکے تھے۔ عام طور پر لکھے پڑھے تھے۔ مذہبی کتابیں اسلئے اگرچہ وہ غیر اصلی محرف حالت میں تھیں، واقف اور اخبار و احوال انبیاء سے آشنا تھے۔ اس وجہ سے بھی اُنکو اہل کتاب کے معزز لقب سے یاد کیا جاتا تھا۔ ضرورتوں کے وقت ناخواندہ لوگوں کا رجوع لکھے پڑھے لوگوں کی طرف ہوا ہی کرتا ہے۔ اسلئے عرب کے یہ اُمّی اپنی حاجات و دریافتِ حالات میں اِن اہل کتاب کی طرف رجوع کرتے تھے۔

جب آنحضرت صلعم نے باذن الٰہی اہلِ مکہ شریف میں اعلانِ نبوت کیا۔ اور تبلیغ دین کے سلسلے میں توحید الٰہی کا جھنڈا کھڑا کر کے بت پرستی وغیرہ فاسد عقائد اور اعمال کی قباحت سمجھانی شروع کی۔ تو اہل مکہ نہایت متعجب ہوئے کہ یہ بالکل نئی آواز ہے۔ چنانچہ خدا تعالیٰ نے اُن کے اِس تعجب کا ذکر یوں کیا ہے:

أَجَعَلَ الْآلِهَةَ إِلٰهًا وَّاحِدًا ۚ إِنَّ هٰذَا لَشَيْءٌ عُجَابٌ (پ ۲۳ ص)	کیا اس (نبی محمد) نے بہت سے معبودوں کا ایک معبود بنا دیا ہے۔ یہ تو بڑے تعجب کی بات ہے "

کفار مکہ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اعلانِ توحید کے خلاف کئی ایک تدبیریں کھیلیں۔ لیکن جب کوئی تدبیر کارگر نہ دیکھی تو نضر بن حارث اور عقبہ بن ابی معیط کو کہ قوم کے سرکردہ لوگوں سے تھے۔ مدینہ شریف میں جو اُن دنوں یثرب کہلاتا تھا۔ علمائے یہود کے پاس بھیجا۔ کہ آپ لوگ اہل توریت ہیں۔ آپ ہمکو ہمارے صاحب (محمدؐ) کی بابت کوئی بات بتائیں۔ اُنہوں نے جواب دیا۔ کہ اُن سے تین باتوں کا جواب پوچھو۔ اگر بتا دیا تو وہ خدا کے نبیؐ اور رسول برحق ہیں۔ ورنہ نہیں؛

اوّل یہ کہ اُن چند نوجوانوں کا واقعہ کس طرح ہے؟ جو آپ سے بہت پہلے اپنے وطن سے بھاگ گئے تھے۔

دوم یہ کہ روح کی حقیقت کیا ہے؟

سوم یہ کہ ذوالقرنین کا قصہ کس طرح ہے؟ جسنے مشرق و مغرب کا سفر کیا تھا۔

قریش کے ہر دو فرستادہ نضر بن حارث اور عقبہ بن ابی معیط یہ سوالات سیکھ کر مکہ میں واپس آگئے۔ اور قریش سے کہا۔ کہ علمائے یہود نے ہمکو یہ باتیں سکھلائی ہیں۔

دفع دخل اِن اُمور کا علم معیارِ نبوت ہو سکے یا نہ ہو سکے اِسکی ذمہ داری علمائے یہود کے سر ہے۔ جنہوں نے بے پڑھے لوگوں کو ایسی تلقین کر کے دفع الوقتی سے کام لے لیا۔

بہر حال قریش نے آنحضرت صلعم سے یہ تینوں امور دریافت کئے اور خدا تعالےٰ نے اِن تینوں سوالوں کے جواب نازل کئے:۔

رُوح کی حقیقت کا سوال اور اُس کا جواب سورت بنی اسرائیل میں یوں ہے؛

يَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ الرُّوْحِ ۭ قُلِ الرُّوْحُ مِنْ اَمْرِ رَبِّيْ وَمَآ اُوْتِيْتُمْ مِّنَ الْعِلْمِ اِلَّا قَلِيْلًا ۝ (بنی اسرائیل پ ۱۵)	(اے پیغمبر!) تم سے روح کی بابت سوال کرتے ہیں کہہ روح میرے رب کے حکم سے ہے اور (اے لوگو!) تمکو بہت تھوڑا علم دیا گیا ہے۔

اور اصحاب کہف اور ذوالقرنین کا قصہ مع فوائد متعلقہ کے اِسی سورت کہف میں مذکور ہے۔ جنکو ناظرین مطالعہ کرینگے (انشاء اللہ)

اصحاب کہف کس نبی کے اُمتی تھے؟

عام علماء کا قول تو یہ ہے۔ کہ اصحابِ کہف حضرت عیسیٰؑ کی اُمت کے اُس زمانہ کے لوگوں میں سے تھے۔ جب آپ کی اُمت توحید الٰہی پر قائم تھی اور اُن میں آپ کی اُلوہیت کا خیال پیدا نہیں ہوا تھا۔ لیکن حافظ ابن کثیر رحمۃ اللہ کہتے ہیں

قد ذکروا انهم کانوا علی دین المسیح عیسی بن مریمؑ فاللّٰه اعلم والظاهر انهم کانوا قبل ملة النصرانیة بالکلیة فانهم لو کانوا علی دین	بیان کیا گیا ہے کہ یہ لوگ حضرت عیسیٰ بن مریمؑ کے دین پر تھے۔ ٹھیک حال خدا کو معلوم ہے۔ ظاہر یہ ہے۔ کہ وہ دین نصرانیت سے بہت پہلے تھے۔ کیونکہ اگر وہ دین نصرانیت پر ہوتے تو یہود اُن کے حالات کے حفظ کی پرواہ نہ کرتے۔ کیونکہ وہ اُن سے بالکل جدا ہیں۔ اور سابقاً

النصرانية لما اعتنى احبار اليهود بحفظ خبرهم وامورهم لما بينهم لهم وقد تقدم عن ابن عباسؓ ان قريشا بعثوا الى احبار اليهود بالمدينة يطلبون منهم اشياء يمتحنون بها رسول الله صلى الله عليه وسلم فبعثوا اليهم ان يسئلوه عن خبر هؤلاء (يدل) على ان هذا محفوظ فى كتب اهل الكتب وانه تقدم على دين النصرانية والله اعلم (ابن کثیر جلد ششم ص ۱۲۴)

حضرت ابن عباسؓ کی روایت گذر چکی ہے۔ کہ قریش نے مدینہ میں علمائے یہود کی طرف آدمی بھیجے تھے۔ کہ اُن سے ایسے اُمور حاصل کریں۔ جن سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا امتحان کریں۔ پس علمائے یہود نے ان کو یہ باتیں سکھلا کر واپس بھیجا۔ یہ امر اس بات کی دلیل ہے۔ کہ یہ قصہ اہل کتاب (یہود) کی کتابوں میں محفوظ تھا۔ نیز یہ کہ یہ قصہ دین نصرانیت سے پہلے کا ہے۔ واللہ اعلم

حافظ ابن کثیر کی یہ بات اس عاجز کے دل لگتی ہے۔ کیونکہ اگر اصحاب کہف عیسائی ہوتے تو علمائے یہود ان کے واقعہ کے علم کو علاماتِ نبوت نہ گردانتے کیونکہ وہ دینِ عیسوی کے منکر اور قوم عیسوی کے اشد ترین دشمن ہیں اس سے ماننا پڑتا ہے۔ کہ وہ دینِ موسوی کے لوگ تھے۔ لیکن اُس زمانہ کے تھے۔ جب یہ قوم توحید الٰہی پر قائم تھی۔ اور شرک ان میں شائع نہیں ہوا تھا۔

نیز اس لئے کہ اسی سورت میں حضرت موسیٰؑ اور حضرت خضرؑ کا قصہ بیان کیا گیا ہے جس سے مقصود یہ ہے۔ کہ اگر بالفرض آنحضرتؐ ان سوالات کے جواب نہ بھی جانتے ہوں تو آپ کی نبوت پر کوئی حرف نہیں آسکتا۔ کیونکہ آپ کا دعوےٰ نبوت کا ہے نہ کہ تمام غیب دانی خدا کی صفت ہے۔ نہ کہ نبی کی جس طرح کہ موسیٰ علیہ السلام سے اُن امور کی حقیقت پوشیدہ رہی۔ جو اُن کو حضرت خضرؑ سے پیش آئے۔ جب وہ باوجود اس کے نبی برحق ہیں۔ تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بوجہ اس کے کہ آپ بعض امور نہیں جانتے کس طرح نبی ثابت نہیں ہو سکتے۔ اگرچہ موسیٰؑ کی نبوت کے قائل یہود و نصاریٰ ہر دو گروہ ہیں لیکن یہود کو زیادہ مناسبت ہے یا یوں کہا جائے کہ قریش یہود و نصاریٰ ہر دو گروہ کے علما کو ملے لیکن راوی نے ایک گروہ کا ذکر کیا ہے۔ دوسرے کا ذکر نہیں کیا کیونکہ اہل کتاب ہر دو میں سے ایک کا ذکر کر کے دوسرے کے ذکر کو نظر انداز کر دیا جائے۔ تو کوئی عیب نہیں۔ لیکن قرآن شریف نے جواب میں ہر دو گروہوں کو نظر میں رکھا۔ عیسائیوں کو اصحاب کہف جیسی توحید پر قائم نہ ہونے سے ملزم کیا اور عیسائیوں اور یہودیوں کو بالخاص یہودیوں کو حضرت موسیٰؑ کے قصہ سے الزامی جواب دیا کہ جس طرح موسیٰؑ کو باوجود اُن کے بعض اُمور کی حقیقت نہ جاننے کے نبی مانتے ہو۔ اسی طرح اگر آنحضرتؐ بھی تمہارے تلقین کردہ امور کی حقیقت نہ بیان کر سکیں تو یہ امر آپ کی نبوت کے منافی نہیں۔

نیز اس میں مشرکین قریش کا بھی رد ہے۔ جو آنحضرتؐ کی تصدیقِ نبوت سے سر کھسکانے کا عذر رکھنے کے لئے اہل کتاب (یہود یا نصاریٰ) کے پاس گئے۔ یعنے اس طرح کہ اصحاب کہف مشرک نہیں تھے۔ موحد تھے۔ وہ خدا کے لئے بیٹے بیٹیاں تجویز نہیں کرتے تھے۔ تم سب فرقے کرتے ہو۔ یہود عزیرؑ کو اور نصاریٰ مسیحؑ کو خدا کا بیٹا اور مشرکین عرب فرشتوں کو خدا کی

بیٹیاں قرار دیتے ہیں اور یہ بھی کہ اگر ان امور کی حقیقت نہ جاننے کی وجہ سے (معاذاللہ) محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی نبوت کی تکذیب ہو سکتی ہے۔ تو اپنے سکھانے والے اہل کتاب سے تو پوچھ دیکھو کہ موسیٰؑ ان امور کی حقیقت نہ جاننے کی وجہ سے کس طرح نبی رہے۔ جو ان کو خضر سے پیش آئے۔

الغرض اصحاب کہف خواہ موحد عیسائی ہوں۔ خواہ موحد موسائی قرآن کا مقصد بہر دو طرح حاصل ہے (واللہ اعلم بحقیقۃ الحال)

اصحاب کہف کے نام

بعض علماء نے اصحاب کہف کے یہ نام بتلائے ہیں:-

(۱) یمسلیخا (۲) مکسلمینا (۳) مسلیثنا (۴) مرنوس (۵) دبرنوس
(۶) سادنوس (۷) کشفطیطوس اور انکے کتے کا نام قطمیر تھا۔

لیکن قرآن شریف نے ان کے نام نہیں بتائے۔ اسلئے کہ قرآن شریف گذشتہ لوگوں کے واقعات عبرت و نصیحت اور ان کے نتائج متعلقہ سے سبق سکھانے کے لئے دہراتا ہے۔ نہ محض قصہ کرنے کے لئے۔ اور ظاہر ہے۔ کہ ان مقاصد میں ناموں کی خصوصیت کو دخل نہیں ہے۔ صاحب واقعہ کا نام کچھ بھی ہو۔ کسی اہم واقعہ سے نصیحت و عبرت کا سبق بہر صورت حاصل ہو سکتا ہے۔ اسی معنے میں ترقی کر کے شیخ سعدی فرماتے ہیں ؎

مرد باید کہ گیرد اندر گوش ۔۔۔ در نوشت است پند بر دیوار

چنانچہ آپ اس سورت میں دیکھ سکتے ہیں کہ اصحاب کہف اور ذوالقرنین کے قصے کے ضمن میں جابجا بڑے بڑے مفید نتائج اور نہایت اہم مطالب اور کار آمد علمی و عملی مسائل اور تمدنی و سیاسی فوائد بھی بکثرت مذکور ہیں۔ جو ہم خدا کے فضل سے۔ ان کے موقع پر ان حواشی میں بیان کرتے جائینگے۔ ھذا واللہ الھادی۔

جو شخص بھی
ہمارے بعض محسن حضرت مولانا حافظ
محمد ابراہیم صاحب میر سیالکوٹی کی
صاحب (رحمۃ اللہ) کی تفاسیر سورہ الرحمن، سورہ نبا
اور سورہ واقعہ بھی جلد شائع ہونے والی ہیں
کتاب ہی میں اہل علم حضرات
سے علمی الفاظ
معاف

اللہ اکبر

سُورَۃُ الْکَھْفِ مَکِّیَّۃٌ وَّھِیَ مِائَۃٌ وَّعَشْرُ آیَاتٍ وَّاثْنَا عَشَرَ رُکُوْعًا

سورۃ کہف مکہ میں اتری اور مع بسم اللہ ایک سو گیارہ آیات اور بارہ رکوع پر مشتمل ہے

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ①

(شروع) خدا کے نام سے جو بہت بخشش والا مہربان ہے

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ الَّذِیْٓ اَنْزَلَ[1]

ہر طرح کی تعریف خدا کیلئے ہے جسنے اتاری

[1] اَلْحَمْدُ ذاتی اور اختیاری خوبی کو حمد کہتے ہیں، عام اس سے کہ وہ محمود کسی پر احسان و انعام کرے یا نہ کرے۔ اس موقع پر قرآن کریم کے اتارنے کا ذکر کرکے اپنا لائق حمد ہونا ذکر کیا ہے کیونکہ قرآن خداتعالے کا بھاری احسان ہے ورنہ ہم انسانیت کے جامہ میں درندوں اور چرندوں سے بدتر ہوتے + اور اَلْحَمْدُ میں الف لام استغراق جنس کیلئے ہے۔ یعنے ہر طرح کی حمد ہو

[2] اَنْزَلَ خداتعالے کیلئے جہت علو (اوپر آسمان کیطرف) کی تسلیم فطرت میں رکھی گئی ہے۔ اگرچہ وہ مختص و محصور مکان ہونے سے منزہ ہے جیسا کہ فرمایا وَھُوَ الْعَلِیُّ الْعَظِیْمُ ﴿۵﴾ (آیۃ الکرسی) لیکن باوجود اسکے اسی فطری تقاضا سے ہر شخص دعا و التجا اور تضرع و اضطرار کیوقت اپنی باطنی توجہ اور ظاہری چہرہ اور آنکھ اوپر آسمان کیطرف کرتا ہے۔ اسی بنا پر قرآن شریف میں پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس وحی آنیکو عموماً لفظ اَنْزَلَ سے تعبیر کیا گیا ہے۔ کیونکہ اِنْزَال اوپر سے نیچے بھیجنے کو کہتے ہیں جسے ہماری زبان میں اتارنا کہتے ہیں + نیز اسی لئے آسمان و زمین میں احکام تکوینی جاری ہونیکی نسبت فرمایا یَتَنَزَّلُ الْاَمْرُ بَیْنَھُنَّ (طلاق پ۲۸) یعنے اترتا ہے حکم الٰہی درمیان ان کے و، ۱۲ منہ

عَلٰی عَبْدِہٖ[۵۳] الْکِتٰبَ[۵۴]

اور اپنے (کامل) بندے (محمدؐ) پر (یہ) کتاب (قرآن مجید)

۵۳ عُبُوْدِیَّتْ: تین طرح پر ہے۔ اوّل پیدائش کی وجہ سے۔ اِسکے رُو سے سب خدا کے بندے ہیں۔ نیک بھی اور بد بھی، بڑے بھی اور چھوٹے بھی چنانچہ فرمایا اِنْ كُلُّ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ اِلَّآ اٰتِي الرَّحْمٰنِ عَبْدًا (مریم پ۱۶) دوم خریداری کی وجہ سے۔ یہ نسبت خدا تعالیٰ سے نہیں ہو سکتی، کیونکہ وہ مالک بوجہ خالق ہونے کے ہے۔ خریداری سے نہیں ہوا۔ ہاں بندے کو بندے سے ہوتی ہے یعنے ایک انسان دوسرے انسان کو خرید کر اُسکا مالک ہو جاتا ہے۔ چنانچہ فرمایا وَالصّٰلِحِیْنَ مِنْ عِبَادِکُمْ (نور پ۱۸) سوم فرمانبرداری کی وجہ سے عبودیت کا کمال اسی میں ہے اور یہ جب قربِ منزلت کا ہوتا ہے۔ اسجگہ آنحضرتؐ کو اسی معنے میں عبد کہا ہے اور اسی لئے ہم نے اِسکا ترجمہ کامل بندہ کیا ہے۔ یہ لفظ آنحضرتؐ کے لئے جناب الٰہی سے کمال شفقت و عزت کا موجب ہے کیونکہ اُسکو تو سب اپنا رب اور مالک کہتے ہیں لیکن وہ کسی کو اپنا بندہ کہے۔ تو بات ہے۔ قرآن میں دیگر انبیاء اور فرشتوں کو عموماً اور خصوصاً عبد اور عباد کہا گیا ہے۔ مثلاً آیت وَلَقَدْ سَبَقَتْ كَلِمَتُنَا لِعِبَادِنَا الْمُرْسَلِیْنَ (صٰفّٰت پ۲۳) میں تمام پیغمبروں کو عباد کہا گیا ہے۔ اور آیت بَلْ عِبَادٌ مُّكْرَمُوْنَ (انبیاء پ۱۷) میں تمام فرشتوں کو عباد کہا گیا ہے۔ اور سورہ صافات پ۲۳ میں حضرت نوحؑ، حضرت ابراہیمؑ، حضرت الیاسؑ، حضرت موسیٰؑ، حضرت ہارونؑ، علیہم السّلام کو عبادِ مؤمنین میں گنا ہے۔ اور سورہ صٓ پ۲۳ میں حضرت داؤدؑ، حضرت سلیمانؑ، حضرت ایوبؑ، حضرت ابراہیمؑ، حضرت اسحٰقؑ اور حضرت یعقوبؑ کو عبد کہا گیا ہے۔ اور شروع سورت مریمؑ میں حضرت زکریاؑ کو اور سورۂ زخرف میں حضرت خضر کو عَبْدًا مِّنْ عِبَادِنَآ سے یاد کیا ہے۔ اور دیگر مقامات پر دیگر صلحاء کو بھی عِبَادُ الرَّحْمٰنِ اور عِبَادُ اللّٰہِ کے معزز لقب سے یاد کیا ہے۔ اِن سب مقامات پر فرشتوں اور انبیاء اور دیگر صالحین کو جو عباد کہا گیا ہے۔ سو اُنکی کمال فرمانبرداری کے لحاظ سے کہا گیا ہے۔ جو اعزاز و شفقتِ مزید کا موجب ہے۔ نہ کہ معاذ اللہ اُن کی تحقیر کیلئے۔ جو لوگ آنحضرتؐ کو عبد کہنے سے چڑتے ہیں وہ اِن آیات میں غور کریں۔ اور اُسکی وجہ یہ ہے کہ گذشتہ لوگوں یہود و نصاریٰ اور مشرکین عرب اور مشرکین ہند نے انبیاء و ملائکہ اور صالحین کو مرتبہ عبودیت سے بڑھا کر درجہ فرزندی اور الوہیت میں مان لیا تھا پس قرآن شریف میں جو پیغام الٰہی کی آخری کتاب ہے۔ اِس شرک کی جڑ کاٹنے کیلئے انبیاء و ملائکہ و صلحاء سب کو عباد اللہ کہا گیا جیسا کہ فرمایا وَقَالُوا اتَّخَذَ اللّٰهُ وَلَدًا سُبْحٰنَهٗ بَلْ عِبَادٌ مُّكْرَمُوْنَ (انبیاء پ۱۷) اور اِسی لئے خدا کے آخری پیغمبر محمدؐ نے کلمہ شہادت میں اپنی رسالت کے اقرار کے ساتھ بلکہ اس سے پیشتر اپنی عبودیت کی شہادت بھی تعلیم کر دی، اور نماز میں بھی تعلیم کر دیا کہ زمین و آسمان کے جملہ صالحین عباد اللہ ہیں چنانچہ التحیات میں سکھلایا اَلسَّلَامُ عَلَیْنَا وَعَلٰی عِبَادِ اللّٰہِ الصّٰلِحِیْنَ ۔

۵۴ اِس جگہ اَلْکِتٰبَ سے مراد قرآن مجید ہے ۱۲ منہ ۔

وَلَمْ يَجْعَل لَّهُ عِوَجًا ۜ (۲) قَيِّمًا لِّيُنذِرَ بَأْسًا شَدِيدًا مِّن لَّدُنْهُ

اور نہیں رکھی واسطے اُسکے کوئی کجی ۵ (بلکہ بنایا اسکو) قیّم ۶ تاکہ آگاہ کرے عذاب سخت سے جو (ہونیوالا ہے) اُسکے پاس سے،

وَيُبَشِّرَ الْمُؤْمِنِينَ الَّذِينَ يَعْمَلُونَ الصَّالِحَاتِ أَنَّ لَهُمْ

اور بشارت سناوے اُن مومنوں کو جو کرتے ہیں نیکیاں کہ بیشک واسطے اُن کے ہے

أَجْرًا حَسَنًا (۳) مَّاكِثِينَ فِيهِ أَبَدًا (۴) وَيُنذِرَ الَّذِينَ

اَجر بہت اچھا ۷ وہ رہینگے اُسی میں ہمیشہ در ہمیشہ ۸ اور (تاکہ) ڈراوے اُن لوگوں کو

قَالُوا اتَّخَذَ اللَّهُ وَلَدًا (۵)

جنہوں نے کہا کہ بنا لیا اللہ نے (کسی کو) فرزند ۹

۵ عِوَج کجی کو کہتے ہیں، قرآن میں کسی قسم کی کجی نہیں، نہ استدلال میں نہ طریق بیان میں، نہ نفس مسائل میں، دوسرے مقام پر فرمایا قُرْاٰنًا عَرَبِيًّا غَيْرَ ذِي عِوَجٍ (زمر ۳۲) یعنی قرآن عربی جو کجی والا نہیں ہے، اسی معنے کو لَا رَيْبَ فِيهِ سے بھی ظاہر کیا ہے۔ عِوَجًا اور رَيْبَ ہر دو کو نکرہ ظاہر کیا ہے کہ اسمیں کسی قسم کے شک کی بات اور کسی قسم کی کجی نہیں ہے ۶ قَيِّمًا کے دو معنے ہیں، اوّل مستقیم، لیکن یہ لَمْ يَجْعَل لَّهُ عِوَجًا میں آگئے ہیں دوسرے محافظ اور یہی یہاں مراد ہیں جس طرح کوئی کسی نابالغ کا قَيِّم (گارڈین) ہوکر اُسکی مصلحتوں کو نگاہ رکھتا اور اُسکی مناسب تربیت کرکے اُسے حدِ کمال تک پہنچاتا ہے اسی طرح قرآن کریم انسانوں کا روحانی و اخلاقی قَيِّم ہے اُنکی روحانی و اخلاقی دینی و دنیوی مصلحتوں کی حفاظت اور تربیت کرکے دین و دنیا میں اُنکو کمالِ انسانی و روحانی پر پہنچاتا ہے۔ مستفاد از کبیر ۷ لِيُنذِرَ عام منکرین اور نافرمانوں کے متعلق ہے اسی لئے اِس کا مفعول اوّل حذف کردیا ہے اور دوسرا يُنذِرَ خاص اُن لوگوں کے متعلق ہے جو خدا کیساتھ نسبتِ فرزندی کو جائز جانتے ہیں غرض دوسری دفعہ بطور تخصیص بعد تعمیم کے کہا گیا ہے ۸ اَبَدًا ابد آیندہ کی بے نہایت مدت کو کہتے ہیں۔ مراد اس سے یہ ہے کہ مومنین صالحین جنت میں ہمیشہ در ہمیشہ رہینگے۔ اور اُنکو وہاں سے نکالا نہیں جائیگا۔ اور نہ وہ اُسکو چھوڑکر نکلنا چاہینگے جیساکہ فرمایا لَا يَبْغُونَ عَنْهَا حِوَلًا (کہف ۱۲) یعنے وہ اُس (جنت) سے کسی اور جگہ جانا نہیں چاہینگے ۹ عربی میں لفظ وَلَد جنس مشترک ہے بیٹی بیٹے ہر دو کو وَلَد کہتے ہیں جیسے فارسی میں فرزند اتخاذ ولد یہ کہ اپنا بیٹا نہ ہو تو کسی دوسرے کے بیٹے کو بیٹا بنالیں، جیسے متبنّٰی کہتے ہیں، اس قسم میں ایک دنیا مبتلا ہے۔ یہود حضرت عزیرؑ کو اور عیسائی حضرت عیسیٰؑ کو خدا کا بیٹا کہتے ہیں۔ مشرکین مکہ فرشتوں کو خدا کی بیٹیاں کہتے تھے اسلئے سب کی مساوی تردید کیلئے مشترک لفظ وَلَد لایا گیا ہے۔ خدا تعالیٰ کی طرف فرزندی کی دونوں نسبتیں حقیقی اور مجازی ناجائز ہیں۔ حقیقی اسلئے کہ خدا تعالیٰ کی ذات توالد و تناسل سے پاک ہے اور مجازی اسلئے کہ متبنّٰی بڑھاپے میں خدمت لینے، کام کاج میں اعتمادی مددگار بنانے اور موت کے بعد میراث سنبھالنے کیلئے اور سب سے بڑھکر یہ کہ اولاد نہ ہونے کی دلشکنی کیوقت دل کا سہارا بنانے کیلئے بنایا جاتا ہے۔ اور یہ باتیں خدا کی شان کے لائق نہیں ہیں۔ کیونکہ وہ صمد و غنی مطلق ہے۔ اسکو اِن باتوں میں کسی کی

مَا لَهُمْ بِهٖ مِنْ عِلْمٍ وَّلَا لِاٰبَآئِهِمْ ۭ كَبُرَتْ كَلِمَةً تَخْرُجُ

نہیں انکو اِس بات کا کوئی علم اور نہ انکے باپ دادوں کو (تھا) بہت بڑی بات ہے جو نکلتی ہے

مِنْ اَفْوَاهِهِمْ ۭ اِنْ يَّقُوْلُوْنَ اِلَّا كَذِبًا ۝۶ فَلَعَلَّكَ بَاخِعٌ نَّفْسَكَ

اُن کے مونہوں سے ، نہیں کہتے مگر نرا جھوٹ ۵۱۰ پس (اے پیغمبر) ہو سکتا ہے کہ تو گنوا دے جان اپنی

عَلٰٓي اٰثَارِهِمْ اِنْ لَّمْ يُؤْمِنُوْا بِهٰذَا الْحَدِيْثِ اَسَفًا ۝۷ اِنَّا جَعَلْنَا

افسوس سے اوپر ان کے احوال کے اگر وہ نہ ایمان لاویں اِس کلام (قرآن) پر ، ۵۱۲ بیشک ہمنے بنایا

مَا عَلَى الْاَرْضِ زِيْنَةً لَّهَا لِنَبْلُوَهُمْ اَيُّهُمْ اَحْسَنُ عَمَلًا ۝۸

جو کچھ زمین پر ہے زیبائش واسطے اُسکے تاکہ ہم آزما دیں کہ کونسا اُن میں سے بہتر ہے عمل میں ۵۱۳

۵۱۰ كَذِب خلافِ ضمیر اور خلافِ واقعہ کے اظہار کو کہتے ہیں۔ خدا تعالیٰ کیطرف نسبتِ فرزندی بہردو وجہ کذب ہے کیونکہ نہ تو سچی ضمیر اسکی شہادت دیتی ہے۔ اور نہ واقعہ میں یہ درست ہے۔ کہ خدا تعالیٰ نے کسی کو فرزند بنایا ہو۔ اسلئے قرآن نے اِسے نرا جھوٹا قرار دیا۔ اسی لئے فرمایا تَخْرُجُ مِنْ اَفْوَاهِهِمْ یعنے یہ قول محض مُنہ کی بات ہے۔ ضمیر میں اسکی تصدیق نہیں ہے۔ صدق اور حق وہ بات ہوتی ہے۔ جسکی شہادت ضمیر دے اور وہ واقعہ میں درست ہو ۱۲ منہ،

۵۱۱ اسجگہ لفظ لَعَلَّ (شاید) خدا تعالیٰ کے علم کی نسبت نہیں ہے۔ بلکہ آنحضرت صلعم کو لوگوں کے ایمان نہ لانے کی وجہ سے از رُوئے شفقت جو افسوس و غم ہوتا تھا اُسکے نتیجہ کی ایک امکانی صورت سمجھائی ہے کہ اے پیغمبر ممکن ہے کہ اس غم سے تمہاری جان پر صدمہ گذر جائے اسی لئے ہمنے اِسکا ترجمہ ہو سکتا ہے کیا ہے نبی کے دل میں لوگوں کی خیر خواہی اُس خیر خواہی سے بہت زیادہ ہوتی ہے جو والدین کو اولاد کیلئے ہوتی ہے،

۵۱۲ اِس آیت کا بامحاورہ ترجمہ یوں ہے "پس (اے پیغمبر!) اگر یہ کفار اِس کلام (قرآن) پر ایمان نہ لائیں تو ہو سکتا ہے کہ تم اُن کے پیچھے (شدّتِ) غم سے اپنی جان گنوا دو" پس اِس میں آنحضرت کی تسلّی ہے۔ اِنْ لَّمْ يُؤْمِنُوْا شرط مؤخر ہے۔ اور فَلَعَلَّكَ الآیہ اسکی جزا مقدم ہے۔ اَسَفًا۔ بَاخِعٌ کی تمیز ہے۔ جو رعایت فواصل کیلئے آیت کے اخیر میں لائی گئی ہے۔ ۱۲ منہ،

۵۱۳ امام راغبؒ نے کہا کہ جب ابتلاء کا لفظ خدا تعالیٰ کیطرف منسوب ہو۔ تو اس سے تعرّف حال مراد نہیں ہوتا۔ کیونکہ خدا تو علام الغیوب ہے۔ بلکہ جس شخص کو مبتلا کیا گیا ہے۔ اُسکی جودت و رداءت کا ظہور مراد ہوتا ہے۔ یعنے خدا تعالیٰ نعمتوں اور مصیبتوں میں اسلئے مبتلا کرتا ہے۔ کہ شاکر و صابر کا شکر و صبر ظاہر کرے۔ اور غیر شاکر یعنے کافرِ نعمت کی ناشکری اور غیر صابر کی بے حوصلگی اور بے ثباتی ظاہر کرے چنانچہ فرمایا۔ وَنَبْلُوْكُمْ بِالشَّرِّ وَالْخَيْرِ فِتْنَةً (پ۱۷ انبیاء)

حاصل کلام یہ کہ جملہ ابتلاآت چاہے نعمت کے ہوں۔ چاہے مصیبت کے ہوں سب شاکر و کافر اور صابر و غیر صابر میں تمیز کرنے کے لئے ہوتے ہیں۔ ورنہ خدائے تعالیٰ کو اپنے علم کیلئے اِسکی ضرورت نہیں۔ چونکہ ایسا امتیاز عملیات میں ہو سکتا ہے دماغی تخیلات اور زبانی مقولات اسمیں کافی نہیں ہیں۔ اسلئے اَحْسَن کے ساتھ عملًا کو بطور تمیز ذکر کیا، فافہم

۵۱۴ آنحضرت کے افسوس و غم کے بعد دنیا کی پیداوار کو اُسکی زینت کہکر آپ کے غم کو ہلکا کرنا چاہا ہے۔ دنیا کی بے ثباتی کا تصور ایک عارف کی تسلّی کے لئے کافی ہے۔ ۱۲ منہ

وَإِنَّا لَجَاعِلُونَ مَا عَلَيْهَا صَعِيدًا جُرُزًا ﴿٩﴾ أَمْ حَسِبْتَ أَنَّ أَصْحَابَ الْكَهْفِ

اور بیشک ہم (ایکدن) بنانے والے ہیں اسکو جو اسکے اوپر ہے زمین بنجر (اے پیغمبر!) کیا تو نے گمان کیا کہ غار والے

وَالرَّقِيمِ كَانُوا مِنْ آيَاتِنَا عَجَبًا ﴿١٠﴾ إِذْ أَوَى الْفِتْيَةُ إِلَى الْكَهْفِ

اور تختی والے ہمارے نشانات (قدرت) میں سے کوئی عجیب نشانی تھے جب ان چند نوجوانوں نے اس غار میں جگہ پکڑی

فَقَالُوا رَبَّنَا آتِنَا مِنْ لَدُنْكَ رَحْمَةً وَهَيِّئْ لَنَا مِنْ أَمْرِنَا رَشَدًا ﴿١١﴾

تو کہنے لگے کہ اے ہمارے پروردگار دے ہمکو اپنے پاس سے رحمت اور مہیا کر واسطے ہمارے، ہمارے کام کی بھلائی

فَضَرَبْنَا عَلَى آذَانِهِمْ فِي الْكَهْفِ سِنِينَ عَدَدًا ﴿١٢﴾

پس تھپکے تھا ہمنے اُن کے کانوں پر اُس غار میں کئی سالوں تک ۱۲

۱۵ جُرُزًا اسکے معنے ہیں بے زراعت افتادہ زمین، قیامت کے دن پہاڑوں کو اڑا کر زمین کے نشیب فراز برابر کردیئے جائینگے اور زمین ایک ہموار اور صاف میدان ہوجائے گی۔ جیساکہ سورت طٰہٰ میں فرمایا۔ وَيَسْأَلُونَكَ عَنِ الْجِبَالِ فَقُلْ يَنْسِفُهَا رَبِّي نَسْفًا ۝ فَيَذَرُهَا قَاعًا صَفْصَفًا ۝ لَا تَرَىٰ فِيهَا عِوَجًا وَلَا أَمْتًا ۝

۱۶ رَقِيم کے معنے میں مختلف اقوال ہیں ایک یہ کہ اِس کے معنے تختی یا کتبہ کے ہیں جسپر کچھ رقم کیا ہو یعنے لکھا ہوا ہو، لوگوں نے غار کے منہ پر ایک پتھر پر اصحاب کہف کے نام لکھدیئے تھے اِسلئے انکو اصحب الکہف والرقیم کہا گیا ہے یعنے غار والے اور تختی والے ۱۲منہ

۱۷ مطلب یہ کہ اصحاب الکہف کا واقعہ ہماری قدرت کے نشانوں میں سے تو ہے لیکن ہماری قدرت کے سامنے کوئی انوکھی بات نہیں بلکہ ایک معمولی بات ہے زمین پر اسکی رونق و زینت کے جو سامان پیدا کر رکھے ہیں کیا کم تعجبناک ہیں۔ ۱۲منہ

۱۸ خدا تعالےٰ پر توکل کرکے اور اُس سے فضل و رحمت طلب کرکے وطن مالوف کو خیرباد کہکر نکل کھڑے ہوئے جیساکہ حضرت موسیٰ نے فرعون کے علاقہ سے نکلتے وقت کہا تھا۔ عَسَىٰ رَبِّي أَنْ يَهْدِيَنِي سَوَاءَ السَّبِيلِ (پ۲۰ القصص)

۱۹ ضرب علی الآذان سے معنے ہیں کانوں پر مارنا۔ یہ محاورہ سُلا دینے کے معنے میں ہے جیسے ہمارے ہاں بھی کان تھپکنا کہتے ہیں۔ بلکہ مائیں بچوں کو سُلانے کیوقت اُن کے کان تھپکتی ہیں۔ تو وہ سو جاتے ہیں۔ چونکہ یہ سب کچھ قدرتی طور پر ہوا اسلئے اِسے خدا نے اپنی طرف نسبت کیا کہ ہمنے انکے کان تھپکے یا نیند وارد کرکے اُن کو سُلا دیا۔ اسیطرح جنگ بدر اور جنگ اُحد میں صحابہ کرام پر اونگھ وارد کرکے انکو آرام و آسائش پہنچائی تو اسے بھی اپنی طرف نسبت کیا۔ چنانچہ فرمایا۔ إِذْ يُغَشِّيكُمُ النُّعَاسَ أَمَنَةً مِنْهُ (انفال پ۹) یعنے جب ڈھانپتا تھا تمکو اونگھ سے امن دینے کیلئے اپنے پاس سے اور جنگ احد وغیرہ میں فرمایا ثُمَّ أَنْزَلَ عَلَيْكُمْ مِنْ بَعْدِ الْغَمِّ أَمَنَةً نُعَاسًا (آل عمران پ۴) یعنے پھر خدا نے تمپر غم کے بعد امن کی صورت یعنے اونگھ اُتاری

مولٰنا ابوالکلام صاحب نے ترجمان القرآن میں اسجگہ ضرب علی الاذان کے معنے خلاف محاورہ یہ کئے ہیں "اُن کے کان (دنیا کی طرف سے) بند کر دیئے"۔ حالانکہ صحیح بخاری میں ہے۔ فَضَرَبَ اللّٰهُ عَلَى آذَانِهِمْ فَنَامُوا یعنے خدا نے اُن کے کان تھپکے تو وہ سو گئے۔ اسکی تائید میں وَهُمْ رُقُودٌ جو اگلے رکوع میں ہے یاد رہے۔

۲۰ سِنِينَ عَدَدًا اِن سالوں کی گنتی نمبر ۲۳ میں آئیگی یعنے تین سو ۳۰۰ اور ۹ برس۔ ۱۲منہ

ثُمَّ بَعَثْنٰهُمْ لِنَعْلَمَ اَیُّ الْحِزْبَیْنِ اَحْصٰی لِمَا لَبِثُوْٓا اَمَدًا ﴿۱۳﴾ نَحْنُ نَقُصُّ

پھر ہمنے اُنکو اُٹھایا؛ تاکہ ہم دیکھ لیں کہ ہر دو گروہوں میں کسکو وہ مدت معلوم ہے جو وہ ٹھیرے ۱۳ (اے پیغمبر!) ہم تمپر اُنکی خبر

عَلَیْكَ نَبَاَهُمْ بِالْحَقِّ اِنَّهُمْ فِتْیَةٌ اٰمَنُوْا بِرَبِّهِمْ وَزِدْنٰهُمْ هُدًی ﴿۱۴﴾

سچ سچ بیان کرتے ہیں ــ کہ تحقیق وہ چند جوان تھے جو اپنے رب پر ایمان لائے تھے اور ہمنے اُنکو ہدایت میں زیادہ کیا تھا،

ف۲۱ علم الٰہی محیطِ کل ہے وہ ہر شے کو اُسکے واقع ہونے سے پیشتر بھی ویسے ہی جانتا ہے جیسے اُسکے ظہور کے وقت کیونکہ اسکا علم حضوری ہے حصولی اور محتاجِ آلہ نہیں ہے لیکن چونکہ سب حوادث زمانی ہیں یعنے ہر حادثہ کیلئے زمانہ لازم ہے اور حادثہ زمانہ سے منفک نہیں ہوسکتا، اسلئے خدا تعالٰے کے علم کا تعلق جو وقوعِ حادثہ پر اُس حادثہ سے ہوتا ہے ـ زمانی کہلاتا ہے ـ ورنہ صفتِ الٰہی ہونے کی حیثیت سے وہ زمانہ سے مبرا ہے ـ یا بالفاظ دیگر یوں سمجھئے کہ یہاں تین امر ہیں علم الٰہی اور حدوثِ حادثہ اور اِس حادثہ سے علم الٰہی کا تعلق اور ظاہر ہے کہ تینوں الگ الگ ہیں حوادث تو سب کے سب زمانی ہیں ـ اور علم الٰہی ازلی ہے باقی رہا حادثہ کے حدوث کے وقت اُس سے علم الٰہی کا تعلق سو وہ بوجہ اس حادثہ کے زمانی ہونے کے زمانی کہلاتا ہے ورنہ اپنی ذات میں وہ قدیم ہے اسکی نظیر یہ ہے کہ خدا تعالٰے کی ایک صفت خالقیت ہے اور صفاتِ فعل میں سے ہے فعل حادث ہوتا ہے ـ اسلئے اسکے لئے زمانہ ضروری ہے ـ حالانکہ فعلِ خلق سے پیشتر خدا تعالٰے صفتِ خالقیت سے موصوف ہے کیونکہ جبتک وہ پیشتر سے موصوف نہ ہو اُس سے فعل صادر نہیں ہوسکتا ـ پس اِسکا حل اسطرح ہے کہ صفتِ خالقیت بلحاظ ذاتِ خدا سے متعلق ہونے کے قدیم ہے لیکن فعلِ خلق باعتبار صدور کے حادث ہے ایک خاص زمانہ میں خدا تعالٰے نے خلقت کو اپنے ارادہ واختیار سے پیدا کیا اِس نکتہ کو آریوں نے نہ سمجھکر صفتِ خالقیت کے اِن دونوں اعتباروں میں فرق نہ کیا تو وہ اس سلسلہ کی قدامت کے قائل ہوگئے ـ اِس مشکل کو سیدنا حضرت امام ابو حنیفہ رح نے اسطرح حل کیا ہے ـ چنانچہ آپ فرماتے ہیں :ـ

کَانَ اللّٰہُ خَالِقًا قَبْلَ اَنْ یَّخْلُقَ (فقہ اکبر) یعنے خدا تعالٰے فعلِ خلق کرنے سے پیشتر صفتِ خالقیت سے موصوف تھا ـ فَافْهَمْ وَخُذْهُ فَاِنَّهٗ لَطِیْفٌ وَّدَقِیْقٌ جِدًّا ـ

ف۲۲ بظاہر یہ خیال گذر سکتا ہے کہ اُنکی مدتِ اقامت کا علم کوئی ایسا بڑا امر نہیں ہے پھر اللہ تعالٰی نے اسطرح کیوں فرمایا ثُمَّ بَعَثْنٰهُمْ لِنَعْلَمَ یعنے ہمنے اُنکو اُٹھایا تاکہ ہم دیکھ لیں" ایک معمولی بات کیلئے اتنے اہم اور عجیب نشانِ قدرت کے واقع کرنے کی کیا ضرورت ہے؟ سو اسکا جواب یہ ہے کہ وقت کا تصور مشتمل ہوتا ہے اُن امور کے تصور پر بھی جو اُسمیں واقع ہوتے ہیں چنانچہ فصیح محاورات میں واقعات کے یاد کرانے کیلئے اُس وقت کو یاد کرایا جاتا ہے ـ جس میں وہ واقع ہوئے ہیں چنانچہ کہا جاتا ہے" وہ وقت یاد کرو" جب ایسا ایسا ہوا تھا" اور" جب ہمنے تمسے ایسا ایسا سلوک کیا تھا" قرآن شریف اِس طرزِ بیان سے بھرا پڑا ہے ـ آیات وَاِذْ قُلْنَا اور وَاِذْ جَعَلْنَا اور اِذْ اَرْسَلْنَا وغیرہ اسی قبیل سے ہیں ـ پس حاصل مطلب آیت زیرِ تفسیر کا یہ ہوا کہ جب حیص بیص اور تحقیقات سے معلوم ہوگا، کہ اصحابِ کہف تین سو ۳۰۰ سال بلکہ زیادہ عرصہ تک سوئے رہنے کے بعد اُٹھے تو اسبات کا تصور بھی ساتھ ہی آجائیگا ـ کہ اِس مدّت مدید تک بے آب و دانہ زندہ رہنا بھی عجائباتِ قدرت سے ہے ـ اور اسکے ساتھ یہ بھی کہ خدا تعالٰے اپنے دستور وَهُوَ یَتَوَلَّی الصّٰلِحِیْنَ سے اپنی توحید کے شیدائیوں کو ضائع نہیں کرتا ـ بلکہ اُن کو عجیب وغریب مخفی اسباب سے ظالموں کے ظلم سے محفوظ رکھتا ہے ـ اور یہ بھی کہ انبیاء علیہم السلام کی تعلیم دربارہ بعثت بعد الموت یعنے موت کے بعد قیامت کے دِن زندہ ہونا بالکل حق ہے چونکہ یہ سب امور ایمانیات میں سے ہیں اور ایمانیات کا ذکر قرآن شریف کے خصوصی مقاصد میں سے ہے ـ اسلئے اِن خدا پرست نوجوانوں کو اِن امور کے ظہور کیلئے اِتنی مدّت کے بعد اُٹھا کھڑا کیا ـ والحمد للہ ـ مولانا ابو الکلام نے اَحْصٰی کو اسم تفضیل سمجھا ہے (ص ۳۷۶) اور یہ غلط ہے بلکہ یہ فعل ماضی ہے (کشاف وغیرہ) پھر اسکی جو تاویل کی ہے وہ اِس سے بھی لایعنی ہے ـ جو یہ ہے "کون گروہ تھا جسنے اس عرصہ میں نتائجِ عمل کا بہتر اندازہ کیا (ص ۳۹۴) رکوع نمبر ۲ میں اسکی تفسیر وَلَبِثُوْا فِیْ کَهْفِهِمْ ثَلٰثَ مِائَةٍ سِنِیْنَ الآیۃ آچکی ہے جہاں یہ مولانا کی تاویل چل نہیں سکتی" فافہم ـ

وَّرَبَطْنَا عَلٰى قُلُوْبِهِمْ اِذْ قَامُوْا فَقَالُوْا رَبُّنَا رَبُّ السَّمٰوٰتِ

اور ہمنے (ثابت قدمی کی) گرہ لگادی انکے دلوں پر جب وہ بادشاہ کے سامنے کھڑے ہوئے۔ پس وہ کہنے لگے کہ ہمارا رب تو آسمانوں اور

وَالْاَرْضِ لَنْ نَّدْعُوَا۟ مِنْ دُوْنِهٖٓ اِلٰـهًا

زمین کا رب ہے۔ ہم ہرگز نہیں پکاریں گے اُس کے سوا کسی اور کو معبود۔

ف۲۴ رَبْطُ عَلَى الْقَلْبِ دلیر کردینا۔ مطلب یہ ہے کہ وہ کافر بادشاہ دقیانوس کے سامنے پیش ہوئے تو مطلقاً نہیں گھبرائے بلکہ نہایت استقلال و استقامت سے توحید پر قائم رہے اور اُس جابر بادشاہ کے سامنے کلمۂ توحید کے اقرار اور شرک کی تردید سے نہیں جھجکے، حدیث پاک میں فرمایا۔ اَفْضَلُ الْجِهَادِ مَنْ قَالَ كَلِمَةَ حَقٍّ عِنْدَ سُلْطَانٍ جَائِرٍ (مشکوٰۃ ص ۳۱۴) یعنے افضل جہاد اُس شخص کا ہے۔ جو کسی ظالم بادشاہ کے سامنے کلمۂ حق کہے۔

ف۲۵ اِذْ قَامُوْا متعلق ہے۔ رَبَطْنَا کے یعنے جب وہ بادشاہ کے سامنے سوال و جواب کیلئے کھڑے ہوئے تو ہمنے اُن کے دلوں پر استقامت کی گرہ لگادی، چونکہ استقامت خدا کی توفیق سے ہوتی ہے اسلئے اِس ربط کو اپنی طرف نسبت کیا، کہ ہمنے گرہ لگائی۔ جیسا کہ حضرت موسیٰؑ کی والدہ کے متعلق فرمایا اِنْ كَادَتْ لَتُبْدِيْ بِهٖ لَوْلَآ اَنْ رَّبَطْنَا عَلٰى قَلْبِهَا (قصص پ ۲۰) یعنے قریب تھی کہ وہ اُسے (موسیٰؑ) کو ظاہر کردے (کہ وہ میرا بیٹا ہے) اگر ہم اُسکے دل پر گرہ نہ لگاتے یعنے اُسکے دل کو نہ تھامتے۔

ف۲۶ اِذْ قَامُوْا کے رَبَطْنَا سے متعلق ہونے کی بنا پر فَقَالُوْا کی ف فصیحیہ ہے جسکے یہ معنی ہیں۔ کہ اِس ربط قلب کے اثر سے جابر بادشاہ کے سامنے وہ کلمۂ توحید رَبُّنَا رَبُّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ کے اقرار پر قائم رہے اور انہوں نے عبادت مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ سے بیزاری ظاہر کی۔

ف۲۷ رَبُّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ یہ خدا تعالےٰ کو رَبَّنَا ماننے کی دلیل ہے کیونکہ ہماری پیدائش اور پرورش اُن اسباب سے ہوتی ہے۔ جو زمین و آسمان کی تاثیر و تاثر سے مربوط ہیں اور ظاہر ہے۔ کہ زمین و آسمان کی مالکیت اور انہیں اسباب کی پیدائش اور پھر اُن کا مؤثر کرنا سب کچھ اسی کے ہاتھ میں ہے۔ پس سب کا رب وہی ہے۔ جس کے ہاتھ میں سب کی پرورش کے اسباب ہیں۔ پس ہم مسلمان صرف اُسی کو اپنا رب تسلیم کرتے ہیں جس کی یہ شان ہے۔ جب حضرت موسےٰؑ اور ہارون نے فرعون کے سامنے کہا اِنَّا رَسُوْلُ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ۔ اور فرعون نے پوچھا کہ وَمَا رَبُّ الْعٰلَمِيْنَ تو موسےٰؑ نے کہا رَبُّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا۔ پروردگار آسمانوں کا اور زمین کا اور ہر اُس شے کا جو اُن دونوں کے درمیان ہے۔ یہ مضمون قرآن مجید میں اثبات توحید میں بکثرت موجود ہے۔ ۱۲ منہ۔

ف۲۸ لَنْ نَّدْعُوَا۟ کی واؤ کے بعد الف مثل کئی ایک دیگر مواضع کے لکھنے میں تو آتا ہے۔ لیکن پڑھنے میں نہیں آتا اسلئے ہمنے کتابت میں یہ التزام کیا ہے۔ کہ قرآن شریف میں جہاں جہاں ایسے الف آتے ہیں اُن کے اوپر نشانِ مقاطع (x) لکھ دیا ہے۔ اِس الف کے لکھنے کی وجہ یہ ہے کہ حرف واؤ جب طرف کلمہ میں واقع ہو اور اُس کے ماقبل پر ضمہ ہو تو اِس واؤ کو ثابت رکھنا اور اُسے ہمزہ سے بدلنا ہر دو امر جائز ہوتے ہیں۔ پس واؤ تو اصل کے لحاظ سے لکھی گئی۔ اور ہمزہ بصورت الف تبدیل ہوجانے کی صورت دکھانے کیلئے لکھا گیا۔ لیکن جب واؤ پڑھی جائیگی۔ تو الف نہیں پڑھا جائیگا۔ اور اگر اُسے تبدیل کرکے ہمزہ پڑھا جائے۔ تو واؤ نہیں پڑھی جائیگی۔ اسی طرح آیت وَاَنْ اَتْلُوَا۟ الْقُرْاٰنَ (نمل پ ۲۰) اور آیت لِتَتْلُوَا۟ عَلَيْهِمُ الَّذِيْٓ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ (رعد پ ۱۳) وغیرہا میں ہے۔ ۱۲ منہ۔

لَقَدْ قُلْنَا اِذًا شَطَطًا ﴿۱۵﴾ هٰٓؤُلَآءِ قَوْمُنَا اتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِهٖٓ اٰلِهَةً ؕ

(اگر ہم) ایسا کہیں (تو) ہم نے (خدا پر) کیسی ہی بیہودہ بات کہی۔ یہ ہماری قوم کے لوگ ہیں انہوں نے بنا رکھے ہیں اس کے سوا کئی معبود۔

لَوْلَا يَاْتُوْنَ عَلَيْهِمْ بِسُلْطٰنٍۭ بَيِّنٍ ؕ فَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرٰى عَلَى اللّٰهِ

کیوں نہیں لاتے اُن (کے معبود ہونے) پر کوئی روشن دلیل (جب ایسا حال ہے) تو اُس سے کون بڑا ظالم ہے جو خدا پر جھوٹ

كَذِبًا ﴿۱۶﴾ وَاِذِ اعْتَزَلْتُمُوْهُمْ وَمَا يَعْبُدُوْنَ اِلَّا اللّٰهَ فَاْوٗٓا اِلَى الْكَهْفِ

باندھے ۔ (اور یہ کہکر وہ وہاں سے رخصت ہو گئے اور آپس میں کہنے لگے کہ) جب تم ان لوگوں سے اور ان بتوں سے جنکو وہ خدا کے سوا پوجتے ہیں کنارہ

يَنْشُرْ لَكُمْ رَبُّكُمْ مِّنْ رَّحْمَتِهٖ وَيُهَيِّئْ لَكُمْ مِّنْ اَمْرِكُمْ مِّرْفَقًا ﴿۱۷﴾

تمہارا رب تمہارے لئے اپنی رحمت کا دامن پھیلا دیگا۔ اور تمہارے لئے تمہارے کام میں (ہر طرح کی) آسانی مہیا کر دے گا۔

ف۲۹ شطط کے معنے ہیں حق سے دوری اور دروغ (قاموس وغیرہ) غیر اللہ کو معبود گردانے سے بڑھکر کونسی بات ناحق اور دروغ ہوگی چنانچہ فرمایا وَمَنْ اَضَلُّ مِمَّنْ يَّدْعُوْا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَنْ لَّا يَسْتَجِيْبُ لَهٗٓ اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ وَهُمْ عَنْ دُعَآئِهِمْ غٰفِلُوْنَ ۔ (احقاف) اسی کا ترجمہ حضرت شیخ عطار صاحب یوں فرماتے ہیں ۔ ہر کہ خواند غیر حق را اے پسر ۔ کیست در دنیا از و گمراہ تر ۱۲

ف۳۰ شرک کی کوئی دلیل نہیں نہ الہامی نہ عقلی جو کچھ اس کے ثبوت میں کہا جاتا ہے سب توہمات و اباطیل کا مجموعہ ہے ۱۲ منہ

ف۳۱ یہ بات انہوں نے خدا کے فضل کی امید اور اُسکے وعدوں کی تصدیق سے کہی کیونکہ مہاجرین سے خدا کے ایسے ہی وعدے ہیں چنانچہ فرمایا وَمَنْ يُّهَاجِرْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ يَجِدْ فِي الْاَرْضِ مُرٰغَمًا كَثِيْرًا وَّسَعَةً (پ۵ النساء) نیز فرمایا وَالَّذِيْنَ هَاجَرُوْا فِي اللّٰهِ مِنْۢ بَعْدِ مَا ظُلِمُوْا لَنُبَوِّئَنَّهُمْ فِي الدُّنْيَا حَسَنَةً ؕ وَلَاَجْرُ الْاٰخِرَةِ اَكْبَرُ ۘ لَوْ كَانُوْا يَعْلَمُوْنَ ۔ الَّذِيْنَ صَبَرُوْا وَعَلٰى رَبِّهِمْ يَتَوَكَّلُوْنَ ۔ (نحل)

ف۳۲ خدا کے سوا کسی اور کو معبود بنانا افترا بھی ہے اور کذب بھی ہے۔ افترا اسلئے ہے کہ غیر اللہ کی عبادت صرف خدا کے نام کے دھوکے پر کیجاتی ہے یعنی اسلئے کیجاتی ہے کہ یہ خدا کے مقبول و مقرب لوگ ہیں ہماری عرضداشتیں خدا کے حضور پیش کرتے ہیں اور خدا تعالیٰ ان کی عبادت اور ان کے نام کے وظیفے اور ان کے نام کی نذر نیاز اور چڑھاوے سے خوش ہوتا ہے اور یہ ہمارے اور خدا تعالیٰ کے درمیان واسطہ اور وسیلہ ہیں خدا تعالیٰ نے ایسی افترا اسلئے کہا کہ خدا نے اس امر کی اجازت کسی نبی کی زبانی نہیں دی کہ میرے سوا کسی نبی یا ولی یا فرشتے کی عبادت کی جائے یا اُسکے نام کا وظیفہ پڑھا جائے یا اُس کے نام کا نعرہ پکارا جائے یا اُس کے نام کی نذر نیاز دیجائے۔ چنانچہ قرآن شریف میں کئی ہی مواقع میں شرک کی تردید میں مَا اَنْزَلَ اللّٰهُ بِهَا مِنْ سُلْطٰنٍ اسی معنے میں کہا گیا ہے۔ اور کذب اسلئے ہے کہ واقعہ میں ایسا نہیں ہے۔ کہ من دون اللہ کی عبادت خدا کی عبادت ہو سکے۔ یہ بالکل سفاہت اور نادانی ہے۔ چنانچہ فرمایا وَمِنْ اٰيٰتِهِ الَّيْلُ وَالنَّهَارُ وَالشَّمْسُ وَالْقَمَرُ ؕ لَا تَسْجُدُوْا لِلشَّمْسِ وَلَا لِلْقَمَرِ وَاسْجُدُوْا لِلّٰهِ الَّذِيْ خَلَقَهُنَّ اِنْ كُنْتُمْ اِيَّاهُ تَعْبُدُوْنَ (حم سجدہ پ۲۴) یعنے رات اور دن اور سورج اور چاند (جنکے عوارض سے بحکم خدا دن اور رات پیدا ہوتے ہیں) خدا کے نشانات ہیں۔ تم نہ تو سورج کو سجدہ کرو اور نہ چاند کو بلکہ خدا کو سجدہ کرو جس نے ان کو (اس حالت پر) پیدا کیا ہے۔ اگر تم اُسی خدا کی عبادت کرتے ہو

وَتَرَى الشَّمْسَ اِذَا طَلَعَتْ تَّزٰوَرُ عَنْ كَهْفِهِمْ ذَاتَ الْيَمِيْنِ وَاِذَا
اور اے پیغمبر! اسی وجہ سے تم سورج کو دیکھتے ہو کہ جب وہ نکلتا ہے تو ہٹکر جھکا جاتا ہے اُن کی غار سے داہنی طرف کو اور جب ڈوبنے لگتا ہے

غَرَبَتْ تَّقْرِضُهُمْ ذَاتَ الشِّمَالِ وَهُمْ فِيْ فَجْوَةٍ مِّنْهُ ۭ ذٰلِكَ مِنْ اٰيٰتِ اللّٰهِ ۭ
تو کترا جاتا ہے اُن سے بائیں طرف کو اور وہ اُس غار کی فراخی میں ہیں یہ بات خدا کی نشانیوں میں سے ہے

مَنْ يَّهْدِ اللّٰهُ فَهُوَ الْمُهْتَدِ ۚ وَمَنْ يُّضْلِلْ فَلَنْ تَجِدَ لَهٗ وَلِيًّا مُّرْشِدًا ۝ (۱۸)
جسے خدا ہدایت بخشے وہ (اس نشانی سے) ہدایت پا جاتا ہے۔ اور جس سے وہ توفیق ہٹالے تو اے پیغمبر! تم کو اسکے لئے کوئی دوست کارساز اور راہ پر لانیوالا نہیں

ف۱: اس صورت میں غار کا منہ شمال کیطرف تھا یعنی بنات النعش کے سامنے (کشاف) اور تزاور وغیرہ مضارع کے صیغے حکایت حال ماضی کیلئے ہیں۔ ۱۲ منہ

ف۲: اس فراخی کا ذکر دو وہموں کو دور کرنے کے لئے ہے۔ اول یہ کہ کوئی کہہ سکتا ہے کہ اس صورت میں غار کی تنگی معلوم ہے دوم یہ کہ جب تنگ ہوئی تو ہوا اور روشنی جو صحت کیلئے ضروری ہے اسکا کیا انتظام تھا۔ سو فرما دیا کہ وہ غار کشادہ بھی اسکا منہ ایسی جانب میں تھا کہ دھوپ اسکے اندر نہیں جا سکتی تھی۔ اور کہف کہتے ہی وسیع غار کو ہیں (دیکھو تفسیر کبیر و کشاف)

ف۳: ہدایت اور ضلالت دو متضاد لفظ ہیں۔ ہدایۃ کے معنے ہیں راہ دکھانا اور راہ پر لے آنا۔ اور ضلالت کے معنے ہیں بے راہ ہو جانا۔ جب لفظ اضلال (مزید فیہ) کی اسناد خدا تعالےٰ کیطرف ہو تو اسکے معنے گمراہ کرنے کے نہیں ہوتے۔ کیونکہ خدا تعالےٰ ابتداءً نہ تو کسی کو گمراہی پر پیدا کرتا ہے۔ اور نہ بعد ازاں گمراہ کرتا ہے۔ ورنہ انبیاء کا بھیجنا۔ اور کتابوں کا نازل کرنا اور دیگر اسباب ہدایت عقل۔ فکر۔ سمع۔ بصر کا عطا کرنا بالکل مہمل و بیکار ہوگا۔ معاذ اللہ منہا بلکہ اس سے دو معنے دیگر مراد لئے گئے ہیں۔
اول خذلان۔ جیسا کہ حضرت امام اعظمؒ نے فقہ اکبر میں فرمایا اِضْلَالُهٗ خِذْلَانُهٗ یعنے خدا تعالےٰ ہر طرح کی حجت پوری کرنے کے بعد ضدی اور متمرد نافرمان سے اپنی توفیق ہٹا کر اسکو اسکے حال پر چھوڑ دیتا ہے یعنے آدمی خود گمراہی اختیار کرتا ہے۔ اور خدا تعالےٰ کی ہدایت کے مقابلہ میں ضد اور اصرار کرتا ہے۔ تو خدا تعالےٰ اسکی دستگیری چھوڑ دیتا ہے۔ اور اسے گمراہی میں رہنے دیتا ہے جیسا کہ سورۂ نوح میں ہے کہ حضرت نوحؑ نے خدا تعالےٰ سے شکایت کی وَاَصَرُّوْا یعنے میری قوم میرے وعظ و نصیحت کے مقابلے میں اصرار کرتی رہی۔ اسکے بعد ان پر بد دعا کی اور کہا وَلَا تَزِدِ الظّٰلِمِيْنَ اِلَّا ضَلٰلًا یعنے ان ظالموں کو ضلالت ہی میں زیادہ کر۔ نیز سورۂ اعراف میں فرمایا وَيَذَرُهُمْ فِيْ طُغْيَانِهِمْ يَعْمَهُوْنَ یعنے اُن کو اُنکی سرکشی ہی میں چھوڑ دیتا ہے اور سورۂ بقرہ میں فرمایا فِيْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ ۙ فَزَادَهُمُ اللّٰهُ مَرَضًا یعنے اُن کے دل میں ایک بیماری ہے۔ پس اللہ تعالےٰ ان کو بیماری میں زیادہ کرتا ہے اس حالت کو قرآن شریف میں امہال بھی کہا گیا ہے یعنے خدا تعالےٰ اُن کی رسی ڈھیلی کر دیتا ہے۔ تو ان کے لئے گمراہی کے اسباب اور زیادہ ہو جاتے ہیں۔ چنانچہ فرمایا اِنَّمَا نُمْلِيْ لَهُمْ لِيَزْدَادُوْٓا اِثْمًا یعنے ہم ان کو یہ مہلت اس لئے دیتے ہیں کہ وہ گناہوں میں زیادتی کریں۔ جب اُن کا کاسہ لبریز ہو جائے تو اُن کو ہلاک کریں۔ اس تفصیل سے معلوم ہو گیا کہ یہ سب کچھ انسان کے اپنے اختیار کردہ ضلالت کی سزا میں کیا جاتا ہے۔

دوسرے معنے یہ ہیں کہ باب افعال کا ہمزہ کبھی نسبت بماخذ کیلئے بھی آتا ہے۔ (نوادر الاصول) پس اسکے معنے یہ ہونگے۔ کہ خدا تعالےٰ اپنی حجت پوری کرنے کے بعد ضدی اور متمرد لوگوں پر ضلالت و گمراہی کا فتویٰ عائد کر دیتا ہے۔ یعنے وہ لوگ خدا کے نزدیک گمراہ قرار دیئے جاتے ہیں۔ پھر اُن پر ہدایت کا دروازہ بند ہو جاتا ہے۔ کیونکہ خدا تعالےٰ کا علم اور فتوےٰ غلط نہیں ہو سکتا۔

وَتَحْسَبُهُمْ اَيْقَاظًا وَّهُمْ رُقُوْدٌ وَّنُقَلِّبُهُمْ ذَاتَ الْيَمِيْنِ وَذَاتَ الشِّ

اور تو دیکھے تو ان کو سمجھے ہو کہ وہ جاگتے ہیں۔ حالانکہ وہ سوتے ہیں اور ہم انکی کروٹیں بدلتے رہتے ہیں داہنی جانب اور بائیں جانب

وَكَلْبُهُمْ بَاسِطٌ ذِرَاعَيْهِ بِالْوَصِيْدِ ؕ لَوِ اطَّلَعْتَ عَلَيْهِمْ لَوَلَّيْتَ مِنْهُ

اور انکا کتا پھیلائے ہوئے ہے اپنی دونوں بازو چوکھٹ میں (اے پیغمبر) اگر تم ان کو جھانک کر دیکھو تو البتہ تم ان سے

فِرَارًا وَّلَمُلِئْتَ مِنْهُمْ رُعْبًا ﴿۱۹﴾

بھاگ کر پیٹھ پھیر لو اور البتہ تم ان سے رعب سے بھر جاؤ ۱۹

بقیہ حاشیہ صـ۱۷ یعنی جس کی نسبت وہ کہدے کہ یہ گمراہ ہے۔ تو دوسرا شخص اگر یہ کوشش کرے کہ اسے ہدایت پر لے آوے تو یہ کیسے ہو سکتا ہے۔ کیونکہ خدا تعالےٰ کا علم وفتویٰ کامل اور صحیح ہے۔ اور خطا و غلطی سے پاک ہے۔ اس بات کو ہم انسانی محاورے میں سمجھاتے ہیں۔ اس کے لیے ملاحظہ ہوں آیاتِ ذیل:۔ (۱) وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيُضِلَّ قَوْمًا بَعْدَ اِذْ هَدٰىهُمْ حَتّٰى يُبَيِّنَ لَهُمْ مَّا يَتَّقُوْنَ (توبہ پ۱۱) (۲) نیز فَرِيْقًا هَدٰى وَفَرِيْقًا حَقَّ عَلَيْهِمُ الضَّلٰلَةُ (اعراف پ۸) جب ایسے شخص پر ہدایت کا دروازہ بند ہو جاتا ہے۔ تو اُسے ختم اور طبع اور لعنت سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ ورنہ اللہ تعالےٰ ابتداءً کسی کے دل پر مہر نہیں لگاتا یہ حالت وہ ہوتی ہے کہ انسان خدا کی درگاہ سے بالکل راندہ جاتا ہے۔ اور ہمیشہ کیلئے رحمت سے محروم کر دیا جاتا ہے جیسے اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ لَعَنَهُمُ اللّٰهُ فَاَصَمَّهُمْ وَاَعْمٰٓى اَبْصَارَهُمْ (پ۲۶ محمد) نیز ایک جگہ فرمایا وَقَوْلِهِمْ قُلُوْبُنَا غُلْفٌ ؕ بَلْ طَبَعَ اللّٰهُ عَلَيْهَا بِكُفْرِهِمْ (پ۶ النساء) اور دوسری جگہ فرمایا وَقَالُوْا قُلُوْبُنَا غُلْفٌ ؕ بَلْ لَّعَنَهُمُ اللّٰهُ بِكُفْرِهِمْ (البقرہ پ۱) اول تو ہر دو جگہ کفر کو سبب طبع اور لعنت کا بتایا دیگر یہ کہ طبع کی بجائے لفظ لعنت ذکر کرکے بتا دیا کہ طبع و ختم سے مراد خدا کی لعنت یعنے اُسکی رحمت سے محرومی ہے۔ فافہم ولا تغفل

حواشی صفحہ ہذا صـ۳۶ وَتَرَى الشَّمْسَ سے نُقَلِّبُهُمْ تک سب صیغے فعل حال کے ذکر کئے ہیں۔ اور كَلْبُهُمْ بَاسِطٌ کی صورت بھی یعنی فعل حال حالانکہ حکایت زمانہ ماضی کی ہے۔ اسکی دو وجہیں ہیں۔ اوّل یہ کہ ہو سکتا ہے کہ ابھی تک اصحاب کہف اسی حال میں ہوں۔ دوم یہ کبھی زمانہ ماضی کے واقعہ کو بھی فعل حال میں ذکر کرتے ہیں مثلاً خواب کا واقعہ بعض دفعہ ماضی میں اور عموماً فعل حال میں بیان کیا جاتا ہے۔ اسی نحو حال ماضی کہتے ہیں یعنے گذشتہ واقعہ کو اس طرح بیان کرنا کہ وہ اسوقت واقع ہو رہا ہے۔ کیونکہ ذہن میں اُسکی صورت بصورت واقعہ سامنے موجود ہے۔ پس اُسے اس طرح بیان کرنا کہ وہ اسوقت واقع ہو رہا ہے۔ بجا ہے۔ اور یہ بھی قواعد فصاحت میں داخل ہے ۱۲ منہ

صـ۳۷ یہ سب غیبی سامان ہیں جو خدا تعالےٰ نے ان کی حفاظت کے لئے پیدا کر دیئے تھے۔ پس جو دعا انہوں نے ہجرت کرنے کے وقت کی تھی یعنے رَبَّنَآ اٰتِنَا مِنْ لَّدُنْكَ رَحْمَةً وَّهَيِّئْ لَنَا مِنْ اَمْرِنَا رَشَدًا وہ قبول ہو گئی اور جو حسن ظنی ذاتِ خداوندی کی نسبت کی تھی یعنے يَنْشُرْ لَكُمْ رَبُّكُمْ مِّنْ رَّحْمَتِهٖ وَيُهَيِّئْ لَكُمْ مِّنْ اَمْرِكُمْ مِّرْفَقًا وہ بھی پوری ہو گئی۔ ایسے قدرتی رعب کے سامانوں کی نسبت مولانا روم صاحب حضرت عمرؓ کے اس واقعہ میں لکھتے ہیں جو قیصر روم کے قاصد کے متعلق ہے سے

ہیبت حق است ایں از خلق نیست ہیبت آں مرد صاحب دلق نیست

وَكَذٰلِكَ بَعَثْنٰهُمْ لِيَتَسَاءَلُوْا بَيْنَهُمْ ۚ قَالَ قَائِلٌ مِّنْهُمْ كَمْ لَبِثْتُمْ

اور اسی طرح ہم نے انکو (اتنی مدت سلائے رکھا) اسی طرح ہمنے انکو جگا بھی اٹھایا۔ کہ وہ آپس میں دریافت کریں (چنانچہ) انہیں سے ایک نے کہا کہ تم یہاں کتنی مدت ٹھہرے

قَالُوْا لَبِثْنَا يَوْمًا اَوْ بَعْضَ يَوْمٍ ۚ قَالُوْا رَبُّكُمْ اَعْلَمُ بِمَا لَبِثْتُمْ فَابْعَثُوْا

(بعض) نے کہا کہ ہم ٹھہرے ایک پورا دن یا دن کا کچھ حصہ (پھر علامات سے سمجھ کر بعض) کہنے لگے تمہارے ٹھہرنے کی مدت تمہارا رب ہی خوب جانتا ہے۔ پس

اَحَدَكُمْ بِوَرِقِكُمْ هٰذِهٖٓ اِلَى الْمَدِيْنَةِ فَلْيَنْظُرْ اَيُّهَآ اَزْكٰى طَعَامًا فَلْيَأْتِكُمْ بِرِزْقٍ مِّنْهُ

اپنے میں سے ایک کو یہ روپیہ دے کر شہر کو بھیجو پس وہ دیکھے کہ ان میں سے کون زیادہ پاکیزہ کھانا رکھتا ہے پس تمہارے لیے اس میں سے روزی لے آئے

۱۴۷ سوال صرف اقامت کی مدت معلوم کرانے کیلئے اتنا اہم اور عجیب واقعہ صادر کرنیکی کیا ضرورت تھی؟

جواب: یہ محض اسلئے نہ تھا بلکہ مقصود یہ تھا کہ دریافت کرنے پر جب ان کو معلوم ہوگا۔ کہ ہم عرصہ دراز تک یہاں پر سوئے رہیں اور باوجود اسکے جب وہ اتنی مدت زندہ رہے ہیں تو ان کو خدا تعالےٰ کی قدرت یاد آئیگی۔ اور جب خدا تعالےٰ کے وعدوں کی تصدیق واقعات سے پائینگے تو ان کا ایمان زیادہ ہوگا۔ اور ان کا یہ واقعہ دیگر لوگوں کو معلوم ہوگا۔ تو ان کے لئے قیامت کے امکان کا ایک ثبوت ظاہر ہوگا۔ چونکہ ان سب امروں کی چابی یہی دریافتِ حالات کے سوال و جواب ہیں اس لئے اسی کو ذکر کیا اور باقی سب امور جو اس سے پیدا ہونے تھے ان کو ذہن کی رسائی کیلئے حذف کردیا۔ اس لئے کہ حذف میں حظِ دماغی ہوتا ہے۔ اور موقع مناسب پر حذف بہ نسبت ذکر کے فصیح و بلیغ گنا جاتا ہے (دیکھو کتب بلاغت)

۱۴۸ لفظ **اَزْكٰى** ذاتی، شرعی اور صنعتی ہر طرح کی پاکیزگی پر شامل ہے۔ ذاتی یہ کہ وہ کھانیکی چیز اپنی ذات کے لحاظ سے طیب و پاک ہو خبیث و پلید نہ ہو آنحضرت صلعم کی شان میں کتب سابقہ کے حوالہ سے (۱) وَيُحِلُّ لَهُمُ الطَّيِّبٰتِ وَيُحَرِّمُ عَلَيْهِمُ الْخَبٰٓئِثَ (اعراف پ ۹) یعنی وہ نبی آخر الزمان حلال کریگا واسطے انکے طیب چیزیں اور حرام کریگا خبیث چیزیں" **شرعی** پاکیزگی دو طرح پر ہے۔ اول یہ کہ وہ شے ذاتی طور پر پاک ہونے کے علاوہ شرع میں بھی حلال ہو۔ مثلاً بکری کا گوشت اپنی ذات میں پاک ہے۔ پکایا بھی جائے پانی پاک سے اور پاک برتن میں! اسمیں گھی اور مسالے وغیرہ ڈالے جائیں۔ لیکن وہ بکری اسلامی طریق پر خدا کے نام پر ذبح نہ کی جائے بلکہ جھٹکا کرکے یا گلا گھونٹ کر ماری جائے یا خدا کے سوا کسی اور کے نام سے ذبح کی جائے یا شرک میں پھنسے ہوئے جاہل مسلمان بتے غیر اللہ کے نام پر یا غیر اللہ کا قرب حاصل کرنے کی نیت سے نیاز پکائی ہو تو ایسا کھانا بدلیل آیت وَلَا تَاْكُلُوْا مِمَّا لَمْ يُذْكَرِ اسْمُ اللّٰهِ عَلَيْهِ (انعام پ ۸) نیز بدلیل آیت وَمَآ اُهِلَّ لِغَيْرِ اللّٰهِ بِهٖ (بقرہ پ ۲) حرام ہوگا۔ صحیح مسلم۔ سنن نسائی اور مسند امام احمدؒ میں حضرت علیؓ سے مروی ہے۔ کہ آنحضرت صلعم نے چار چیزوں لعنت کی ذکر کیں۔ ایک ان میں سے یہ فرمائی وَلَعَنَ اللّٰهُ مَنْ ذَبَحَ لِغَيْرِ اللّٰهِ (صحیح مسلم جلد ۲ صفحہ ۱۶۰) یعنے خدا نے اس شخص پر بھی لعنت کی ہے۔ جو خدا کے سوا کسی اور کے لئے ذبح کرے امام نوویؒ وغیرہ شارحین حدیث نے فرمایا کہ مراد یہ ہے کہ جسنے غیر اللہ کا قرب حاصل کرنے کے لئے ایسا کیا اسپر لعنت ہے اور یہ بھی کہا کہ برابر ہے کہ وہ ذبح کرنیوالا کوئی مسلمان ہو یا نصرانی ہو یا یہودی ہو۔ اور یہ بھی کہا کہ اگر وہ پیشتر سے مسلمان ہے تو اسطرح ذبح کرنیوالا مرتد ہو جائیگا۔ (اَعَاذَنَا اللّٰهُ مِنْ ذٰلِكَ) حنفی مذہب کی کتب مثل در مختار اور اسکی شرح رد المحتار میں بھی ایسا ہی لکھا ہے۔ اور اس مسئلہ میں علمائے اہلحدیث اور شافعیہ اور حنفیہ سب کا اتفاق ہے۔ عبارات بخوف طوالت نقل نہیں کی جاسکتیں **دوسری صورت** شرعی حلت کی یہ ہے کہ کھانیکی وہ چیز حلال وجہ سے حاصل کی گئی ہو یعنی حلال کمائی سے حاصل کی گئی ہو۔ رشوت۔ غصب۔ چوری ڈاکہ اور سٹہ بازی وغیرہ باطل وجوہ سے حاصل نہ کی گئی ہو۔ اور **صنعتی** پاکیزگی یہ ہے کہ وہ کھانا پاک برتن اور پاک پانی سے تیار کیا گیا ہو۔ اور بعد تیاری کے پاک و صاف برتن میں رکھا گیا ہو۔ چنانچہ حدیث شریف میں ہے کہ حضرت ابو ثعلبہ خشنیؓ نے عرض کیا کہ حضور! ہم اہل کتاب قوم کی سرزمین میں رہتے ہیں تو کیا ہم ان کے برتنوں میں کھالیا کریں۔ آپ نے فرمایا کہ نہیں۔ مگر اس صورت میں کہ ان کے سوا تمکو دوسرے برتن نہ ملیں۔ تو انکو دھولیا کرو۔ (بلوغ المرام صفحہ ۴) اسکی وجہ یہ تھی کہ اہل کتاب لوگ خلافِ شرع شراب پیتے اور خنزیر کھاتے تھے۔ جیسا کہ اب بھی کرتے ہیں۔ **پس** ایک مسلمان کو بحیثیت پیغمبر آخر الزمان کا امتی ہونے کے ان باتوں کا لحاظ ضرور کرنا چاہیے۔

وَلْيَتَلَطَّفْ وَلَا يُشْعِرَنَّ بِكُمْ أَحَدًا ﴿٢٠﴾ إِنَّهُمْ إِنْ يَظْهَرُوا عَلَيْكُمْ

اور چاہئے کہ یہ کام چپکے سے کرے اور تمہاری خبر کسی کو نہ بتائے، ضرور ہے اگر وہ تم سے آگاہ ہو گئے تو

يَرْجُمُوكُمْ أَوْ يُعِيدُوكُمْ فِي مِلَّتِهِمْ وَلَنْ تُفْلِحُوا إِذًا أَبَدًا ﴿٢١﴾

قتل کر دینگے یا تمکو اپنے مذہب میں واپس کر لینگے۔ اور پھر تم کبھی کبھی نجات نہ پا سکو گے

وَكَذَٰلِكَ أَعْثَرْنَا عَلَيْهِمْ لِيَعْلَمُوا أَنَّ وَعْدَ اللَّهِ حَقٌّ

اور اسیطرح ہمنے (لوگوں کو) اُن پر واپس کر دیا۔ تاکہ وہ جان لیں کہ خدا کا وعدہ حق ہے

۵۳۹ وَلْيَتَلَطَّفْ پر تَ اور لَام کے درمیان تعداد حروف کے لحاظ سے نصف قرآن ختم ہو جاتا ہے۔

۵۴۰ وَلَا يُشْعِرَنَّ بِكُمْ أَحَدًا ۱۲ میں رازداری کا سبق ہے۔ اِسی طرح حضرت موسیٰؑ کے ذکر میں فرمایا۔ کہ اُن کی ماں نے اپنی بیٹی سے کہا کہ تو اس صندوق کے پیچھے پیچھے چلی جا فَبَصُرَتْ بِهِ عَنْ جُنُبٍ وَهُمْ لَا يَشْعُرُونَ (ب) اسی طرح مسلمانوں کو سمجھایا وَإِذَا جَاءَهُمْ أَمْرٌ مِنَ الْأَمْنِ أَوِ الْخَوْفِ أَذَاعُوا بِهِ وَلَوْ رَدُّوهُ إِلَى الرَّسُولِ وَإِلَىٰ أُولِي الْأَمْرِ مِنْهُمْ لَعَلِمَهُ الَّذِينَ يَسْتَنْبِطُونَهُ مِنْهُمْ (النساء پ) یعنے جب ان کو امن یا خوف کی خبر ملتی ہے۔ تو اسکی عام اشاعت کر دیتے ہیں۔ اگر یہ لوگ اِس خبر کو رسول اللہ صلعم کیطرف اور اپنے میں سے مختار کاروں کی طرف لوٹاتے۔ تو اُن میں سے جو تحقیق کرنے والے ہیں وہ اُسکی اصلیت معلوم کر لیتے،

افسوس! باوجود اِن تصریحات کے مسلمان ایسے ناعاقبت اندیش اور بے حوصلہ ہو گئے ہیں کہ بڑے بڑے اہم کاموں میں بھی راز دل محفوظ نہیں رکھتے۔ کام کرنا یا اُسے شروع کرنا تو بڑی بات ہے ابھی پختہ یا خام مشورہ بھی نہیں ہونے پاتا۔ کہ ڈھول پیٹ دیتے ہیں اور غضب یہ ہے کہ پھر کرتے کراتے کچھ بھی نہیں جیسی ہوا اُکھڑ جاتی ہے۔ اور غیروں کے سامنے خفّت حاصل ہوتی ہے فَإِنَّا لِلَّهِ الخ اس کے مقابلہ میں برادران وطن کو دیکھئے کہ سب کام ایسے سلامتے کرتے ہیں۔ کہ ہوا تک نہیں نکلتی۔ بلکہ بسا اوقات سب کچھ ہو چکنے کے بعد بھی معلوم نہیں ہو سکتا کہ یہ کام کسی کیا۔ اور کس طرح ہو گیا۔ قرآن کریم نے نظام قومی کے جو اُصول بتائے ہیں وہ عمل کے متعلق ہیں اُنمیں ہندو، مسلمان۔ عیسائی۔ وغیرہ مذہبی امتیازوں کا لحاظ نہیں ہے۔ جو بھی اُن پر عمل کرے گا۔ وہ کامیاب ہو جائیگا مسلمانو! ہوش کرو۔ اور وقت کی نزاکت کو سمجھو اور محض مُنہ کی ہوائیاں چھوڑ چھوڑ کر اپنی ہوا نہ بگاڑو،

۵۴۱ رجم کے معنے سنگسار کرنے کے بھی ہیں اور مُطلق قتل کرنے کے بھی (مصباح) امام رازی اور زمخشری وغیرہ نے اسجگہ رجم کے معنے قتل ہی لکھے ہیں

۵۴۲ ارتداد سے سب سابقہ اعمال ضائع ہو جاتے ہیں۔ اسلئے کہا کہ پھر تم کبھی نجات نہ پاؤ گے ۱۲ منہ

۵۴۳ وکذٰلک یعنے کھانے کی حاجت پیدا کرنے اور شہر میں بھیجنے سے ہمنے اُس شہر کے لوگوں کو اُنپر آگاہ کر دیا مفسرین نے لکھا ہے کہ جو شخص کھانا لینے کے لئے شہر میں گیا تھا۔ جب اُسنے کھانے کی قیمت دی۔ تو چونکہ وہ سکہ پُرانا تھا۔ اِس لئے شہریوں نے سمجھا کہ اُس نے کہیں سے پرانا دفینہ پایا ہے اُس شخص نے کہا کہ میں اِسی شہر کا رہنے والا ہوں۔ اور میں کل یہیں تھا۔ لوگ اُسکو حاکم شہر کے پاس لیگئے تو اُسنے اپنا سارا قصّہ کہہ سنایا۔ حاکم مع اہل شہر کے اُسکے ساتھ غار پر گیا۔ تو اس شخص نے کہا پہلے مجھے اندر جانے دو۔ وہ اندر گیا تو خدا تعالےٰ نے غار کے اندر جانے کے رستے کو اُن تمام لوگوں پر مخفی کر دیا اور وہ اندر نہ جا سکے۔ آخر اُنھوں نے غار کے منہ پر ایک مسجد تعمیر کر دی (جامع البیان)

وَأَنَّ السَّاعَةَ لَا رَيْبَ فِيهَا إِذْ يَتَنَازَعُونَ بَيْنَهُمْ أَمْرَهُمْ فَقَالُوا

اور (نیز) یہ کہ قیامت کے وقوع میں شک نہیں ۲۵ جب وہ اپنے امر میں آپس میں تنازع کرتے تھے تو (بعض) کہنے لگے

ابْنُوا عَلَيْهِم بُنْيَانًا ۖ رَّبُّهُمْ أَعْلَمُ بِهِمْ ۚ قَالَ الَّذِينَ غَلَبُوا عَلَىٰ أَمْرِهِمْ

کہ ان پر ایک عمارت بنا دو۔ ان کا رب انکے (آئندہ) حال سے بہتر واقف ہے جو لوگ (آخرکار) اپنے امر میں غالب آ گئے انہوں نے

لَنَتَّخِذَنَّ عَلَيْهِم مَّسْجِدًا (۲۱) سَيَقُولُونَ ثَلَاثَةٌ رَّابِعُهُمْ كَلْبُهُمْ وَيَقُولُونَ خَمْسَةٌ

کہا کہ ہم ان پر ایک مسجد بنا کر رہینگے ۲۶ عنقریب (بعض) تو کہینگے کہ (وہ) تین تھے چوتھا انکا کتا تھا اور (بعض) کہینگے کہ (وہ) پانچ تھے

سَادِسُهُمْ كَلْبُهُمْ رَجْمًا بِالْغَيْبِ ۖ وَيَقُولُونَ سَبْعَةٌ وَثَامِنُهُمْ كَلْبُهُمْ ۚ

چھٹا انکا کتا تھا۔ (یہ ہر دو گروہ) غیب سے پتھر چلاتے ہیں۔ اور (بعض) کہینگے کہ وہ سات تھے اور آٹھواں انکا کتا تھا۔

قُل رَّبِّي أَعْلَمُ بِعِدَّتِهِم مَّا يَعْلَمُهُمْ إِلَّا قَلِيلٌ ۗ

(اے پیغمبر!) تم کہو میرا رب بہتر جانتا ہے انکی گنتی کو۔ نہیں جانتے ان کو مگر تھوڑے ۲۷

۲۵ اِس واقعہ سے امکانِ قیامت کا ثبوت اِس طرح ہے۔ کہ تین سو نو سال تک سوئے رہنا اور بے آب و دانہ زندہ رہنا اور اُن کے جسموں کا قائم رہنا عام عادت کے خلاف ہے جو انسان کے مشاہدے اور تجربے میں ہے۔ پس جس طرح خدا نے یہ کام کر دکھایا۔ اسی طرح مُردوں کو بھی زندہ کریگا۔ کیونکہ قیامت کی زندگی بھی عام عادت کے خلاف ہے۔ ورنہ یہ محال عقلی نہیں ہے۔ اور محال عادی اور محال عقلی میں فرق ہوتا ہے محال عادی ممکن بالذات ممتنع بالغیر ہوتا ہے۔ اور محال عقلی ممتنع بالذات ہوتا ہے۔ فافہم ۱۲ منہ

۲۶ ان کا تنازع امکانِ قیامت کے متعلق تھا۔ یا عمارت کی نوعیت کے متعلق جو وہ وہاں کھڑی کرنی چاہتے تھے۔

۲۷ اصحابِ کہف کی گنتی میں کئی قول ہیں جیسا کہ متنِ قرآن میں مذکور ہے۔ قرآن شریف نے نہایت لطیف طور پر اشارہ کر دیا ہے۔ کہ وہ سات تھے۔ علّامہ زمخشری رح نے کہا پہلے دو قولوں کے ساتھ واؤ نہیں آئی۔ اور تیسرے کے ساتھ واؤ آئی ہے۔ اور ایسے مواقع میں واؤ تاکید لصوق اور ثبوت و استقرار کے لئے آتی ہے۔ پس تیسرا قول یعنے سات والا قول درست ہے۔ نیز یہ کہ پہلے دو قولوں کی نسبت فرمایا کہ وہ غیبی پتھر چلاتے ہیں۔ اور اس تیسرے قول کیساتھ فرمایا مَا يَعْلَمُهُمْ إِلَّا قَلِيلٌ اور حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ اُن قلیل میں سے جو انکی تعداد جانتے ہیں۔ میں بھی ہوں اور وہ یہ ہے کہ وہ سات تھے۔ اور ایسا ہی حضرت علیؓ سے بھی منقول ہے۔ کہ اصحابِ کہف کی گنتی سات تھی۔ باوجود اس کے خدا تعالےٰ نے اِس امر میں خوض کرنے اور دلچسپی سے جھگڑا کرنے سے منع کر دیا۔ کیونکہ مہاجرین کے لئے خدا کی نصرت اور امکانِ قیامت کا جو ثبوت اس واقعہ میں ہے۔ وہ کسی خاص تعداد سے تعلق نہیں رکھتا؛

۲۸ یعنے حقیقتِ واقعی کے اظہار کیلئے حق حق بیان کر دینا ضروری ہے۔ سو کر دیا اس سے بڑھکر زیادہ کاوش کرنے کی ضرورت نہیں۔ لہٰذا ایسے اُمور میں صرف سرسری گفتگو کافی ہے۔ مسلمانو! دیکھو قرآن شریف لایعنی باتوں کی موشگافیوں سے کیسے عجیب طریق سے منع کرتا ہے ۱۲ منہ

فَلَا تُمَارِ فِيهِمْ إِلَّا مِرَاءً ظَاهِرًا وَّلَا تَسْتَفْتِ فِيهِم مِّنْهُمْ أَحَدًا (۲۲)

پس (اے پیغمبر!) انکے بارے میں جھگڑا نہ کرنا۔ مگر محض سرسری طور پر اور ان کے بارے میں ان لوگوں میں سے کسی سے بھی کچھ دریافت نہ کر

وَلَا تَقُولَنَّ لِشَايْءٍ إِنِّي فَاعِلٌ ذَٰلِكَ غَدًا (۲۳) إِلَّا أَن يَشَاءَ اللَّهُ

اور کسی امر کی نسبت یہ ہرگز نہ کہنا کہ میں اِسے کل کرنے والا ہوں ۲۳ مگر ساتھ اس قول کے یہ کہ چاہے اللہ

۴۹ جب اہل کتاب کے پاس سوائے ظن اور تخمین اور رجم بالغیب کے کچھ ہے ہی نہیں تو اُن سے دریافت کرنے کی کیا ضرورت؟ پوچھیں اُس سے جس کے پاس علم یقینی ہو۔ سو وہ وحی خدا ہے۔ جو پیغمبر اسلام پر آچکی اور اہل کتاب کے پاس نہیں ہے مسلمانو! اس میں بھی تمہارے لئے نصیحت ہے۔ کہ ظن وتخمین اور رائے اور قیاس سے فتوے دینے والے سے مسئلہ نہ دریافت کیا کرو۔ بلکہ صرف اُس سے پوچھو جسے قرآن وحدیث کا علم ہے۔ کیونکہ یہ ہردو وحی خدا ہیں۔ اسی معنے میں آنحضرت ص نے فرمایا کہ (اخیر زمانہ میں) علم قبض ہو جائیگا۔ تو لوگ جاہلوں کو اپنا سردار مقرر کرلینگے۔ پس وہ اُن کو بغیر علم کے فتوے دینگے۔ وہ خود بھی گمراہ ہونگے۔ اور اوروں کو بھی گمراہ کرینگے۔ (صحیح بخاری ملخصا کتاب العلم)

۵۰ اِس جگہ لفظ شیٔ کا رسم الخط اِس طرح ہے۔ لِشَايْءٍ یعنے شؔ اور یؔ کے درمیان الف زیادہ کیا جاتا ہے

۵۱ شان نزول اس طرح ہے۔ کہ جب کفار مکہ نے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم سے حقیقت روح اور اصحاب کہف اور ذوالقرنین کے قصے کی نسبت سوال کیا۔ تو آپ نے وحی الٰہی کے اعتماد پر کہدیا۔ کہ کل بتاؤں گا۔ اور آپ کو انشاء اللہ کہنا بھول گیا۔ چند روز وحی نہ آئی۔ تو آپ کو نہایت غم ہوا۔ خدا تعالےٰ نے سوالات کے جواب بھی نازل فرمائے اور ساتھ ہی یہ بھی ہدایت فرمائی۔ کہ آئندہ ایسا نہ کرنا۔ کہ جو کام کل کرنا ہو۔ اُسکی بابت بغیر انشاء اللہ کہنے کے کہدو کہ کل کرونگا۔ اگرچہ یہ نسیان تھا جیسا کہ اسجگہ فرمایا وَاذْكُر رَّبَّكَ إِذَا نَسِيتَ۔ لیکن حافظ ابن حزم نے کہا ہے۔ کہ ہم اُمتی لوگوں کو نسیان پر گرفت نہیں ہوتی لیکن انبیاء علیہم السلام کو اس پر بھی گرفت وتنبیہ ہوتی ہے۔ اگرچہ وہ عمداً خدا کی مرضی کے خلاف کرنے سے بالکل معصوم ہوتے ہیں۔ اُنسے صغیرہ یا کبیرہ کسی قسم کا گناہ عمداً سرزد نہیں ہوتا۔ لیکن نسیان یا خطائے اجتہادی سے بعض وقت بدرجۂ شُذ و ذو ندرت) اُن سے لغزش ہو جاتی ہے۔ اُن کے علو مرتبت کے لحاظ سے اُن کو اس پر بھی جناب الٰہی سے عتاب ہوتا ہے سچ ہے "مقرباں را بیش بود حیرانی" بس قرآن وحدیث میں جس جس لغزش یا خطا کا ذکر ہے۔ اُسکی حقیقت ایسی ہی ہے۔

عصمتِ انبیاء کے متعلق ہماری سابقہ تین کتابیں ہیں عصمتِ انبیاء عیسائیوں کی کتاب بیگناہ نبی کا جواب سٹاک میں سے ختم ہے اب نہیں مل سکتی۔ عصمت النبی قصۂ غرانیق کے متعلق عیسائیوں کا اعتراض اور اسکا ابطال۔ دفتر اہلحدیث امرتسر سے بقیمت ۲ مل سکتی ہے عصمت ونبوت۔ عیسائیوں کی زہریلی کتاب (معاذ اللہ) "عدم معصومیت محمد" کا جواب سٹاک میں سے ختم ہے۔ اب نہیں مل سکتی، ۱۷ منہ اس کا حاشیہ صفحہ ۲۱ پر نمبر ۴۸ میں دیکھو،

وَاذْكُرْ رَّبَّكَ إِذَا نَسِيتَ وَقُلْ عَسَىٰ أَنْ يَهْدِيَنِ رَبِّي لِأَقْرَبَ مِنْ هَٰذَا

اور یاد کر رب اپنے کو جب تو بھول جاوے۵۲ اور کہہ کہ امید ہے کہ میرا رب مجھے ایسے امر کی ہدایت کرے جو زیادہ قریب ہے اس

رَشَدًا ۲۵ وَلَبِثُوا فِي كَهْفِهِمْ ثَلَاثَ مِائَةٍ سِنِينَ وَازْدَادُوا تِسْعًا ۲۶

(قصہ سے) ہدایت میں نزدیک تر اور ٹھہرے رہے وہ اپنی غار میں تین سو سال تک اور (قمری حساب) سے نو سال اور بڑھائے۵۴

قُلِ اللَّهُ أَعْلَمُ بِمَا لَبِثُوا لَهُ غَيْبُ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ أَبْصِرْ بِهِ وَأَسْمِعْ

تو کہہ خدا بہتر جانتا ہے اس (مدت) کو جو وہ رہے اسی کو معلوم ہے غیب آسمانوں کا اور زمین کا (سبحان اللہ) وہ کیسا دیکھنے والا اور

مَا لَهُمْ مِنْ دُونِهِ مِنْ وَلِيٍّ وَلَا يُشْرِكُ فِي حُكْمِهِ أَحَدًا ۲۷

نہ تو اس کے سوا انکا کوئی کارساز ہے اور نہ وہ اپنے حکم میں کسی اور کو شریک بناتا ہے۵۵

۵۲ اگر کسی موقع پر انشاء اللہ کہنا بھول جائیں تو جب یاد آوے تب کہہ لیں۔ اسی بنا پر حدیث میں وارد ہوا ہے۔
مَنْ نَسِيَ صَلٰوةً فَلْيُصَلِّهَا إِذَا ذَكَرَهَا الحدیث (منتقی ص۱۳۸) جو نماز بھول جائے چاہیئے کہ اسے پڑھ لے جب اسکو یاد کرے۔

۵۳ مطلب یہ معلوم ہوتا ہے۔ (واللہ اعلم) کہ اے پیغمبر! آپ جو اس موقع پر انشاء اللہ کہنا بھول گئے ہیں تو بعض لوگ اس پر اعتراض کریں گے۔ اور آپ کو بھی غم ہوگا۔ تو آپ اس کے جواب میں کہیں اور خود بھی سمجھیں، کہ اس بھول جانے کی وجہ سے جو جو ہدایات خدا نے آپ پر نازل کیں، ان میں آپ کے لئے بہت بھلائی ہے۔ پس یہ بھول موجب حرمان فیض نہیں۔ بلکہ مزید حسنات و خیرات کے حاصل ہونے کا باعث ہے۔ اسی معنے میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔ کہ میں بھولتا نہیں بلکہ بھلایا جاتا ہوں۔ کہ میں تم امتیوں کے لئے طریقہ تلافی کی بنیاد رکھوں۔ اس سے معلوم ہو سکتا ہے۔ کہ مقربین کی لغزش میں بھی خدا کی حکمت ہوتی ہے۔ اور وہ دیگر لوگوں کے لئے موجب برکات ہوتی ہے۔ ۱۲ منہ

۵۴ تین سو نو سال اکٹھے ذکر نہیں کئے، بلکہ دو ٹکڑوں میں ذکر کئے۔ تین سو الگ اور نو الگ۔ اسکی وجہ یہ ہے کہ سال کے دنوں کی گنتی دو طرح پر ہے۔ سورج کے حساب سے اور چاند کے حساب سے، چاند کا سال سورج کے سال سے قریباً دس دن چھوٹا ہوتا ہے۔ اس حساب سے تین سال میں ایک ماہ کا فرق پڑ جاتا ہے۔ اور ایک سو سال میں تین سال کا۔ بس تین سو سال میں ۹ سال کا فرق ہوا یعنے شمسی حساب سے تین سو سال ہوئے۔ اور قمری حساب سے نو اسپر زیادہ کر لو۔ تو تین سو نو سال ہوئے سبحان اللہ! ۱۲ منہ

۵۵ یہاں پر اصحاب کہف کا قصہ ختم ہو گیا ہے۔ اس کے بعد وَاتْلُ سے ذوالقرنین کے قصے تک دیگر نتائج و فوائد مذکور ہیں۔ جن کو اس قصے سے تعلق و مناسبت ہے۔

وَاتْلُ مَآ اُوْحِيَ اِلَيْكَ مِنْ كِتَابِ رَبِّكَ ۚ لَا مُبَدِّلَ لِكَلِمٰتِهٖ

اور (اے پیغمبر!) تو پڑھا کر جو وحی کیا گیا تیری طرف تیرے رب کی کتاب سے اسکی باتوں کو بدلنے والا کوئی نہیں

وَلَنْ تَجِدَ مِنْ دُوْنِهٖ مُلْتَحَدًا ﴿۲۷﴾ وَاصْبِرْ نَفْسَكَ مَعَ الَّذِيْنَ

اور تو اس کے سوائے ہرگز کوئی بھی جائے پناہ نہیں پائیگا ۵۶ اور جمائے رکھ دل اپنا ان لوگوں کے ساتھ جو

يَدْعُوْنَ رَبَّهُمْ بِالْغَدٰوةِ وَالْعَشِيِّ يُرِيْدُوْنَ وَجْهَهٗ

پکارتے رہتے ہیں اپنے پروردگار کو صبح اور شام - چاہتے ہیں اسکی ذات (کی رضامندی) ۵۸

۵۶ جب آیاتِ سابقہ میں لایعنی باتوں میں جھگڑا کرنے سے اور اُن لوگوں سے جنکے پاس وحی آسمانی نہیں ہے کوئی بات دریافت کرنے سے منع کر دیا اور صرف وحی خدا پر اعتماد کرنے کا حکم کیا۔ اور نسیان ہو جانے کے بعد جب یاد آجاوے۔ اسی وقت خدا کا اسم ذکر کر لینے کا حکم کیا تو اسکے بعد قرآن شریف کی تلاوت کا حکم کیا۔ جو ہر عبادت سے سب سے افضل ہے۔ کسی بُری عادت کو عملی طور پر چھوڑانے کے لئے مؤثر طریق یہ ہے۔ کہ اسکی بجائے کوئی نیک شغل تعلیم کرکے اسپر عمل کرایا جائے۔ قرآن شریف میں اس طریق کا لحاظ بکثرت ہے۔ اسی کے مطابق لایعنی باتوں کا شغل چھوڑانے کے لئے یہاں پر قرآن شریف کی تلاوت کا حکم کیا فافہم ۱۲ منہ

نیز اسکی تلاوت سے دلپر اس بات کا گہرا اثر پڑیگا۔ کہ خدا پرست دیندار اگر ایک وقت مظلوم و مقہور رہیں حتٰی کہ وہ ترکِ وطن پر بھی مجبور ہو گئے ہیں۔ تو خدا کی نصرت اُن کے شاملِ حال ہی رہتی ہے اور انجام کار وہی مظفر و منصور ہوتے ہیں۔ اور ظالم بیدین صفحہ ہستی سے نابود ہو جاتے ہیں۔ یہ خدا کے وعدے ہیں، جو قرآن شریف کی تلاوت سے معلوم ہوتے رہتے ہیں۔ اور وہ بالکل اٹل ہیں کوئی نہیں جو اُن کو ٹال سکے۔ لَا مُبَدِّلَ لِكَلِمٰتِهٖ کے یہی معنے ہیں یہ اثر اصحابِ کہف کے قصے کی جان ہے۔ اور اس سورت کے نزول کا زمانہ ہجرت حبش کے بعد اور ہجرت مدینہ سے چندے پیشتر کا ہے۔ جو مسلمانوں پر نہایت تنگی کا زمانہ تھا۔ چنانچہ ہجرتِ مدینہ کے بعد خدا کے سب وعدے پورے ہو گئے۔

۵۷ یعنے اصلی جائے پناہ صرف خدا تعالٰی ہی ہے۔ پس مصائب کے وقت اُس کا دامن چھوڑ کر کسی دیگر کی پناہ تلاش کرنی لاحاصل ہے اسکے سوا کوئی پناہ نہیں دے سکتا۔ چنانچہ دوسری جگہ فرمایا وَهُوَ يُجِيْرُ وَلَا يُجَارُ عَلَيْهِ (مومنون پ۱۸) یعنے وہ سبکو پناہ دیتا ہے اور اسکی پکڑ پر کوئی بھی پناہ نہیں دے سکتا۔ سچ ہے ؎ ہیں تیرے سوا سارے سہارے کمزور۔ اور سب اپنے لئے اور تو سب کے لئے۔

۵۸ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اصحابوں میں بعض نہایت غریب آدمی بھی تھے مثلاً حضرت سلمان فارسیؓ اور بلال حبشیؓ اور عبداللہ بن مسعودؓ وغیرہم۔ اگر خدا تعالٰے نے اِدھر ان کو دنیوی مال میں کم حیثیت بلکہ بے حیثیت رکھا تھا۔ تو دوسری طرف شہنشاہِ کونین کی پاک صحبت کے فیوض و برکات سے مالامال بھی کر رکھا تھا۔ اِن کی اس ظاہری خستہ حالی کو دیکھکر بعض مالدار کفار نے آنحضرتؐ سے عرض کیا کہ ہم آپ کی مجلس میں تو آئیں لیکن ان لوگوں کے کپڑوں کی بدبو کی وجہ سے نہیں آسکتے۔ اگر آپ کسی وقت اپنی مجلس کو اُن سے فارغ رکھیں تو ہم آسکتے ہیں خدا تعالٰے نے آنحضرت صلعم کو حکم دیا کہ ان خدا یاد لوگوں کی صحبت کو لازم پکڑے رکھنا۔ اور اپنی آنکھ ان سے ہرگز نہ ہٹانا کیونکہ "کند ہمجنس باہم جنس پرواز" انگریزی زبان میں بھی ایک مثل ہے جس کا ترجمہ یہ ہے۔ "کہ آدمی اپنے ہمنشین سے پہچانا جاتا ہے" غرض خدا تعالٰے نے آنحضرتؐ کو اہل دنیا کی صحبت اور ان کی باتوں میں آنے سے منع فرمایا۔ خصوصاً ان کی اِس ذہنیت کی سخت مذمت کی کہ وہ صالحین و خدا یاد فقراء کو نظرِ حقارت سے دیکھتے ہیں۔ (بقیہ حاشیہ صفحہ ۲۵ پر)

وَلَا تَعْدُ عَيْنٰكَ عَنْهُمْ تُرِيْدُ زِيْنَةَ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَلَا تُطِعْ

اور نہ ہٹیں آنکھیں تیری اُن سے کہ چاہے تو زینتِ دُنیاوی زندگی کی — اور نہ کہا مان

مَنْ اَغْفَلْنَا قَلْبَهٗ عَنْ ذِكْرِنَا وَاتَّبَعَ هَوٰىهُ وَكَانَ اَمْرُهٗ فُرُطًا ﴿۲۹﴾

اس شخص کا جسکا دِل ہم نے اپنے ذکر سے غافل کر دیا اور پیچھے لگا وہ اپنی خواہش کے اور ہے معاملہ اسکا حد سے بڑھا ہوا ۲۹

بقیہ حاشیہ صفحہ ۲۴۔ اور خود یادِ خدا سے ایسے غافل ہیں کہ اسکا نام تک نہیں لیتے اِس مضمون کی آیات ویگر بھی بہت ہیں۔ مثلاً (الحجرات ۱۱، و دیگر آیات) اور (الانعام پ) حضرتِ نوح کو بھی اُن کی قوم کے لقاء نے یہی کہا تھا۔ کہ آپ کے تابعدار رذیلے لوگ ہیں اور اب بھی متکبر دنیادار خستہ حال صالحین کو ایسا ہی کہتے اور ذلیل جانتے ہیں۔ لیکن خدا کے ہاں جو عزت صالحین کی ہے۔ وہ بے دین دنیاداروں کی نہیں ہے ؎ گدایاں را ازیں معنے خبر نیست کہ سلطانِ جہاں با ماست امروز۔

آنحضرت ؐ کو مساکین سے کمال محبت تھی اور خود بھی مسکنت پسند تھے۔ چنانچہ آپ کی دُعا ہے۔ اَللّٰهُمَّ اَحْيِنِيْ مِسْكِيْنًا وَّاَمِتْنِيْ مِسْكِيْنًا وَّاحْشُرْنِيْ فِيْ زُمْرَةِ الْمَسَاكِيْنِ الحدیث (مشکوٰۃ صفحہ ۴۳۷) یعنے خداوندا! مجھے حالتِ مسکینی ہی میں زندہ رکھ اور حالتِ مسکینی ہی میں موت دینا اور (قیامت کے دن) مسکینوں ہی کے زمرے میں میرا حشر کرنا۔

(۲) نیز لوگوں کو آپ کا ارشاد تھا اِبْغُوْنِيْ فِيْ ضُعَفَآئِكُمْ فَاِنَّمَا تُرْزَقُوْنَ اَوْ تُنْصَرُوْنَ بِضُعَفَآئِكُمْ رواہ ابوداؤد (مشکوٰۃ صفحہ ۴۴۷) یعنے مجھے تلاش کرو یا میری رضا تلاش کرو۔ اپنے ضعیف الحال لوگوں میں کیونکہ بات یہی ہے۔ کہ تم رزق دیئے جاتے ہو۔ یا (فرمایا) مدد دیئے جاتے ہو اپنے ضعیف الحال (صالح) لوگوں کی وجہ یا برکت سے۔

(۳) حضرت ابو ہریرہؓ کہتے ہیں کہ میں نے ستر اصحاب صفہ کو دیکھا اُن میں سے ہر شخص کی ایک ہی چادر تھی۔ یا تہ بند تھا۔ یا اُوپر کی چادر۔ جن کے سرے اونہوں نے گردنوں سے باندھ رکھے تھے۔ بعض ان میں سے نصف پنڈلیوں تک پہنچتے تھے۔ اور بعض ٹخنوں تک پس وہ اُسے اپنے ہاتھوں سے تھامے رکھتا تھا۔ اِس ڈر سے کہ کہیں اسکا پردہ ننگا ہو کر دکھائی نہ دے۔ رواہ البخاری (مشکوٰۃ صفحہ ۴۳۹)

قرآن شریف میں آنحضرت ؐ کو اس موقع پر ان ضعفاء مہاجرین سے دل لگانے اور کہف کا حکم اسلئے ذکر کیا۔ کہ اسے اصحاب الکہف کے قصے سے مناسبت ہے۔

حاشیہ صفحہ ۲۵ ۵۹ دل لطیفہ غیبی اور سلوک اور معرفت الٰہی کا خزینہ ہے۔ لیکن دنیا اور اُسکی لذات کی ناجائز محبت کی وجہ سے اسپر پردہ آجاتا ہے۔ تو وہ خدا کی یاد سے غافل ہو جاتا ہے حالانکہ خدا کی طرف متوجہ ہونا اسکی فطرت میں رکھا ہوا ہے جیسے کہ دل میں ابھی جو کہ تاثیر اسپر پردہ کا ڑھا ہو کر آخر کار زنگ کی صورت میں جم جاتا ہے۔ جیسا کہ فرمایا۔ كَلَّا بَلْ رَانَ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ مَّا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ (تطفیف) یعنے انکے بُرے اعمال کی وجہ سے انکے دلوں پر زنگ آگیا ہے یہ مضمون آیات و حدیث میں بکثرت مذکور ہے۔ اعاذنا اللّٰه منہا ۱۲ منہ

ف غافل کرنے کو خدا نے اپنی طرف نسبت کیا ہے اسکی وجہ ایک تو وہی ہے جو ہم نے سابقاً حاشیہ نمبر — میں لکھی ہے۔ دیگر یہ کہ ذاتِ حق بہر امر میں علت العلل ہے۔ اور جملہ افعال کی تاثیریں اور نتائج اُسی کی طرف منسوب ہیں غفلت فعل انسان کا ہے۔ اور اسپر اسکا نتیجہ مترتب کرنا خدا کا کام ہے۔ اسلئے نتیجہ کے لحاظ سے خدا کی طرف منسوب کیا۔ یہ خدا تعالےٰ کا نہایت درجہ کا غضب ہے۔ کہ کسی کی بد عملیوں کی وجہ سے ارحم الراحمین اُسکے ساتھ ایسا سلوک کرے۔ اسلئے اظہارِ غضب کیلئے اُس فعل کو اپنی طرف نسبت کیا۔ اور واسطے اظہارِ جلال کے بصیغہ جمع فرمایا ہے اَغْفَلْنَا جن دنیاداروں کے دلوں پر دُنیا کی ناجائز حُب کی چربی چڑھ گئی ہے۔ اور اُسپر اعتقادیوں اور بد عملیوں کی کثافت تہ بہ تہ ہو کر ان کے دِلوں پر کمرہ جم گئے ہیں یعنی قرآنی محاورہ کے رُو سے اُن پر زنگ آگیا ہے۔ انکو خدا تعالےٰ کے ایسے بُرے اور غضبناک

وَقُلِ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّكُمْ فَمَنْ شَآءَ فَلْيُؤْمِنْ وَّمَنْ شَآءَ فَلْيَكْفُرْ

اور (اے پیغمبر) کہو حق تمہارے رب کی طرف سے (ثابت ہو چکا) ہے پس جو چاہے ایمان لے آئے اور جو چاہے کفر اختیار کرلے۔

اِنَّآ اَعْتَدْنَا لِلظّٰلِمِيْنَ نَارًا اَحَاطَ بِهِمْ سُرَادِقُهَا ۭ وَاِنْ يَّسْتَغِيْثُوْا

ہمنے ظالموں کیلئے آگ تیار کر رکھی ہے۔ جس کے خیمے ان کو گھیرے ہونگے ۶۳ اور اگر وہ پانی مانگیں گے

يُغَاثُوْا بِمَآءٍ كَالْمُهْلِ يَشْوِي الْوُجُوْهَ ۭ بِئْسَ الشَّرَابُ ۭ وَسَآءَتْ مُرْتَفَقًا ۳۰

تو مثل تلچھٹ کے پانی دیا جائیگا۔ جو چہروں کو بھی جھلس دیگا۔ بہت برا ہوگا جو ان کو پینے کو ملیگا۔ اور بہت برا ہوگا انکا ٹھکانا ۶۵

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۲۵) ایسے لوگ خواہش کے پیرو ہو کر عقل اور شرع کے نزدیک بھی نہیں پھٹکتے۔ اُن کے سب کام حد شرع سے باہر ہوتے ہیں اور خواہش نفسانی کا انجام ہلاکت ہوتا ہے۔ حدیث ابی ہریرہؓ میں فرمایا۔ کہ تین مہلکات ہیں ایک انہیں سے هَوًى مُتَّبَعٌ ذرا یعنی ایسی خواہش نفسانی جسکی پیروی انسان کرے۔ وہ مہلک ہے۔ (مشکوٰۃ صفحہ ۴۲۶)

حاشیہ صفحہ ھذا ۶۱ خدا یاد لوگوں کو حقیر جاننے والوں اور خدا کی یاد سے غفلت کرنیوالوں کی تباہی کا بیان کرنے کے بعد فرمایا کہ حق خدا کی طرف سے ظاہر ہو چکا ہے۔ اب کوئی ایمان لائے تو اپنی اختیار سے، اور کفر کرے تو اپنے اختیار سے اِس سے جتادیا، کہ ایمان لانے یا کفر پر مصر رہنے کے لئے جو اختیار دیا گیا ہے۔ اُس کے معنے یہ نہیں، کہ دونوں کا انجام برابر ہے۔ بلکہ اس میں امیر غریب کی تمیز نہیں۔ کہ امیروں کی امیری کا لحاظ کرکے اُن کے لئے الگ مجلس قائم کی جائے۔ اور غرباء کو اس میں داخل نہ ہونے دیا جائے، اسمیں برہمن اور شودر کی تمیز نہیں اور نہ کالے اور گورے کا امتیاز ہے۔ کہ یورپین گرجوں میں کالے عیسائی نہ جاسکیں اور اقوام جاتی کے ہندوؤں کے مندروں میں اچھوت لوگ داخل نہ ہوسکیں۔ بلکہ یہ رب العلمین کا فیض عام ہے۔ كَلَّآ اِنَّهَا تَذْكِرَةٌ ۚ فَمَنْ شَآءَ ذَكَرَهٗ لیکن یہ یاد رہے کہ ایمان سے رُکنے والے ظالم ہیں جنکے لئے ہمنے دوزخ تیار کر رکھا ہے ۱۲ منہ

۶۲ ظلم کہتے ہیں بیجا کرنے اور حق تلفی کرنے کو، یہ خدا کی جانب میں بھی ہوتا ہے۔ اور خلقت کی جانب میں بھی اُن ہر دو قسم کے مختلف مدارج ہیں خدا کے حق میں سب سے بڑی بے انصافی شرک ہے۔ اِنَّ الشِّرْكَ لَظُلْمٌ عَظِيْمٌ (لقمان ۲۱) کم و بیش سب ظلموں کا انجام جہنم ہے۔ چنانچہ حدیث صحیحین میں ہے۔ اَلظُّلْمُ ظُلُمَاتٌ يَّوْمَ الْقِيٰمَةِ (مشکوٰۃ صفحہ ۴۳۶) یعنی ایک ظلم قیامت کے دن کئی ظلمتوں کا موجب ہوگا۔

۶۳ خیمہ کا ذکر ہر طرف سے گھیرنے کی مناسبت سے کیا گیا ہے ۱۲ منہ

۶۴ يَشْوِي الْوُجُوْهَ دوزخیوں کیلئے دوزخ کے کھولتے پانی کا موجب عذاب ہونا قرآن شریف میں کئی طرح پر آیا ہے۔ اوّل تپش سے چہروں کو جھلس دینا جیسے اسجگہ۔ دوم کھولتا پانی سر پر سے ڈالنا جس سے پیٹ کے اندر کی چیزیں اور چمڑے گلجائینگے (سورت حج پ ۱۷) سوم یہی کھولتا پانی پینے کو بھی دیا جائیگا۔ جس سے انتڑیاں گل جائینگی (سورت محمد پ ۲۶) خدا ہمیں سب قسم کے عذاب سے بچائے۔ آمین۔

۶۵ مُرْتَفَقًا اِس کا اشتقاق اِرتفاق سے ہے۔ اِسکے اصل معنے ہیں کہنی کو رخسارے کے نیچے رکھکر لیٹنا پھر اس کا استعمال عام ٹکانا کرنے میں ہوگیا۔ (فتح البیان مع الزیادۃ)

إِنَّ الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ إِنَّا لَا نُضِيعُ أَجْرَ مَنْ أَحْسَنَ عَمَلًا ﴿۳۱﴾

بیشک جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے نیک اعمال بھی کئے ۔ ہم انکو ضرور جزائے خیر دینگے کیونکہ جو نیک عمل کرے ہم اسکی مزدوری

أُولَٰئِكَ لَهُمْ جَنَّاتُ عَدْنٍ تَجْرِي مِنْ تَحْتِهِمُ الْأَنْهَارُ يُحَلَّوْنَ فِيهَا

ان کے لئے ہمیشگی کے باغات ہوں گے ۔ جنکے نیچے سے نہریں بہتی ہونگی ان میں ان کو

مِنْ أَسَاوِرَ مِنْ ذَهَبٍ وَيَلْبَسُونَ ثِيَابًا خُضْرًا مِنْ سُنْدُسٍ وَإِسْتَبْرَقٍ

سونے کے کنگن پہنائے جائینگے ۔ اور وہ ریشم اور استبرق کے سبز کپڑے پہنینگے

مُتَّكِئِينَ فِيهَا عَلَى الْأَرَائِكِ ۚ نِعْمَ الثَّوَابُ وَحَسُنَتْ مُرْتَفَقًا ﴿۳۲﴾ وَ

(در آنحال) کہ تختوں پر تکیہ لگائے ہونگے یہ بہت عمدہ بدلہ ہے ۔ اور بہت اچھا ٹکانا ہے ۔ ۳۲ ۔ اور

اضْرِبْ لَهُمْ مَثَلًا رَجُلَيْنِ جَعَلْنَا لِأَحَدِهِمَا جَنَّتَيْنِ مِنْ أَعْنَابٍ

اے پیغمبر) ان کو (عبرت) کیلئے بیان کر دو شخصوں کا حال کہ ایک کیلئے ہمنے دو باغ انگوروں کے بنائے تھے

وَحَفَفْنَاهُمَا بِنَخْلٍ وَجَعَلْنَا بَيْنَهُمَا زَرْعًا ﴿۳۳﴾ كِلْتَا الْجَنَّتَيْنِ آتَتْ

اور انکو گھیر رکھا تھا کھجوروں سے ، اور ہمنے ان دونوں کے درمیان کھیتی بھی بنائی تھی ۔ دونوں باغ اپنا اپنا پھل (پورا)

ف۲۶ دوزخیوں کے ذکر کے بعد صالح اعمال والے مومنوں کے نیک اجر کا ذکر کیا کہ ان کے لئے نہروں والے باغات اور پہننے کو سونے کے زیورات اور ریشمین پارچات ہونگے ۔ جہاں وہ شاہانہ شان میں تختوں پر تکیہ لگائے بیٹھے ہونگے یہ سب کچھ ان کو نیک اعمال کی جزا میں ملیگا ۔ اس سے اسجگہ یہ سمجھانا ہے کہ اگر آج اس دنیا دار الابتلا میں کافر عیش و آرام کے اسباب سے متمتع ہیں اور مومن و صالحین کم مایہ یا نادار ہیں تو کل عالم جزا میں ایسا نہیں ہوگا ۔ بلکہ وہاں حالت دگرگوں ہوگی ۔ کہ کفار و فساق طرح طرح کے عذابوں میں مبتلا ہونگے اور مومن و صالحین انواع و اقسام کی نعمتوں سے بہرہ ور ہونگے ۔ پس انجام پر نظر رکھنی چاہیے نہ کہ ظاہر پر ۔ مرد آخر بیں مبارک بندہ ایست ۔ یہ سب نعمتیں حقیقۃً ملینگی ۔ قرآن حدیث سے یہی ثابت ہے ۔ صحابہ و خیار تابعین اور سب بزرگان دین اسی طرح مانتے چلے آئے ہیں ۔ اس مضمون کو ہم تفسیر واضح البیان فی تفسیر ام القرآن میں زیر آیت مٰلِكِ يَوْمِ الدِّينِ دلائل عقلی و نقلی سے بوضاحت بیان کر دیا ہے ۔ اور نیچریوں اور آریوں اور دیگر ملحدین منکرین حشر جسمانی کے شبہات دور کر دیئے ہیں طالب تفصیل اسکا مطالعہ کرے ۔ واللہ الہادی ۔

ف۲۷ قیامت کی جزا سزا کے ذکر کے بعد دو شخصوں کا ایک واقعہ بطور مثال کے فرمایا کہ بعض وقت قیامت سے ادھر دنیا میں بھی خدا سے پھرے ہوئے شخص پر وبال آجاتا ہے ۔ جیسا کہ اس قصہ سے ظاہر ہے بظاہر کوئی کہہ سکتا ہے کہ یہ ضرب المثل ہے جسکے لئے واقعہ لازم نہیں ہے لیکن یہ درست نہیں ہے بلکہ یہ ایک واقعہ ہے جیسا کہ اگلی تفصیل سے ظاہر ہے کہ احسان فراموش اور منکر قیامت شخص پر وبال آگیا ۔ اور وہ حسرت و افسوس سے ہاتھ ملنے لگا ۔ لیکن اسوقت اسکا کوئی یار و مددگار نہ ہوسکا ۔ اسی طرح سے قارون کی تباہی بیان کیگئی ہے ۔ دسورۃ القصص پس جس طرح قارون کی تباہی ایک واقعہ ہے اسی طرح یہ بھی ایک واقعہ ہے جس سے خدا تعالیٰ عبرت دلانا چاہتا ہے ۔ فاعتبروا یا اولی الابصار"

أُكُلَهَا وَلَمْ تَظْلِمْ مِّنْهُ شَيْئًا وَّفَجَّرْنَا خِلٰلَهُمَا نَهَرًا ﴿٣٣﴾ وَّكَانَ لَهٗ ثَمَرٌ

دیتے تھے۔ اور اُس میں کچھ کبھی کمی نہ کرتے تھے اور ان کے بیچوں بیچ ہمنے نہر بھی چلا دی تھی اور اُسکا ایک موقع پر جب اُسکا

فَقَالَ لِصَاحِبِهٖ وَهُوَ يُحَاوِرُهٗٓ اَنَا اَكْثَرُ مِنْكَ مَالًا وَّاَعَزُّ نَفَرًا ﴿٣٤﴾ وَدَخَلَ

تو اُس نے اپنے ساتھی سے اثنائے گفتگو میں کہا کہ میں تجھ سے اولاد میں زیادہ ہوں اور نوکروں کی وجہ سے زیادہ معزز ہوں ۳۴ اور وہ اپنے

جَنَّتَهٗ وَهُوَ ظَالِمٌ لِّنَفْسِهٖ ۚ قَالَ مَآ اَظُنُّ اَنْ تَبِيْدَ هٰذِهٖٓ اَبَدًا ﴿٣٥﴾

باغ میں گیا۔ اس خیال کہ وہ متکبرانہ خیالات سے اپنی جان پر ظلم کر رہا تھا اور کہنے لگا کہ میں گمان نہیں کرتا کہ یہ باغ کبھی بھی برباد ہوگا ۳۵

وَّمَآ اَظُنُّ السَّاعَةَ قَآئِمَةً ۙ وَّلَئِنْ رُّدِدْتُّ اِلٰى رَبِّيْ لَاَجِدَنَّ خَيْرًا

اور نہ مجھے یہ گمان ہے کہ قیامت برپا ہوگی۔ تو قسم ہے کہ اگر بالفرض مجھے اپنے رب کی طرف لوٹنا بھی پڑا تو البتہ میں اس سے

مِّنْهَا مُنْقَلَبًا ﴿٣٦﴾ قَالَ لَهٗ صَاحِبُهٗ وَهُوَ يُحَاوِرُهٗٓ اَكَفَرْتَ بِالَّذِيْ

زیادہ اچھی جگہ پاؤنگا ۳۶ اُس کے ساتھی نے اُس سے مخاطب ہو کر کہا کیا تو نے ناشکری کی اُس ذات کی

خَلَقَكَ مِنْ تُرَابٍ ثُمَّ مِنْ نُّطْفَةٍ ثُمَّ سَوّٰىكَ رَجُلًا ﴿٣٧﴾

جس نے تجھے پیدا کیا خاک سے پھر نطفہ سے پھر تجھے مرد بنا کر برابر کیا ۳۷ ۷۰

۶۸ اسجگہ جعلنا اور حففنا اور فجرنا سب فعلوں کی اضافت اپنی طرف کی ہے کیونکہ یہ سب کچھ اُسکی داد ہی اور اس باغ کی سب رونق وبہار اُسی کے فضل سے تھی۔ چنانچہ فرمایا۔ وَمَا بِكُمْ مِّنْ نِّعْمَةٍ فَمِنَ اللّٰهِ یعنے تمہارے پاس جو بھی نعمت ہے سو خدا کی طرف سے ہے

۶۹ لفظی ترجمہ لوٹنے کی جگہ کیونکہ منقلب اسم ظرف کا صیغہ ہے۔

۷۰ انسانی پیدائش کا سلسلہ دوسرے موقع پر یوں بیان فرمایا ہے وَلَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ ـــــ الی قولہ فَتَبٰرَكَ اللّٰهُ اَحْسَنُ الْخٰلِقِيْنَ (مومنون ع۱) یعنے ہمنے انسان کو مٹی کے خلاصہ سے بنایا پھر ہمنے اُسے ایک محکم قرارگاہ یعنے رحم مادر میں نطفہ کی صورت میں (بحفاظت تمام) رکھا۔ پھر ہمنے اُس نطفے کا لوتھڑا بنایا۔ پھر ہمنے اُس لوتھڑے کو مضغہ گوشت بنایا۔ پھر اُس مضغہ کو لکی ماننیں بڑ ہڈیاں بنائیں پھر ہمنے اُن ہڈیوں پر گوشت چڑھایا۔ پھر ہمنے اُس (انسان) کو ایک دوسری پیدائش (کی صورت میں) بنا کھڑا کیا پس خدا تعالےٰ جو سب سے بہتر صورتیں بنانے والا ہے۔ وہ بڑا ہی صاحب برکت ہے اور عالی ذات ہے ۱۵

مطلب یہ کہ عام آدمیوں کی پیدائش ابتداءً مٹی سے ہی کہ اُس سے غذا پیدا ہوتی ہے۔ جو آدمی اور دیگر حیوانات کھاتے ہیں۔ پھر اُس غذا کے آخری نچوڑ سے نطفہ بنتا ہے۔ جو رحم مادر میں اُن صورتوں میں بدلتا رہتا ہے۔ جو آیت میں مذکور ہیں مٹی اور غذا اور نطفہ کی ظاہری حالت کو دیکھا جائے تو بغیر واقعہ دیکھنے کے انسان سمجھ نہیں سکتا کہ یہ دمنع قطع اور ہیئت وشکل جاذب میری ہے اس مٹی اور غذا اور نطفے سے بن سکتی ہے۔ اسی معنے سے اس صورت شکل کو ایک بالکل نئی اور دوسری پیدائش کہا ہے۔ انسان کے مٹی سے پیدا ہونے کی دوسری صورت یہ ہے کہ آدم علیہ السلام کا بُت بغیر ان حالات میں منتقل کرنے کے مٹی سے بنایا گیا۔ پھر اس میں روح پھونکی گئی۔ پھر اُن کی اولاد میں پیدائش کا وہ سلسلہ جاری کیا۔ جو آیت میں مذکور ہے۔ پس جملہ بنی آدم بوجہ آدمؑ کے مٹی سے پیدا ہونے کے مٹی کی پیدائش

تفسیر ــ خازن ج۳ صفحہ

لٰكِنَّا۠ هُوَ اللّٰهُ رَبِّيْ وَلَآ اُشْرِكُ بِرَبِّيْٓ اَحَدًا ﴿۳۹﴾ وَلَوْلَآ اِذْ دَخَلْتَ جَنَّتَكَ

لیکن میری تو یہ بات ہے کہ وہ اللہ ہی میرا رب ہے۔ اور میں اپنے رب کے ساتھ کسی کو شریک نہیں بناتا ملہ اور جب تو اپنے باغ میں داخل ہوا تو تو نے

قُلْتَ مَا شَآءَ اللّٰهُ ۙ لَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ ۚ اِنْ تَرَنِ اَنَا اَقَلَّ مِنْكَ

کیوں نہ کہا ماشاء اللہ لا قوۃ الا باللہ ملہ اگر تو نے مجھے اپنے سے کمتر دیکھا تھا

مَالًا وَّوَلَدًا ﴿۴۰﴾ فَعَسٰى رَبِّيْٓ اَنْ يُّؤْتِيَنِ خَيْرًا مِّنْ جَنَّتِكَ وَيُرْسِلَ عَلَيْهَا

مال میں اور اولاد میں ملنا پس امید ہے کہ میرا رب مجھے تیرے باغ سے بہتر عطا کردے اور بھیجے (اس باغ) پر

حُسْبَانًا مِّنَ السَّمَآءِ فَتُصْبِحَ صَعِيْدًا زَلَقًا ﴿۴۱﴾ اَوْ يُصْبِحَ مَآؤُهَا غَوْرًا

آسمان سے آفت جس سے تو یہ (باغ) صاف میدان ہو جائے ملہ یا اسکا پانی زیر زمین نگھار دے

فَلَنْ تَسْتَطِيْعَ لَهٗ طَلَبًا ﴿۴۲﴾ وَاُحِيْطَ بِثَمَرِهٖ فَاَصْبَحَ يُقَلِّبُ كَفَّيْهِ عَلٰى

تو تو اسکی طلب نہ کر سکے۔ ملہ اور اسکے پھل کو (عذاب خدا نے) آگھیرا پس وہ ملنے لگا ہاتھ اپنے اوپر

ملہ لفظ لٰکِنَّا بانون مشدد مع الف کے قرآن شریف میں چار جگہ آیا ہے۔ ایک اسجگہ سورۂ کہف میں دوسرا سورۂ طٰہٰ پ۱۶ میں یعنی لٰکِنَّا حُمِّلْنَا اور تیسرا اور چوتھا سورۂ قصص پ۲۰ میں یعنی لٰکِنَّآ اَنْشَاْنَا اور لٰکِنَّا کُنَّا مُرْسِلِیْنَ سورۂ کہف میں نون مشدد کے بعد کا الف تلفظ میں نہیں پڑھا جاتا کیونکہ یہ اصل میں لٰکِنْ اَنَا تھا۔ اَنَا (ضمیر واحد متکلم) کے ہمزہ کو حذف کر کے نون کو نون میں ادغام کیا تو لٰکِنَّا ہو گیا (بخاری)

چونکہ اَنَا (ضمیر واحد متکلم) میں الف پڑھنے میں نہیں آتا۔ کیونکہ یہ اَنْ تفسیریہ سے امتیاز کرنے کے لئے لکھا جاتا ہے۔ تاکہ معلوم ہو کہ اَنَا کا نون ساکن نہیں ہے۔ بلکہ مفتوح ہے۔ اسلئے یہاں لٰکِنَّا میں بھی نہیں پڑھا جاتا اور جو سورۂ طٰہٰ اور قصص میں ہے وہ برابر پڑھا جاتا ہے۔ کیونکہ انکا اصل لٰکِنْ اِنَّا بصیغہ جمع ہے۔ اور ہمزہ کو حذف کر کے کاف مکسور کو نون مشدد سے ملا کر پڑھا اور لکھا گیا۔ اور لٰکِنْ کے نون ساکن کی ضرورت کتابت و قرأت ہر دو میں نہ رہی اور نون مشدد کے بعد کا الف بوجہ ضمیر جمع متکلم کے ساتھ ہونے کے برابر پڑھا گیا۔ جیسا کہ وہ اپنی اصلی صورت میں یعنی اِنَّا (جمع) میں برابر پڑھا جاتا ہے ۱۲ منہ

ملہ اس کلمہ کے لفظی معنے یہ ہیں "جو چاہا اللہ نے (سو پیدا کیا) نہیں قوت مگر خدا کی توفیق" سے یہ کلمہ نظر بد سے اور دیگر آفتوں سے مال وجان، تندرستی اور خوبصورتی غرض ہر پیاری چیز کے لئے تعویذ ہے۔ اس کے پڑھنے سے جملہ اثرات زائل ہو جاتے ہیں اسی طرح لکھ کر پاس رکھنے سے بھی حضرت امام مالکؒ نے یہ کلمہ اپنے مکان کے دروازے پر لکھوا رکھا تھا۔ ۱۲ منہ

ملہ ایسے واقعات عموماً ہوتے رہتے ہیں۔ لیکن عبرت والے آنکھ کان اور خدا سے ڈرنے والے دل کی ضرورت ہے۔ چنانچہ ایسے موقع پر فرمایا اَفَلَمْ یَسِیْرُوْا فِی الْاَرْضِ ــــ فَاِنَّهَا لَا تَعْمَى الْاَبْصَارُ وَلٰكِنْ تَعْمَى الْقُلُوْبُ الَّتِيْ فِي الصُّدُوْرِ ع

مَآ اَنۡفَقَ فِيۡهَا وَهِىَ خَاوِيَةٌ عَلٰى عُرُوۡشِهَا وَيَقُوۡلُ يٰلَيۡتَنِىۡ لَمۡ اُشۡرِكۡ

اُس شئے کے جو وہ اُس باغ میں خرچ کرچکا تھا اور وہ باغ گر رہا تھا اپنی ٹٹیوں پر اور کہنے لگا کاش میں نے اپنے پروردگار کے

بِرَبِّىۡۤ اَحَدًا ﴿۴۲﴾ وَلَمۡ تَكُنۡ لَّهٗ فِئَةٌ يَّـنۡصُرُوۡنَهٗ مِنۡ دُوۡنِ اللّٰهِ وَمَا كَانَ

ساتھ شریک نہ بنایا ہوتا ف۴۷ (مگر وہ لاحاصل تھا اس وقت) اُس کے لئے کوئی گروہ ایسا نہ ہوا جو خدا سے اِدھر اُس کی مدد کرتا اور نہ وہ خود

مُنۡتَصِرًا ﴿۴۳﴾ هُنَالِكَ الۡوَلَايَةُ لِلّٰهِ الۡحَـقِّ‌ؕ هُوَ خَيۡرٌ ثَوَابًا وَّخَيۡرٌ

بدلہ لے سکا ف۴۸ ایسے موقع پر نصرت و مدد (صرف) خدائے برحق کے اختیار میں ہے۔ وہ ثواب میں بھی بہتر ہے۔ اور انجام

عُقۡبًا ﴿۴۴﴾ وَاضۡرِبۡ لَهُمۡ مَّثَلَ الۡحَيٰوةِ الدُّنۡيَا كَمَآءٍ اَنۡزَلۡنٰهُ مِنَ السَّمَآءِ

کے لحاظ سے بھی بہتر ف۴۹ اور (اے پیغمبر! اسکے بعد اِن لوگوں) سے دُنیاوی زندگی کی مثال بھی بیان کرو وہ مثل پانی کے ہے جسے ہم آسمان کی

ف۴۷ اس مقام پر یہ سوال ہو سکتا ہے کہ جب اس شخص پر اسکے نفاق آنے کی وجہ خدا واحد سے شرک کرنا ہے تو جب اُسنے اپنے شرک پر اظہارِ ندامت و حسرت کیا۔ تو اُسکی سزا ٹل کیوں نہ گئی۔ اس کا جواب یہ ہے۔ کہ خدا تعالےٰ کا دستور یہ ہے کہ وہ عذاب کے وقت کا ایمان منظور نہیں کرتا۔ چنانچہ فرمایا:۔ فَلَمۡ يَكُ يَنۡفَعُهُمۡ اِيۡمَانُهُمۡ لَمَّا رَاَوۡا بَاۡسَنَا ؕ سُنَّتَ اللّٰهِ الَّتِىۡ قَدۡ خَلَتۡ فِىۡ عِبَادِهٖ‌ۚ (مومن پ۲۴) یعنے جب وہ ہمارے عذاب کو دیکھکر ایمان لائے۔ تو ایمان اُن کے لئے نفع کے لائق ثابت نہ ہوا۔ خدا تعالےٰ کا جو دستور اسکے بندوں میں جاری رہا ہے وہ یہی ہے۔ کہ وہ ایسا ایمان قبول نہیں کرتا۔ جیسا کہ فرعون سے نہ کیا ۱۲ منہ

ف۴۸ اِس سے پہلے خاص دو شخصوں کا قصہ بطور مثال بیان کیا۔ کہ مومن صالح خواہ وہ تنہا اور تنگدست ہو خدا سے ثواب پانے اور نیک انجام کے لحاظ سے اس مالدار اور صاحب اولاد سے بہتر ہے۔ جو خدا کا منکر ہو۔ یا اُسکی نعمتوں کا غیر شاکر ہو۔ یا جو اپنے مال و اولاد کی وجہ سے نیک بخت درویشوں پر فخر و تکبر کرے۔ اور اُن کو حقیر جانے ۔ جیسے کہ کفار مکہ نے فقرا صحابہ کی نسبت آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے کہا تھا۔ اِسی معنی میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا مَا قَلَّ وَكَفٰى خَيۡرٌ مِمَّا كَثُرَ وَاَلۡهٰى۔ یعنے قلیل مال جو کفایت کرے بہتر ہے اُس کثیر سے جو (خدا سے غافل کر دے) اب اس آیت میں دنیاوی جاہ و حشمت کی مثال بیان کی۔ کہ بارش کے اثر سے زمین ہری بھری اور بارونق ہو جاتی ہے۔ اور کچھ عرصہ تک اپنی تازگی اور رونق سے باعثِ سرور و خوشی بن جاتی ہے۔ لیکن چند روز کے بعد سب سبزہ خشک ہو کر چورا ہو جاتا ہے۔ جسے ہوا اُڑا لیجاتی ہے۔ اسی طرح دنیا کی سب رونقیں عارضی اور وقتی ہیں آخر کار سب کچھ فنا ہو جائیگا۔ اور رہے گا نام خدا کا پس ایسی فانی چیز پر مغرور ہو کر نیک بخت درویشوں پر فخر و تکبر کرنا جن کے دامن دائمی نعمتوں سے بھرے ہوئے ہیں۔ اہل عقل و دانش کا کام نہیں ؛

فَاخْتَلَطَ بِهٖ نَبَاتُ الْاَرْضِ فَاَصْبَحَ هَشِيْمًا تَذْرُوْهُ الرِّيٰحُ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ

تو اُسکی وجہ سے زمین کی روئیدگی (بڑھکر اور پھولکر) خوب گتھ جاتی ہے پھر (دیکھ لو کچھ دنوں) کے بعد وہ چورا ہوجاتی ہے جسے ہوائیں اڑائے لیجاتی ہیں۔ اور

عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ مُّقْتَدِرًا ﴿۴۵﴾ اَلْمَالُ وَالْبَنُوْنَ زِيْنَةُ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۚ

خدا تعالےٰ ہر شئے پر قادر ہے ف۵۶ مال اور بیٹے دُنیاوی زندگی کی رونق ہیں۔

وَالْبٰقِيٰتُ الصّٰلِحٰتُ خَيْرٌ عِنْدَ رَبِّكَ ثَوَابًا وَّخَيْرٌ اَمَلًا ﴿۴۶﴾ وَيَوْمَ

اور باقی رہنے والی یعنی نیکیاں تیرے رب کے نزدیک ثواب میں بھی بہتر ہیں اور امید میں بھی بہتر ہیں ف۵۸ اور جس دن

نُسَيِّرُ الْجِبَالَ وَتَرَى الْاَرْضَ بَارِزَةً ۙ وَّحَشَرْنٰهُمْ فَلَمْ نُغَادِرْ مِنْهُمْ اَحَدًا ﴿۴۷﴾

ہم پہاڑوں کو (ان کے مقام سے) چلا دینگے تو تو زمین کو بالکل ننگی دیکھیگا اور ہم ان سب کو (اپنے حضور میں) جمع کرینگے تو ان میں سے کسی کو بھی باقی نہیں چھوڑینگے

ف۵۵ فَاخْتَلَطَ بِهٖ نَبَاتُ الْاَرْضِ کی دو صورتیں ہیں ایک یہ کہ سبزیاں پانی سے سیراب ہوکر پھولتی ہیں تو گویا پانی ان میں مخلوط ہوگیا۔ دیگر یہ کہ سیرابی کے سبب وہ خوب پھولتی اور پھیلتی ہیں تو انکی شاخیں آپس میں ایک دوسری کو لپٹ جاتی ہیں تو گویا پانی نے انکو سیراب کرکے ایک دوسری سے ملا دیا۔

ف۵۶ اس موقع پر ہر شئے پر قادر ہونے کا ذکر اسلئے کیا ہے کہ ایجاد و فنا سب کچھ خدا کے اختیار میں ہے جس طرح تم زمین کی روئیدگی کو دیکھتے ہو کہ خدا اُسے پیدا بھی کرتا ہے۔ اور خشک کرکے فنا بھی کر دیتا ہے۔ اسی طرح اپنے مال و دولت کا حال بھی سمجھو۔ دیگر یہ کہ کسی کو غنی اور کسی کو فقیر کرنا خدا کے اختیار میں ہے۔ کسی کے اپنے زور کی بات نہیں ہے۔ پس ایسے امر پر جو اپنا اختیاری نہیں ہے مغرور ہونے کے کیا معنے ؟ یا یہ کہ خدا تعالےٰ غنی کو فقیر اور فقیر کو غنی کر دینے پر قادر ہے کیونکہ سب انقلابات اُسی کے اختیار میں ہیں پس اس لحاظ سے بھی اپنے غنا پر اترانا اور فقرا کو حقیر جاننا عقلمندی نہیں ہے۔ کوئی بھی صورت ہو مقصود ایک ہی ہے۔

ف۵۷ اَلْبَاقِيَاتُ الصَّالِحَاتُ خَيْرٌ کی ترکیب یوں ہے کہ الباقیات مبتدا۔ الصالحات اسکا عطف بیان خیر اسکی خبر۔ باقیات صالحات کی تفسیر میں کئی ایک امور لکھے گئے ہیں مثلاً کلمات تسبیح سبحان اللہ والحمد للہ ولا الٰہ الا اللہ واللہ اکبر ولا حول ولا قوۃ الا باللہ اور پنجوں نمازیں اور حج اور عمرہ اور رمضان کے روزے اور دیگر پاک کلمات ایسے سب اعمال اس لفظ میں مندرج ہیں کیونکہ ہر عمل صالح باقیات صالحات میں سے ہے۔ چنانچہ حضرت قتادہ نے کہا کل شئی فی طاعۃ اللہ فھو من الباقیات الصالحات (فتح البیان) حاصل یہ کہ نیکی کو پائیداری ہے اور فنا ہے۔ باقی سب کچھ فانی ہے پس فانی کو باقی پر مقدم کرنا نادانی ہے۔ اسی طرح صدقات جاریہ اور اولاد صالح بھی باقیات صالحات ہیں۔ (مشکوٰۃ ص۔۔)

ف۵۹ پہاڑوں کا اکھاڑا جانا بھی فنائے عالم میں سے ہے۔ اس کا ذکر بھی قرآن شریف میں کثرت سے ہے۔ جیسا کہ فائدہ ۱۵ میں سورت کے ابتدا میں ذکر کیا گیا ہے۔ اور چلانے کے معنے یہی ہیں کہ پہاڑ اڑ جائینگے۔ درخت و نباتات سب خشک ہو کر فنا ہو جائینگے یعنی اس کے اوپر کی چیزیں پہاڑ اور درخت اور نباتات و مکانات جو اوپر سے اُسکو ڈھانپے ہوئے ہیں سب فنا ہو جائینگی تو زمین ننگی اور افتادہ بے کاشت رہ جائیگی۔ اسی مضمون کو دیگر مقامات پر دوسرے دوسرے الفاظ میں بیان کیا ہے لَا تَرٰى فِيْهَا عِوَجًا وَّلَا اَمْتًا (پ۱۶) اسی طرح اسکے اندر کی چیزیں بھی باہر آجائینگی۔ مثلاً مدفون مردے وغیرہم چنانچہ فرمایا:۔ وَاَلْقَتْ مَا فِيْهَا وَتَخَلَّتْ (پ۳۰) نیز فرمایا:۔ وَاَخْرَجَتِ الْاَرْضُ اَثْقَالَهَا (پ۳۰) غرض زمین اندر باہر سے خالی ہوکر ایک صاف چٹیل میدان ہو جائیگی۔

وَعُرِضُوا عَلٰى رَبِّكَ صَفًّا ۭ لَقَدْ جِئْتُمُوْنَا كَمَا خَلَقْنٰكُمْ اَوَّلَ مَرَّةٍ ۡ بَلْ

اور پیش کئے جاوینگے تیرے رب کے سامنے صف باندھکر (پس انکو کہا جائیگا) بیشک تم ہمارے حضور میں اسی طرح بے مال و دولت اکیلے آئے ہو جیسا

زَعَمْتُمْ اَلَّنْ نَّجْعَلَ لَكُمْ مَّوْعِدًا (۴۹) وَوُضِعَ الْكِتٰبُ فَتَرَى الْمُجْرِمِيْنَ

تمنے تو یہ گمان کر رکھا تھا کہ ہم (تمہاری بازپرس کیلئے) ہرگز کوئی وقت ہی مقرر نہیں کرینگے اور رکھی جائیگی کتاب پھر تم اے پیغمبر! مجرموں کو دیکھوگے کہ وہ

مُشْفِقِيْنَ مِمَّا فِيْهِ وَيَقُوْلُوْنَ يٰوَيْلَتَنَا مَالِ هٰذَا الْكِتٰبِ لَا يُغَادِرُ

اس سے جو اس (کتاب) میں (درج ہے) ڈررہے ہونگے اور کہینگے ہائے ہلاکت ہماری! یہ کتاب کیسی ہے۔ کہ یہ چھوڑتی نہیں

صَغِيْرَةً وَّلَا كَبِيْرَةً اِلَّآ اَحْصٰىهَا ۚ وَوَجَدُوْا مَا عَمِلُوْا حَاضِرًا

کوئی چھوٹا اور نہ بڑا (گناہ) مگر گھیر رکھا ہے اُسے۔ اور پائینگے وہ اپنے اعمال کو حاضر

وَلَا يَظْلِمُ رَبُّكَ اَحَدًا ﴿۵۰﴾

اور (اے پیغمبر!) تمہارا رب کسی پر بھی ظلم نہیں کرتا ہے ۵۰

ف ۵۰ ہمنے اسجگہ دو محذوف نکالے ہیں۔ "ایک" "بے مال و دولت" اور دیگر "اکیلے" سو یہ ہر دو سورت انعام کی آیت میں مذکور ہیں۔ چنانچہ فرمایا کہ ہم قیامت کے دن افترا پردازوں سے کہینگے۔ وَلَقَدْ جِئْتُمُوْنَا فُرَادٰى كَمَا خَلَقْنٰكُمْ اَوَّلَ مَرَّةٍ وَّتَرَكْتُمْ مَّا خَوَّلْنٰكُمْ وَرَآءَ ظُهُوْرِكُمْ (انعام پ) یعنے اور البتہ تحقیق تم ہمارے حضور میں اکیلے آئے ہو۔ جس طرح ہمنے تمکو (دنیا میں) پہلی دفعہ پیدا کیا تھا۔ اور (وہ مال) جو ہمنے تمکو عطا کیا تھا۔ اپنے پیچھے (دنیا ہی) میں چھوڑ آئے ہو۔ چنانچہ اس جگہ یعنے سورت کہف میں سابقًا مالدار کفارِ مکہ کا غریب صحابہؓ سے نفرت کی وجہ سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مجلس وعظ و نصیحت میں شامل نہ ہونا مذکور ہے پھر ایک ایسے سرمایہ دار کا ذکر ہے جو مال و دولت کی فراوانی اور اعوان و انصار کی کثرت کی وجہ سے ایک کم مایہ صالح الاعمال مؤمن پر فخر و تکبر کرتا تھا۔ اور اُس کے مال و دولت کی تباہی اور اسپر عذاب خدا کا نزول ہونا صریحًا مذکور ہے جسکے بعد سمجھایا کہ دنیا کی یہ زینت و رونق بالکل عارضی و فانی ہے یہ عاقبت میں کام آنیوالی چیز نہیں ہے وہاں جو چیز کارآمد ہے اور اسکو زوال نہیں بلکہ اُسکو ہمیشہ کا بقا ہے۔ وہ ایمان و اعمال صالحہ ہیں پس بیکار و فانی شئے پر فخر کرنا اور کارآمد اور لازوال دولت کو حقیر جاننا دماغ کی خرابی اور ذہنیت کے فساد کا نتیجہ ہے پس ہر دو مقام کا مضمون ایک سلک میں منسلک ہے ایک جگہ مذکور ہے ایک جگہ محذوف یا یوں کہ ایک جگہ مجمل ہے اور دوسری جگہ مفصل۔ فسُبْحَانَ اللّٰهِ مَا اَحْكَمَ كِتَابَهٗ ۱۲ منہ

ف ۵۱ اسجگہ الکتاب سے مراد اعمالنامہ ہے جس کا ذکر قرآن و حدیث میں بکثرت ہے یہ وہ رجسٹر یا دفتر ہے جس میں کراماً کاتبین فرشتے انسان کے نیک اور بداعمال لکھتے ہیں۔ یہ اعمالنامہ قیامت کو ہر انسان کے سامنے کیا جائیگا اور اِقْرَاْ كِتٰبَكَ ۭ كَفٰى بِنَفْسِكَ الْيَوْمَ عَلَيْكَ حَسِيْبًا (بنی اسرائیل پ) یعنے اپنا اعمال نامہ پڑھ لے آج تیرا اپنا نفس ہی تیرا محاسب بننے کیلئے کافی ہے (کہ تیری نیکیاں کتنی ہیں۔ اور بدیاں کتنی)، نیز خدا تعالےٰ فرمائیگا هٰذَا كِتٰبُنَا يَنْطِقُ عَلَيْكُمْ بِالْحَقِّ ۭ اِنَّا كُنَّا نَسْتَنْسِخُ مَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ (جاثیہ پ) یعنے یہ ہے ہماری نوشت جو تمکو (تمہارے اعمال) ٹھیک ٹھیک سنا دیگی۔ بیشک ہم تمہارے اعمال جو تم کرتے تھے۔ لکھواتے جاتے تھے وغیرہ ان سب آیات اور انہی جیسی دیگر آیات میں کتاب سے مراد اعمالنامہ ہے

وَاِذْ قُلْنَا لِلْمَلٰٓئِكَةِ اسْجُدُوْا لِاٰدَمَ فَسَجَدُوْٓا اِلَّآ اِبْلِيْسَ ؕ

اور (اے پیغمبر! یاد کرو وہ وقت) جب کہا ہم نے فرشتوں کو کہ سجدہ کرو آدم کو پس (سب نے) سجدہ کیا۔ مگر ابلیس نے

ﻟ۵۸۲ ارتباط بماقبل سابقہ رکوعات میں عاقبت فراموش کردہ مغرور اُمراء کا ذکر مسلسل آرہا ہے اب سرچشمہ غرور و نافرمانی یعنے شیطان کا ذکر کیا،

دیگر مواضع ابلیس اور آدم کا قصہ قرآن مجید میں سات جگہ آیا ہے۔ سورت بقرہ پ ۱ میں، سورت اعراف پ ۸ میں، سورت حجر پ ۱۴ میں، سورت بنی اسرائیل پ ۱۵ میں، اس سورت کہف پ ۱۵ میں، سورت طٰہٰ پ ۱۶ میں اور سورت ص پ ۲۳ میں، ہر جگہ موقع و محل کی مناسبت کے لحاظ سے مقصود جُدا جُدا ہے چنانچہ آپ انشاء اللہ اس تفسیر میں ہر جگہ کی مناسبت میں دیکھ لینگے، اس مقام پر اسکا ذکر اس مناسبت سے ہے۔ کہ سابقاً گذر چکا ہے۔ کہ کفار امرائے قریش نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے غریب صحابہؓ کے پھٹے پُرانے کپڑوں اور خستہ حالی کو دیکھکر اُن کو نظرِ حقارت سے دیکھا اسی طرح ایک صاحب باغات و زراعات کا ذکر حال بھی بیان کیا جس نے ایک بے مایہ و خستہ حال مومن کی بے سامانی دیکھکر کہا تھا۔ اَنَا اَكْثَرُ مِنْكَ مَالًا وَّاَعَزُّ نَفَرًا (کہف رکوع ۵) ان سب کے بعد فرمایا کہ یہ اور ان جیسے دیگر سب متکبر شیطان کے پیرو ہیں جسنے آدمؑ کی خاکی پیدائش دیکھکر اُسے حقیر جانا۔ کہ خاک تیرہ و کثیف ہے اور اُس کے جوہر نورانی پر نظر نہ کی۔ اور اپنے آپ کو آگ سے پیدا شدہ جانکر کہ وہ روشن اور لطیف ہے شریف و عزیز سمجھا اور اپنی باطنی خباثت کو نہ دیکھا۔ اسی طرح کفارِ قریش بھی اپنے حسب و نسب اور مال و دولت کی وجہ سے تکبر کرتے ہوئے فقرائے صحابہؓ بلال حبشیؓ اور صہیب رومیؓ۔ اور سلمان فارسیؓ وغیرہم کو انکی خستہ حالی کی وجہ سے حقیر و ذلیل شمار کرتے ہیں۔ اور اپنی باطنی خباثتوں یعنے بداعتقادیوں اور بدکرداریوں کو نہیں دیکھتے اور ان ایماندار فقراء کو ایمان و صلاحیت کی وجہ سے رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حضوری کا جو شرف اور ان کو آپ کی پاک مصاحبت و مجالست سے جو انوار و برکات حاصل ہوتے ہیں وہ تو اُن کے خیال میں بھی نہیں آسکتے جنکے سامنے اُن کی حسب و نسب اور اُن کے فاسد فخر بالکل ہیچ و بے قیمت ہیں ؎

گدایاں را ازیں معنے خبر نیست کہ سلطانِ جہاں با ماست امروز

ﻟ۵۸۳ اعراب، وَ، واو عاطفہ مضمون سابق کو مضمونِ آئندہ سے ملانے کیلئے ہے جیسا کہ عنوان ارتباط بماقبل کے بیان سے معلوم ہو گیا

ﻟ۵۸۴ اِذْ متعلق ہے اُذْكُرْ محذوف کے یعنے اے پیغمبر! ان متکبروں کا حال سمجھنے کے لئے وہ وقت یاد کرو۔ جب ہمنے فرشتوں کو حکم کیا کہ آدمؑ کو سجدہ کرو۔ تو سب نے تعمیل کی، مگر شیطان نے تکبر کی وجہ سے انکار کر دیا ہو

ﻟ۵۸۵ لِلْمَلٰٓئِكَةِ یہ فرشتے جن کو سجدہ کرنے کا حکم ہوا، کتنے تھے؟ اسمیں مختلف قول ہیں۔ کوئی کہتا ہے صرف آسمان کے فرشتوں کو حکم ہوا۔ کوئی کہتا ہے۔ صرف زمین کے فرشتوں کو حکم ہوا قرآن شریف میں فَسَجَدَ الْمَلٰٓئِكَةُ كُلُّهُمْ اَجْمَعُوْنَ (پ ۱۴ حجر) کے ہوتے صرف زمین یا صرف آسمان کی تخصیص کے کچھ معنے نہیں ہیں۔

لفظ ملائکہ جمع ہے مَلَكٌ کی۔ اس کا اصل ہے اَلُوْكٌ بمعنے پیغام، اور صورتِ صیغہ بزیادتی میم مَأْلَكٌ بروزن مَفْعَلٌ ہے، اور ہمزہ تخفیفاً حذف کیا گیا۔ تو مَلَكٌ رہ گیا۔ یا اس کا اصل لَاَكَ بتقدیم لام ہے۔ بمعنے رسالت اور میم اس صورت میں بھی زائد ہے۔ اور ہمزہ حذف شدہ ہے۔ (لسان العرب وغیرہ کتب لغت)

چونکہ فرشتے خدا کی وحی پیغمبروں کے پاس لاتے ہیں۔ اس لئے اُن کو ملائکہ کہتے ہیں (بقیہ حاشیہ صفحہ ۳۴ دیکھو)

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۴۳) اور ہو سکتا ہے۔ کہ لفظ فرشتہ بھی فارسی لفظ فرستہ (یعنی بھیجا ہوا) سے بن گیا ہو۔ سین غیر معجمہ اور شین معجمہ کی آپس میں تبدیلی بعید نہیں۔

حدیث کے رُو سے فرشتوں کی پیدائش نور سے ہے (مشکوٰۃ صفحہ ۴۹۹) ذکوریت (مرد ہونا) اور انوثیت (عورت ہونا) کی ملاوٹ سے پاک ہیں وہ توالد و تناسل سے نہیں بلکہ عالمِ امر کی مخلوق ہیں۔ نہ کھاتے ہیں نہ پیتے ہیں، خدا کی یاد اُن کا مایۂ حیات ہے۔ خدا کے ذِکر سے نہ تھکتے ہیں نہ اُکتاتے ہیں۔ عصیان و نافرمانی سے پاک ہیں۔ خدا تعالےٰ کا جو بھی حکم ہو۔ فوراً بجا لاتے ہیں۔[1] جیسا کہ اسی واقعہ سے معلوم ہو جائیگا جس کا ذکر ہو رہا ہے۔ جو لوگ اِن کے نوری اجسام کے وجود سے منکر ہیں اور ان کو انسانی طبائع کے ملکات و قویٰ سمجھتے ہیں۔ وہ بے بصیرت اور علم عربی سے کورے ہیں۔ ملکہ بمعنے قوت کی میم اصلی ہے۔ اور ملٰک بمعنے فرشتہ کی میم بتصریح علمائے لغت زائد ہے پس ہر دو لفظ ایک نہیں ہیں۔ اور اُن کے معنے بھی ایک نہیں ہیں۔

قرآن شریف کی تصریحات ہیں۔ کہ فرشتے انبیا کے پاس آتے رہے، جنگوں میں مومنوں کی مدد کرتے رہے۔ اللہ کے بعد اللہ کا نبی (صلی اللہ علیہ وسلم) سب سچوں سے سچا ہے۔ وہ بالتصریح کہتا ہے۔ کہ فرشتے میرے پاس آتے ہیں، خدا کا پیغام لاتے ہیں آنحضرت صلعم کے صحابہ رض گواہی دیتے ہیں۔ کہ ہم اُن کو دیکھتے تھے۔ ان کے بعد اصحابِ کشف اولیاء اللہ جو آپ سے روحانی مناسبت رکھتے ہیں وہ بھی یہی شہادت دیتے ہیں، ہم ایسے پاک باز سچوں کی مانیں یا ان بے بصیرت، بے علم، کج فہم، نیچریوں کی۔ جو دل کے اندھے۔ عقیدے کے گندے۔ علم سے کورے اور انوار روحانیہ سے بالکل بے بہرہ ہیں ؎

اُسْجُدُوْا لِاٰدَمَ۔ آدمؑ اور یوسفؑ کو سجدہ کرنے کے متعلق علماء کے بہت سے قول ہیں ایک یہ کہ یہ سجدہ تحیت و سلام کا تھا۔ نہ کہ عبادت کا، شرائع سابقہ میں تحیت کا سجدہ بزرگوں کو کرنا جائز تھا۔ اور عبادت کا سجدہ غیر اللہ کو کرنا سب شریعتوں میں حرام ہے۔ لیکن شریعت محمدیہ صلعم میں غیر اللہ کو تحیت کا سجدہ بھی منع ہے۔ پس یہ منسوخ شدہ ہے دیگر یہ کہ لغت میں سجدہ کے معنے تواضع سے سر زمین پر رکھنا بھی ہیں اور ادب سے سیدھا کھڑا ہونا بھی چنانچہ قاموس میں ہے۔ سَجَدَ خَضَعَ وَانْتَصَبَ ضِدٌّ یعنے سَجَدَ کے معنے یہ بھی ہیں۔ کہ اُس نے تواضع کی اور وہ جُھکا، اور یہ بھی ہیں کہ وہ سیدھا کھڑا ہوا یعنے یہ لفظ لغات الاضداد میں سے ہے۔ اور لسان العرب میں ہے۔ اَلسَّاجِدُ الْمُنْتَصِبُ فِیْ لُغَۃِ طَیٍّ نیز مصباح میں ہے۔ کُلُّ شَیْءٍ ذَلَّ فَقَدْ سَجَدَ وَسَجَدَ انْتَصَبَ فِیْ لُغَۃِ طَیٍّ . . . . وَسَجَدَ الرَّجُلُ وَضَعَ جَبْهَتَهٗ بِالْاَرْضِ دیگر یہ کہ اُسْجُدُوْا لِاٰدَمَ میں لام بمعنی اِلٰی ہے۔ یعنے آدمؑ کی طرف منہ کر کے سجدہ کرو۔ اِس صورت میں سجدہ خدا کو تھا۔ اور آدمؑ و یوسفؑ بمنزلہ قبلہ کے تھے۔ اور لام جارہ بمعنے اِلٰی قرآن شریف میں دوسرے مقام پر مذکور ہے۔ چنانچہ سورت لقمان پ ۲۱ میں گردشِ ستارگان اور سورج و چاند کا انسانوں کے فائدہ کے لئے پیدا کرنے کی نسبت فرمایا:۔ وَسَخَّرَ الشَّمْسَ وَالْقَمَرَ كُلٌّ يَّجْرِیْٓ اِلٰٓى اَجَلٍ مُّسَمًّى (لقمان پ ۲۱) اور اسی امر کو سورت زمر رکوع اول پ ۲۳ میں فرمایا: وَسَخَّرَ الشَّمْسَ وَالْقَمَرَ كُلٌّ يَّجْرِیْ لِاَجَلٍ مُّسَمًّى (زمر پ ۲۳)

"حافظ عماد الدین ابن کثیر رح نے سورت بقر کی تفسیر میں اس امر کے متعلق جو لکھا ہے اسکا ترجمہ ہم ذیل میں لکھ دیتے ہیں:۔

"قتادہ رح (تابعی) نے خدا تعالےٰ کے قول وَاِذْ قُلْنَا لِلْمَلٰٓئِكَةِ اسْجُدُوْا لِاٰدَمَ میں کہا کہ طاعت (تعمیل حکم) خدا تعالےٰ"
"کی تھی اور سجدہ آدمؑ کو تھا۔ خدا تعالےٰ نے اُسے اپنے ملائکہ سے سجدہ کرایا۔ اور بعض نے کہا کہ یہ سجدہ تحیت اور سلام"

[1] فرشتوں کی یہ صفات متفرق آیات و احادیث میں مذکور ہیں جو بخوف طوالت نقل نہیں کی گئیں ۱۲ منہ

(بقیہ حاشیہ ص ۳۴) اور تعظیم کا تھا۔ جیسا کہ اللہ تعالےٰ نے (حضرت یوسفؑ کے ذکر میں) فرمایا:۔ "وَرَفَعَ اَبَوَیۡهِ عَلَى الۡعَرۡشِ وَخَرُّوۡا لَهٗ سُجَّدًا‌ ۚ وَقَالَ يٰۤاَبَتِ هٰذَا تَاۡوِيۡلُ رُءۡيَاىَ مِنۡ قَبۡلُ قَدۡ جَعَلَهَا رَبِّىۡ حَقًّا" (یوسف پ ۱۳) اور یہ گذشتہ امتوں میں جائز تھا۔ لیکن ہماری امت (محمدیہ ص) میں منسوخ ہوگیا۔ (جیسا کہ آنحضرتؐ کی خدمت میں) حضرت معاذ رضؓ نے عرض کیا کہ میں ملکِ شام میں گیا۔ تو ان لوگوں کو دیکھا۔ کہ وہ اپنے پیر یا دریوں اور علماء کو سجدہ کرتے ہیں۔ تو یا رسول اللہ (صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم) آپ اِس بات کے زیادہ حقدار ہیں۔ کہ آپ کو سجدہ کیا جائے۔ اِسپر آنحضرت صلعم نے فرمایا۔ کہ اگر میں کسی دوسرے بشر کو حکم کرنے والا ہوتا۔ کہ وہ دوسرے بشر کو سجدہ کرے۔ تو البتہ میں عورت کو حکم کرتا۔ کہ وہ اپنے خاوند کو سجدہ کیا کرے کہ اُسکا اسکے ذمے بڑا حق ہے"

"حافظ عماد الدین ابن کثیر کہتے ہیں کہ) اِس وجہ کو امام رازی رح ترجیح دیتے ہیں۔ اور بعض نے کہا کہ سجدہ تو خدا تعالےٰ ہی کو تھا۔ آدمؑ صرف (بطور) قبلہ تھے۔ جیسا کہ خدا تعالےٰ نے فرمایا اَقِمِ الصَّلٰوةَ لِدُلُوۡكِ الشَّمۡسِ (بنی اسرائیل پ ۱۵)" "حافظ ابن کثیر رح کہتے ہیں کہ اِس آیت کو مثال بنانے میں نظر ہے) اور اظہر یہ ہے۔ کہ پہلا قول اولیٰ ہے۔ اور سجدہ آدمؑ کے اکرام و اعظام اور احترام و سلام کیلئے تھا۔ اور یہ خدا تعالےٰ کی اطاعت ہے۔ کہ اسمیں خدا تعالےٰ کے حکم کی تعمیل ہے۔ اور اِسی بات کو امام رازی رحؒ نے اپنی تفسیر میں قوی کہا ہے۔ اور دیگر دونوں قولوں کو ضعیف کہا ہے۔ اور وہ یہ کہ آدمؑ کو قبلہ بنایا گیا۔ کیونکہ اسمیں (آدم علیہ السلام کا شرف نہیں ہے۔ دیگر یہ کہ سجدہ سے مُراد صرف تواضع ہے۔ نہ کہ جُھکنا۔ اور پیشانی کا زمین پر رکھنا۔ اور یہ بھی ضعیف ہے۔ جیسا کہ اُنہوں (امام رازی رح) نے کہا (ابن کثیر جلد اوّل ص ۱۳۲)"

تنبیہ۔ حضرت معاذ رضؓ نے آنحضرتؐ کی خدمت میں نصاریٰ شام کا دستور عرض کرکے جو اجازت سجدہ کی چاہی تو اِس سے صاف ظاہر ہے۔ کہ اُنہوں نے تعظیم و اکرام اور تحیت و سلام کے سجدہ کی اجازت چاہی تھی۔ نہ کہ سجدہ عبادت کی۔ کیونکہ حضرت معاذؓ مجتہد صحابہ میں سے ہیں۔ جو اصول دین سے بخوبی واقف ہیں۔ پس جب آنحضرت صلعم نے اپنے لئے اس سجدہ کی بھی اجازت نہیں دی۔ جو اولادِ آدم کے سردار ہیں تو دیگر فقیروں کے لئے اگرچہ وہ سچے اولیاء اللہ اور واقعی قابلِ احترام بزرگ ہوں۔ کس طرح اجازت ہوسکتی ہے کیونکہ وہ بہرحال آنحضرتؐ کے خادم اور پیرو ہیں۔ اور اُن ملمع پیروں اور فقیروں کا تو نام ہی نہ لو۔ جو عقائد و اعمال ہر دو میں حدودِ شرع سے متجاوز ہوکر جُہال کو ٹھگتے پھرتے ہیں۔ پس جس امر کی شریعت سابقہ میں اجازت تھی۔ وہ اِس خاتم الشرائع شریعت میں منسوخ ہوگیا۔ تو اب کسی کیلئے اجازت نہ رہی۔ یہی تمام ائمہ و مجتہدین اور فقہا و محدثین اور مشائخ اہل سنت کا مذہب ہے۔ حضرت یوسفؑ کے سجدہ کا بھی یہی حال ہے۔ کہ وہ سجدہ تحیت و سلام کا تھا نہ کہ سجدہ عبادت۔ چنانچہ **لسان العرب** میں آیت وَخَرُّوْا لَهٗ سُجَّدًا کے متعلق زیر لفظ سَجَدَ لکھا ہے۔ هٰذا سجودُ اعظامٍ لا سجود عبادة لان بنی یعقوب لم یکونوا یسجدون لغیر الله عزوجل یعنے یہ سجدہ تعظیم کا تھا نہ سجدہ عبادت کا، کیونکہ حضرت یعقوبؑ کی اولاد غیر اللہ کو سجدہ (عبادت) کرنے والی نہ تھی؛

كَانَ مِنَ الْجِنِّ فَفَسَقَ عَنْ اَمْرِ رَبِّهٖ ؕ اَفَتَتَّخِذُوْنَهٗ وَذُرِّيَّتَهٗٓ

وہ جنات میں سے تھا۔ پس باہر ہو گیا اپنے رب کے حکم سے، تو کیا تم (اے انسان، آدم زاد ہو کر) پکڑتے ہو اسکو اور اسکی اولاد

اَوْلِيَآءَ مِنْ دُوْنِيْ وَهُمْ لَكُمْ عَدُوٌّ ؕ بِئْسَ لِلظّٰلِمِيْنَ بَدَلًا ﴿٥١﴾

کو دوست سوا میرے حالانکہ وہ تمہارے دشمن ہیں بہت برا ہے واسطے ظالموں کے یہ بدل

مَآ اَشْهَدْتُّهُمْ خَلْقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَلَا خَلْقَ اَنْفُسِهِمْ ۪ وَمَا كُنْتُ

نہیں حاضر کیا تھا میں نے ان کو وقت پیدا کرنے آسمانوں کے اور زمین کے اور نہ خود ان کے پیدا کرنے کے وقت) اور نہ تھا میں

ف٨٦ كَانَ مِنَ الْجِنِّ۔ شیطان کی پیدائش کی نسبت علماء کے مختلف اقوال ہیں کہ کس شئے سے ہے؟ جو لوگ کہتے ہیں کہ آگ سے ہے۔ انکی دلیل یہ آیت ہے کہ وہ جنات میں سے ہے۔ اور جنات کی پیدائش آگ سے ہے۔ جیسا کہ فرمایا وَالْجَآنَّ خَلَقْنٰهُ مِنْ قَبْلُ مِنْ نَّارِ السَّمُوْمِ (حجر پ١٤) نیز فرمایا:۔ وَخَلَقَ الْجَآنَّ مِنْ مَّارِجٍ مِّنْ نَّارٍ (الرحمن پ٢٧) دوسرا گروہ کہتا ہے کہ فرشتوں کی ایک جماعت پیدا کیگئی جنمیں سے ایک کا نام ابلیس تھا

ف٨٧ وَذُرِّيَّتَهٗ۔ کسی کی ذریت اصل میں اُسے کہتے ہیں جو اُس سے پیدا ہو جیسے اولاد، اور مجازاً تابعدار اور پیرو کو بھی کہ لیتے ہیں ۱۲

ف٨٨ لَكُمْ عَدُوٌّ۔ شیطان اور اُسکی ذریت کی دشمنی بنی آدم سے اسی سجدہ کیوقت سے ہے۔ اسیوقت خدا تعالیٰ نے آدم کو کہ دیا تھا اِنَّ هٰذَا عَدُوٌّ لَّكَ وَلِزَوْجِكَ (طٰہٰ پ١٦) یعنی اے آدم! یہ ابلیس جسنے میرے حکم پر بھی تجھے سجدہ نہیں کیا، تیرا بھی اور تیری بیوی کا بھی دشمن ہے۔ اس کے علاوہ دیگر آیات میں بھی شیطان کو دشمن اولادِ آدم کہا گیا ہے جیسے اِنَّ الشَّيْطٰنَ لَكُمْ عَدُوٌّ فَاتَّخِذُوْهُ عَدُوًّا (فاطر پ٢٢) یعنی شیطان تمہارا دشمن ہے

ف٨٩ بِئْسَ لِلظّٰلِمِيْنَ بَدَلًا اس مقام پر خدا تعالیٰ یہ یاد کراکے کہ وہ تمہارا دشمن ہے اور اسکی ذریت بھی تمہاری دشمن ہے سمجھاتا ہے کہ میں وہ ہوں جو تمہارا خالق و رازق و پروردگار ہوں میں نے تمہارے باپ آدم کو فرشتوں سے سجدہ کرا کر عزت بخشی، اور شیطان وہ ہے جسنے تمہارے باپ کی تعظیم نہ کی۔ تو کیا تم مجھکو چھوڑ کر انکو دوست گردانتے ہو۔ تمہارا یہ تبادلہ بہت ہی برا اور بیجا ہے۔ دوستی کا اہل میں ہوں، نہ کہ شیطان، لیکن تم مجھے چھوڑ کر ان کو دوست بناتے ہو۔ بہت بُرا اور بیجا کرتے ہو۔ ؎ ببیں از کہ بُریدی و باکہ ساختی " ۱۲ منہ

ف٩٠ خَلْقَ ہر دو جگہ ظرفیت کے سبب منصوب ہے ۱۲ منہ

ف٩١ وَمَا كُنْتُ الخ مراد یہ ہے۔ خدا تعالیٰ نے سلسلہ پیدائش عالم میں کسی قسم کی امداد نہیں لی۔ چہ جائیکہ ان گمراہ کن شیطانوں کو وہ اپنا بازو بنائے۔ چنانچہ اسی مضمون کو دوسری جگہ یوں بیان فرمایا قُلِ ادْعُوا الَّذِيْنَ زَعَمْتُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ ۚ لَا يَمْلِكُوْنَ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ الخ (سبا پ٢٢)

ف٩٢ مقصود ان آیات سے یہ ہے کہ شیطان، اور اسکی ذریت کو میری خدائی میں کسی قسم کا بھی تعلق نہیں۔ خالقیت میں حصہ دار ہونا تو کجا، یہ تو زمین و آسمان کی پیدائش کے وقت موجود ہی نہ تھے۔ اور نہ ان اپنے پجاریوں کی پیدائش کے وقت اور نہ میں نے ان سے اس امر میں کوئی کام ہی لیا تھا۔ تو پھر ان مشرکوں کا شیطان کی اطاعت کرنا اور اسکو اور اس کے پیروں کو میرے مقابلہ میں دوست بنانا سراسر جہالت و نادانی ہے۔ اور اگر یہ خیال ہو کہ انکو دوست و مددگار سمجھتے ہیں کہ یہ آئندہ زندگی میں ہمارے کام آئینگے تو یہ بھی غلط ہے کیونکہ ہم اُس دن ان مشرکوں کو بطور الزام کے کہینگے کہ جنکی بابت تمہارا خیال تھا کہ انکا ہماری خدائی میں کسی قسم کا حصہ یا دخل ہے۔ اُن کو پکارو کہ آج وہ تمہاری مدد کریں اور تمکو ہمارے عذاب سے چھوڑا لیں، تو وہ انکو اپنے گمان کے مطابق پکارینگے تو سہی۔ لیکن شنوائی کہاں؟ ہم ان سب شیطانوں اور اُن کے پجاریوں کو دوزخ میں دھکیل دینگے۔ اُسوقت اُن کو حقیقتِ امر معلوم ہو جائیگی۔ کہ خدا کو چھوڑ کر غیروں پر آس دھرنے کا کیا نتیجہ ہے۔

مُتَّخِذَ الْمُضِلِّيْنَ عَضُدًا ﴿۵۲﴾ وَيَوْمَ يَقُوْلُ نَادُوْا شُرَكَآئِيَ الَّذِيْنَ زَعَمْتُمْ

بنانیوالا گمراہ کرنے والوں کو اپنا بازو ۵۲ع اور جس دن خدا فرمایگا کہ بلاؤ میرے شریکوں کو جو تمنے گمان کر رکھے

فَدَعَوْهُمْ فَلَمْ يَسْتَجِيْبُوْا لَهُمْ وَجَعَلْنَا بَيْنَهُمْ مَّوْبِقًا ﴿۵۳﴾ وَرَاَ الْمُجْرِمُوْنَ النَّارَ

تھے تو وہ اُن کو پکار رینگے - تو وہ نہ قبول کرینگے اُن کی بات کو اور کردینگے ہم درمیان اُنکے ہلاکت کی جگہ ۵۳ع اور دیکھینگے مجرم لوگ دوزخ کو

فَظَنُّوْا اَنَّهُمْ مُّوَاقِعُوْهَا وَلَمْ يَجِدُوْا عَنْهَا مَصْرِفًا ﴿۵۴﴾ وَلَقَدْ صَرَّفْنَا

تو یقین کرینگے کہ وہ اسمیں پڑنے والے ہیں - اور نہ پائینگے اس سے بچنے کی جگہ ۵۴ع اور بیشک ہمنے تو پھیر پھیر کر بیان

۵۹۳ وَلَقَدْ صَرَّفْنَا اِس آیت سے مقصود یہ ہے کہ ہمنے قرآن شریف میں حق اور باطل کی شناخت ہر مناسب طریق سے کردی ہے اسپر بھی ضدی اللسان بالطبع جدال ہی پر تُلے رہتے ہیں۔

تصریف آیات کا مضمون قرآن شریف میں متعدد مقامات پر مذکور ہے۔

اوّل یہی آیت جسکی تفسیر لکھی جا رہی ہے۔ (کہف پ۱۵)

دوم - اُنْظُرْ كَيْفَ نُصَرِّفُ الْاٰيٰتِ ثُمَّ هُمْ يَصْدِفُوْنَ (انعام پ۷ ع)

سوم اُنْظُرْ كَيْفَ نُصَرِّفُ الْاٰيٰتِ لَعَلَّهُمْ يَفْقَهُوْنَ (انعام پ۷)

چہارم وَلَقَدْ صَرَّفْنَا فِيْ هٰذَا الْقُرْاٰنِ لِيَذَّكَّرُوْا وَمَا يَزِيْدُهُمْ اِلَّا نُفُوْرًا (بنی اسرائیل پ۱۵)

پنجم وَلَقَدْ صَرَّفْنَا لِلنَّاسِ فِيْ هٰذَا الْقُرْاٰنِ مِنْ كُلِّ مَثَلٍ فَاَبٰى اَكْثَرُ النَّاسِ اِلَّا كُفُوْرًا (بنی اسرائیل پ۱۵)

ششم وَكَذٰلِكَ اَنْزَلْنٰهُ قُرْاٰنًا عَرَبِيًّا وَّصَرَّفْنَا فِيْهِ مِنَ الْوَعِيْدِ لَعَلَّهُمْ يَتَّقُوْنَ اَوْ يُحْدِثُ لَهُمْ ذِكْرًا (طٰہٰ پ۱۶)

ہفتم وَلَقَدْ صَرَّفْنٰهُ بَيْنَهُمْ لِيَذَّكَّرُوْا فَاَبٰى اَكْثَرُ النَّاسِ اِلَّا كُفُوْرًا (فرقان پ۱۹)

ہشتم اِن آیات کے علاوہ ایک جگہ لفظ ضَرَبْنَا بھی آیا ہے۔ اُسے ہم ہشتم پر رکھتے ہیں - چنانچہ فرمایا:-

وَلَقَدْ ضَرَبْنَا لِلنَّاسِ فِيْ هٰذَا الْقُرْاٰنِ مِنْ كُلِّ مَثَلٍ لَّعَلَّهُمْ يَتَذَكَّرُوْنَ (زمر پ۲۳)

تصریف - آیات سے مراد ہے ایک مضمون کو کئی ایک طریق پر پھیر پھیر کر بیان کرنا - تاکہ ہر طبقہ اور ہر سمجھ کا آدمی اپنے اپنے مذاقِ طبع اور استعداد فہم سے بات کو سمجھ سکے امام رازی اِسی سورت کہف کی اس آیت کے ذیل میں فرماتے ہیں - والتصريف يقتضي التكرير والامر كذالك لانه لقد اجاب عن شبهتهم التى ذكروها من وجوه كثيرة ومع ذالك الجوابات الشافية الامثلة المطابقة فهولاء الكفار لايتركون المجادلة الباطلة فقال وَكَانَ الْاِنْسَانُ اَكْثَرَ شَيْءٍ جَدَلًا اى اكثر اشياء التى يتاتى منها (کبیر جلد ۵ ص)

اور ضرب مثل سے مراد ہے ایک بات کو بلحاظ مناسبت کسی پر چسپاں کرنا - تاکہ کم فہم لوگوں کی سمجھ میں بھی آجائے - حاصل دونوں لفظوں کا ایک ہی ہے - یعنے سمجھنے کیلئے سہولت پیدا کرنا اور یہ بات قرآن شریف میں خاص طور پر ملحوظ ہے چنانچہ فرمایا وَلَقَدْ يَسَّرْنَا الْقُرْاٰنَ لِلذِّكْرِ فَهَلْ مِنْ مُّدَّكِرٍ (القمر پ۲۷) یعنے ہمنے قرآن کو نصیحت کیلئے بہت ہی آسان کیا ہے کوئی نصیحت لینے والا ہے؟

فِیْ هٰذَا الْقُرْاٰنِ مِنْ كُلِّ مَثَلٍ ؕ وَكَانَ الْاِنْسَانُ اَكْثَرَ شَیْءٍ جَدَلًا ۵۵

اس قرآن میں ہر بات، اور انسان سب چیزوں سے بڑھکر جھگڑالو ہے ۵۵ ۹۴

(بقیہ حاشیہ ۳۷) آیاتِ محولہ بالا میں تصریف آیات (تکرار بیان کرنا) اور ضربِ مثل کے اغراض و فوائد حسب ذیل بالتصریح بیان کئے گئے ہیں۔
(۱) لَعَلَّهُمْ يَفْقَهُوْنَ (آیت نمبر ۳ میں) یعنے تاکہ یہ لوگ گہری سمجھ حاصل کر سکیں۔ (۲) لِيَذَّكَّرُوْا ۖ لَعَلَّهُمْ يَتَذَكَّرُوْنَ (آیات ۲، ۴ میں) یعنے تاکہ یہ لوگ نصیحت حاصل کر سکیں (۳) لَعَلَّهُمْ يَتَّقُوْنَ (آیت ۶ میں) یعنے تاکہ یہ لوگ مقام تقویٰ یعنے پرہیزگاری حاصل کر سکیں (۴)، اَوْ يُحْدِثُ لَهُمْ ذِكْرًا (آیت نمبر ۶ میں) یعنے یا اسلئے کہ یہ (تکرار آیات) ان کے لئے نصیحت کو تازہ رکھ سکے ۔ انہی آیات میں بعض میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ باوجود ان سب امور کے اکثر لوگ ضد و نفرت اور کفر و انکار پر اصرار کرتے میں اور نصیحت کرتے رہتی ہیں۔ مثلاً ان میں سے آیت نمبر ۲ میں فرمایا ثُمَّ هُمْ يَصْدِفُوْنَ (انعام پ ۷) یعنے باوجود تکرار ۳ کر سمجھانے کے پھر بھی یہ لوگ پرے ہی پرے رہتے ہیں۔ اور آیت ۲ میں فرمایا وَمَا يَزِيْدُهُمْ اِلَّا نُفُوْرًا یعنے ہمنے تو اس قرآن میں انکی نصیحت کیلئے کئی کئی طریق سے بیان کیا ہے۔ لیکن انکو نفرت ہی نفرت بڑھتی ہے۔ اور آیت ۵ میں فرمایا فَاَبٰۤى اَكْثَرُ النَّاسِ اِلَّا كُفُوْرًا یعنے باوجود ان سب امور کے اکثر لوگوں نے سوائے کفر کرنے کے سب امروں سے انکار کر دیا یعنے ایمان نہیں لاتے۔ اور کفر اختیار کرتے ہیں۔ اور اس آیت میں جسکی تفسیر ہو رہی ہے۔ فرمایا:- وَكَانَ الْاِنْسَانُ اَكْثَرَ شَیْءٍ جَدَلًا یعنے باوجود ہر طرح سے سمجھانے کے (ضدی) انسان (بالطبع) جدال ہی پر تلے رہتے ہیں۔

اسی مضمون کو دوسرے الفاظ میں یوں بیان کیا ہے۔ وَاِنْ يَّرَوْا كُلَّ اٰيَةٍ لَّا يُؤْمِنُوْا بِهَا ۚ وَاِنْ يَّرَوْا سَبِيْلَ الْغَیِّ يَتَّخِذُوْهُ سَبِيْلًا (اعراف پ ۹) یعنے یہ لوگ ایسے ضدی ہیں کہ اگر ہر نشانِ صداقت کو اپنی آنکھ سے بھی دیکھ لیں تو پھر بھی ایمان نہ لائیں اور طریقِ ہدایت (کی بھلائی) کو آنکھ سے دیکھ لیں تو اسے اختیار نہ کریں لیکن اگر گمراہی کی راہ (کی برائی) کو آنکھ سے بھی دیکھ لیں۔ تو اُسے اختیار کر لیں۔ اور اُسی راہ پر چلیں۔ نیز فرمایا وَمَا تُغْنِی الْاٰيٰتُ وَالنُّذُرُ عَنْ قَوْمٍ لَّا يُؤْمِنُوْنَ (یونس پ ۱۱ ع)

حاصل مطلب یہ کہ چاہے تفہیم و تذکیر کے کتنے طریق اختیار کئے جائیں، ضدی اور جھگڑالو انسانوں کو کچھ بھی فائدہ نہیں ہوتا۔ جیسا کہ کہا گیا ہے ؎ تہیدستانِ قسمت را چہ سود از رہبرِ کامل ✦ کہ خضر از آبِ حیواں تشنہ می آرد سکندر را

پنجابی زبان میں اسی شعر کے مضمون کو یوں نظم کیا گیا ہے ؎

لدھا آب حیات سکندر کر کر کے تجویزاں قسمت باجھ نہ تک بجھ پیتا شاہ عراق عجم دے

(حاشیہ صفحہ ھذا ۹۴ جَدَلًا۔ لغت میں جدال کے معنے ہیں دلیری اور بیباکی۔ اور جھگڑے کو جدال اسلئے کہتے ہیں کہ جھگڑا عموماً دلیر اور بیباک آدمی کرتا ہے۔ امام رازی رح نے سورۂ غافر کی تفسیر میں کہا ہے۔ کہ جدال دو قسم پر ہے۔ ایک حق کو ثابت کرنے میں دیگر باطل کی تائید میں۔ اثباتِ حق میں جدال کرنا تو انبیاء کا کام ہے۔ جیسا کہ خدا تعالےٰ نے آنحضرت صلعم کو فرمایا:- وَجَادِلْهُمْ بِالَّتِیْ هِیَ اَحْسَنُ (نحل پ ۱۴) لیکن جو باطل کے ثابت کرنے میں ہو۔ وہ مذموم ہے۔ اور یہی اس آیت میں مراد ہے۔ چنانچہ فرمایا:- مَا يُجَادِلُ فِیْۤ اٰيٰتِ اللّٰهِ اِلَّا الَّذِيْنَ كَفَرُوْا (مومن پ ۲۴)، یعنے خدا کی آیات میں سوائے کفار لوگوں کے دیگر کوئی بھی جھگڑا نہیں کرتا۔

(آگے حاشیہ دیکھو صفحہ ۳۹ پر)

وَمَا مَنَعَ النَّاسَ اَنْ يُّؤْمِنُوْٓا اِذْ جَآءَهُمُ الْهُدٰى وَيَسْتَغْفِرُوْا رَبَّهُمْ

اور نہیں روکا لوگوں کو کہ وہ ایمان لاویں جبکہ آگئی انکے پاس ہدایت اور کہ وہ بخشش مانگیں اپنے رب سے

اِلَّآ اَنْ تَاْتِيَهُمْ سُنَّةُ الْاَوَّلِيْنَ اَوْ يَاْتِيَهُمُ الْعَذَابُ قُبُلًا ﴿۵۶﴾

مگر اس بات کے انتظار نے کہ آوے انپر طریقہ پہلوں کا یا آوے اُن پر عذاب سامنے اُن کے ۵۶ع

(بقیہ حاشیہ ص۳۸) نیز امام رازیؒ نے فرمایا کہ محاورہ جدال فی الشئ کے معنے ہیں جدال بالباطل اور جدال عن الشئ کسی کی حمایت اور مدافعت میں جدال کرنا۔ امام رازیؒ کی عبارت کا مفہوم یہ ہے۔ کہ اگر خلاف میں جدال ہو تو اسکا صلہ فی آتا ہے۔ جیسے آیات یجادلون فی اٰیاتنا (شوریٰ پ۲۵) اور یجادلون فی اٰیات اللہ (مومن پ۲۴) اور یجادلون فی الحق (انفال پ۹) میں؛

اور اگر کسی کے حق و حمایت میں ہو تو اسکا صلہ عن آتا ہے۔ جیسے آیات وَلَا تُجَادِلْ عَنِ الَّذِيْنَ يَخْتَانُوْنَ اَنْفُسَهُمْ (النساء پ۵) میں تو

اور جس چیز کو دستاویز بنائیں اور اُس سے حجت پکڑیں۔ تو جدال کا صلہ اُس چیز کے ساتھ بٓ آتا ہے۔ جیسے اِسی آیت کے بعد ہے۔ وَجَادَلُوْا بِالْبَاطِلِ لِيُدْحِضُوْا بِهِ الْحَقَّ (کہف پ۱۵) یعنے ان منکروں نے باطل کو دستاویز بناکر جدال کیا۔ تاکہ اُس باطل کے ساتھ حق کو دور کردیں؛ اور جس طریق سے جدال کیا جائے۔ اُس کے ذکر کے ساتھ بھی اُسکا صلہ بٓ آتا ہے۔ جیسے آیت وَجَادِلْهُمْ بِالَّتِيْ هِيَ اَحْسَنُ (نحل پ۱۴) میں اور آیت وَلَا تُجَادِلُوْٓا اَهْلَ الْكِتٰبِ اِلَّا بِالَّتِيْ هِيَ اَحْسَنُ (عنکبوت پ۲۱) میں۔

(حاشیہ صفحہ ھٰذا) ف۹۵ اِلَّآ اَنْ تَاْتِيَهُمْ۔ اسجگہ لفظ انتظار محذوف ہے (فتح البیان) اسکی نظیر یہ آیت ہے۔ فَهَلْ يَنْظُرُوْنَ اِلَّا سُنَّتَ الْاَوَّلِيْنَ ۞ (فاطر پ۲۲) یعنے یہ لوگ (کفار مکہ) اگلے لوگوں کے دستور کے سوا کسی اور امر کے منتظر نہیں ہیں؛ نیز آیت فَهَلْ يَنْتَظِرُوْنَ اِلَّا مِثْلَ اَيَّامِ الَّذِيْنَ خَلَوْا مِنْ قَبْلِهِمْ (یونس پ۱۱) یعنے پس نہیں انتظار کرتے یہ (اہل مکہ) مگر مثل اُن لوگوں کے ایام کی جو اِن سے پہلے گذر گئے؛

ف۹۶ سُنَّةُ الْاَوَّلِيْنَ؛ یعنے خدا کا وہ دستور عذاب جو اگلے کُفار کی نسبت گذر چکا ہے۔ اسجگہ لفظ سُنّت کو لوگوں کی طرف مضاف کیا ہے۔ اسلئے کہ وہ لوگوں پر وارد ہوئی۔ گویا مفعول کیطرف مضاف ہے۔ اور بعض جگہ اسے اللہ کیطرف مضاف کیا ہے۔ مثلاً سُنَّتَ اللّٰهِ الَّتِيْ قَدْ خَلَتْ فِيْ عِبَادِهٖ (حم سجدہ پ۲۴) یعنے دستور خدا کا جو اسکے بندوں میں گذر چکا ہے۔ یہ اسلئے ہے کہ خدا اس کا فاعل ہے اور بعض جگہ انبیاء علیہم السلام کی طرف مضاف کیا ہے۔ مثلاً آیت سُنَّةَ مَنْ قَدْ اَرْسَلْنَا قَبْلَكَ مِنْ رُّسُلِنَا (بنی اسرائیل پ۱۵) یعنے دستور اُن لوگوں کا جنکو ہمنے (اے پیغمبرؐ) تجھسے پہلے رسول بناکر بھیجا؛ یہ اسلئے ہے کہ خدا کا یہ دستور عذاب انبیاء علیہم کے انتقام میں جاری ہوتا رہا۔ اور اس مقام پر اس سے مراد عذاب الٰہی ہے چنانچہ تفسیر فتح البیان میں ہے:۔ وَسُنَّةُ الْاَوَّلِيْنَ هُوَ اَنَّهُمْ اِذَا لَمْ يُؤْمِنُوْا عُذِّبُوْا عَذَابَ الْاِسْتِئْصَالِ یعنے پہلوں کا دستور یہ کہ جب وہ ایمان نہ لائے تو بیخ کنی کے عذاب سے معذب ہوئے؛

وَمَا نُرْسِلُ الْمُرْسَلِينَ إِلَّا مُبَشِّرِينَ وَمُنْذِرِينَ ۹۷ وَيُجَادِلُ الَّذِينَ

اور نہیں بھیجتے ہم (اپنے) پیغمبروں کو مگر بشارت دینے والے اور ڈر سنانے والے کرکے اور جھگڑا کرتے ہیں وہ جو

كَفَرُوا بِالْبَاطِلِ لِيُدْحِضُوا بِهِ الْحَقَّ وَاتَّخَذُوا آيَاتِي وَمَا أُنْذِرُوا هُزُوًا (۹۸)

کافر ہوئے باطل (طریق) سے تاکہ زائل کریں ساتھ اسکے راستی کو اور پکڑا انہوں نے میری آیتوں کو اور میرے ڈراوے کو ٹھٹھا

ف۹۷ اِس آیت کا مطلب صاف ہے کہ خدا تعالےٰ فرماتا ہے۔ کہ ہم رسولوں کو دو طرح بھیجتے ہیں۔ ہمارا مقصد یہ ہے کہ ایمان لانے پر نیک انجام اور رضائے الٰہی کی خوشخبری سنائی جائے، تاکہ انکو ایمان کی طرف رغبت ہو۔ اور انکار و نافرمانی کرنے پر بُرے انجام اور خدا کے غضب کی خبر دیجائے۔ تاکہ وہ کفر و عصیان سے باز رہیں۔ اسپر بھی بعض لوگ کفر پر مُصر رہتے ہیں بلکہ جدالی طبیعت سے باطل کی حمایت میں حق کو زائل کرنے کے لئے ہمارے رسولوں سے مجادلہ کرتے ہیں۔ اور میرے احکام کو اور ڈراوے کی خبروں کو ٹھٹھے مخول میں اڑانے کی کوشش کرتے ہیں جو ہم بواسطہ اپنے پیغمبروں کے نازل کرتے ہیں۔

ف۹۸ ارتباط پہلی آیت میں ضدی انسانوں کو بالطبع جھگڑالو کہا تھا۔ اب اِس آیت میں ذکر فرمایا کہ ایسے لوگ ہمارے رسولوں کے مقابلے میں حق کو زائل کرنے کیلئے اسی بُری خصلت پر پیچھے بھی عمل کرتے رہے ہیں اور اب یہ کفار مکہ بھی اسی پر عمل کر رہے ہیں کہ ہمارے پیغمبر محمدؐ کی نبوت کے انکار میں لایعنی سوالات پیش کر رہے ہیں۔ کہ روح کی حقیقت بتاؤ۔ اصحاب کہف کا قصہ سناؤ اور ذوالقرنین کا ذکر بیان کرو۔ ورنہ تم نبی نہیں ہو۔

نکتہ عجیبہ۔ قادیانی لوگ مرزائے قادیانی کو نبی بنانے کیلئے اِس امر سے انکار کرتے ہوئے کہ نبوت آنحضرتؐ پر ختم کردی گئی آیت دَ خَاتَمَ النَّبِيِّينَ اور حدیث لَا نَبِيَّ بَعْدِي وغیرہ نصوص صریحہ کے مقابلہ میں غلط استدلالوں کو دستاویز بناکر جدال بالباطل کے طریق پر مجادلہ کرتے ہیں اور جہاں کہیں پیغمبروں کے بھیجنے کا ذکر بصیغہ مضارع آیا ہے۔ وہاں کہتے ہیں۔ کہ اگر پیغمبری ختم ہوگئی ہوتی تو صیغہ ماضی کا آتا۔ نہ کہ مضارع کا۔ اسکا ایک جواب یہ ہے۔ کہ ایسے مفہوم جو نص صریح کے مقابلہ میں ہوں۔ علم اصول کے رو سے باطل ہوتے ہیں۔ دیگر یہ کہ صیغہ مضارع اختیار کرنے کی یہ وجہ ہے۔ کہ یہ صیغہ حال اور استقبال دونوں میں مشترک ہے اور نبوت ختم ہوجانے کے یہ معنے ہیں کہ آنحضرتؐ کے بعد کوئی شخص نبی نہیں بنایا جائیگا۔ چونکہ آنحضرتؐ کی حیات طیبہ میں سلسلہ وحی جاری تھا اور منقطع نہیں ہوا تھا۔ اسلئے مضارع کا لفظ فرمایا گیا۔ جو حال کیلئے بھی آتا ہے۔ جب حال کے لئے مقرر ہوگیا۔ اور آنحضرتؐ کی حیات میں نزول قرآن بزمانہ حال تھا۔ تو اس کے معنے استقبال کے جاتے رہے کیونکہ مضارع کے حال اور استقبال ہر دو کیلئے ہونیکے یہ معنے نہیں ہیں کہ وہ ہر جگہ اور ہر وقت باہم دونوں کیلئے آتا ہے۔ بلکہ اس کے یہ معنے ہیں کہ کبھی یہ حال کیلئے آتا ہے۔ اور کبھی استقبال کیلئے، حال کے لئے مقرر ہوگا۔ تو اسجگہ استقبال نہ رہیگا۔ اور استقبال کیلئے مقرر ہوگا۔ تو اسجگہ حال کے لئے نہیں رہیگا۔ فافهم ولا تكن من القاصرين۔ مسلمان مناظر مرزائیوں کے ایسے استدلالات کے لئے اِس نکتہ کو خوب سمجھکر یاد کرلیں ⁂

وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنْ ذُكِّرَ بِاٰيٰتِ رَبِّهٖ فَاَعْرَضَ عَنْهَا ۹۸

اور کون بڑا ظالم ہے۔ اُس سے جس کو نصیحت کیگئی اُسکے رب کی آیتوں سے، تو اُسنے مُنہ پھیر لیا اُنسے، ۹۸

۹۸ حاصل مطلب یہ ہے۔ کہ جس شخص کو خدا تعالےٰ کے احکام سُنا کر نصیحت کی جائے۔ اور وہ اُس سے مُنہ پھیر دے وہ بڑا ہی ظالم ہے۔ کیونکہ اوّل تو نصیحت بجائے خود نظر انداز کرنے کی چیز نہیں۔ دوم یہ کہ جب نصیحت میں خدا تعالےٰ کے احکام سُنائے جائیں تو انکی خلاف ورزی سے بہت شرم کرنی چاہئے۔ کیونکہ وہ ہر طرح کی ضرورتیں پوری کرتا۔ اور آسائشیں پہنچاتا ہے پس جو شخص اپنے خالق و مالک اور رازق و پروردگار کے احکام سے مُنہ موڑتا ہے۔ اور انکی پرواہ نہیں کرتا۔ وہ بڑا ہی بے شرم ہے اِسی لئے یہاں پر ذُكِّرَ بِاٰيٰتِ رَبِّهٖ میں اسم رَبّ استعمال کیا گیا ہے اور چونکہ منعم کا حق ہو کہ احکام کی خلاف ورزی پر پُرسش کرے اور سزا دے اسلئے اُسکے عذاب سے ڈرنا بھی چاہئے۔ اور جو نہیں ڈرتا وہ سیاہ دل ہے۔ سوم یہ کہ وہ حکم الٰہی خدا کے پیغمبر کی زبانی سنائے جاتے ہیں جنکی زندگی کا ہر لمحہ ظاہرًا و باطنًا عملًا و اعتقادًا، اخلاقًا و معاملۃً اُن احکام کی عملی تصویر ہے۔ اور ہر پہلو سے بے لوث ہے۔ ایسی مقدس ہستی کی زبانی جو بھی نصیحت سُنی جائے۔ اُسے ضائع نہیں جانے دینا چاہئے۔ بلکہ دل میں جگہ دینی چاہئے، خصوصًا جبکہ وہ خداوند تعالےٰ کے احکام سے ہو۔ چہارم یہ کہ خدا کا پیغمبر نہایت درجے کا شفیق اور بے طمع خیر خواہ ہوتا ہے۔ پس جو بدقسمت خدا کے پیغمبر کی نصیحت سے جو خدا کے احکام کی تبلیغ ہوتی ہے۔ مُنہ پھیر لیتا ہے۔ وہ ان سب واجب اللحاظ امور مذکورہ کو نظر انداز کرتا ہے۔ اسلئے وہ اپنے صیغہ میں سب سے بڑا ظالم ہے۔

نکتہ قرآن مجید میں مَنْ اَظْلَمُ کا حکم چند قسم کے لوگوں پر آیا ہے۔ اوّل الٰہی احکام کی نصیحت سے مُنہ موڑنے والوں پر جیسا کہ اِس آیت میں ہے اِسی طرح کی دوسری آیت سورت الٓمّٓ سجدہ پ۲۱ میں ہے۔ وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنْ ذُكِّرَ بِاٰيٰتِ رَبِّهٖ ثُمَّ اَعْرَضَ عَنْهَا اِنَّا مِنَ الْمُجْرِمِيْنَ مُنْتَقِمُوْنَ یعنے اُس سے بڑھکر ظالم کون ہے؟ جسے خدا کی آیات سے نصیحت کی جائے، پھر وہ اُن سے مُنہ پھیرے۔ ہم ضرور ضرور اِن مجرموں سے انتقام لینے والے ہیں ؎

اِس قسم کے لوگوں کے اَظْلَمُ ہونے کی وجہ یہ ہے کہ خدا تعالےٰ سب سے بڑا ہے۔ اور اس کا استحقاق بھی سب سے بڑا ہے۔ پس جسنے اُس کے احکام کی نصیحت سے مُنہ موڑا، اُس نے سب سے بڑی ہستی کی شان کی تحقیر و حق فراموشی کی پس وہ سب سے بڑا ظالم ہے۔ **دوم** جھوٹے مدعیانِ نبوت پر، جیسے سورتِ صف (پ۲۸) میں فرمایا وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرٰى عَلَى اللّٰهِ الْكَذِبَ وَهُوَ يُدْعٰٓى اِلَى الْاِسْلَامِ وَاللّٰهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ ؎ یعنے اور کون بڑا ظالم ہے اُس سے جو باندھے اوپر اللہ کے جھوٹ حالانکہ اُسے بُلایا جاتا ہے طرف اسلام کی اور اللہ نہیں ہدایت کیا کرتا ظالموں لوگوں کو ؎

اِسی طرح سورتِ انعام پ۷ میں فرمایا۔ وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرٰى عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا اَوْ قَالَ اُوْحِيَ اِلَيَّ وَلَمْ يُوْحَ اِلَيْهِ شَيْءٌ وَّمَنْ قَالَ سَاُنْزِلُ مِثْلَ مَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ (انعام پ۷) اور کون بڑا ظالم ہو اُس سے جو باندھے خدا پر جھوٹ یا کہے کہ میری طرف وحی کی گئی ہے حالانکہ اسکی طرف کچھ بھی وحی نہیں کیا گیا۔ اور جو کہے میں ضرور اُتاروں گا مِثل اسکی جو اُتارا خدا نے یعنی قرآن جیسا معجز

(بقیہ حاشیہ ص۴۱) اِس قسم کے لوگوں کے اَظلم ہونے کی وجہ یہ ہے کہ جس ہستی پر جھوٹ باندھا جائے جتنے لوگ اُس کے اثر میں ہوں، اُتنے ہی لوگوں کو اس کا دھوکا لگ سکتا ہے چونکہ خدا تعالیٰ کی ہستی سب سے بڑی ہے۔ اور اُسکا اثر ساری دنیا پر ہے۔ اسلئے خدا پر جھوٹ باندھنے والے یا جھوٹا دعویٰ نبوت کرنیوالے یا کوئی مسئلہ از خود بنا کر اُسی شریعت میں داخل کرنیوالے سے ساری دنیا کو دھوکا لگ سکتا ہے۔ اسلئے وہ سب سے بڑا ظالم ہے۔ اسی معنے میں آنحضرت صلعم نے فرمایا۔ اِنَّ کَذِبًا عَلَیَّ لَیْسَ کَکَذِبٍ عَلٰی اَحَدٍ فَمَنْ کَذَبَ عَلَیَّ مُتَعَمِّدًا فَلْیَتَبَوَّءْ مَقْعَدَہٗ فِی النَّارِ (مقدمہ صحیح مسلم ص۷) یعنے مجھ پر جھوٹ باندھنا کسی دوسرے پر جھوٹ باندھنے کی طرح نہیں ہے۔ جو مجھ پر جھوٹ باندھے وہ اپنا ٹھکانا جہنم میں بنالے۔

امام نووی نے اِسکی شرح میں فرمایا۔ یہ اسلئے ہے کہ اس کا فساد عظیم ہے۔ کیونکہ وہ مسئلہ قیامت تک شریعت مستمرہ بنجائے گا۔ بخلاف اُس جھوٹ اور شہادت کے جو آپ کے غیر پر ہو کیونکہ اُس کا فساد کم ہے عام نہیں ہے۔ (انتہیٰ مترجما ص۸)

سوم اُن لوگوں پر مَنْ اَظْلَمُ کا لفظ آیا ہے۔ جو خدا کی مسجدوں سے خدا کا ذکر کرنے والوں کو روکیں۔ چنانچہ پہلے پارہ میں فرمایا۔ وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنْ مَّنَعَ مَسٰجِدَ اللّٰہِ اَنْ یُّذْکَرَ فِیْھَا اسْمُہٗ وَسَعٰی فِیْ خَرَابِھَا (پ۱ بقر) اور کون بڑا ظالم ہے اُس سے جو منع کرتا ہے۔ خدا کی مسجدوں سے اسبات سے کہ ذکر کیا جائے اُن میں نام اُسکا اور سعی کرتا ہو اُن کے اجاڑنے میں۔

اِس قسم کے لوگوں کے اظلم ہونے کی وجہ یہ ہے کہ ذکر ہمیشہ تابع مذکور کے ہوتا ہے۔ یعنے جس شخص کا ذکر کیا جاوے جو شان اُسکی ہوگی وہی شان اُس کے ذکر کی ہوگی چونکہ اللہ سب سے بڑا ہے اسلئے اُسکا ذکر بھی سب سے بڑا ہے۔ چنانچہ فرمایا وَلَذِکْرُ اللّٰہِ اَکْبَرُ (پ۲۱ آیت اول) یعنے اللہ کا ذکر سب سے بڑا ہے۔ پس جو شخص خدا کے ذکر سے منع کرتا ہے۔ خاصکر مسجد سے روکتا ہے وہ سب سے بڑا ظالم ہے۔

سوال۔ مذکورہ بالا تفصیل سے معلوم ہوا کہ اِن ہر سہ قسم کے لوگوں کو بڑا ظالم کہا گیا ہے یہ کسطرح ہو سکتا ہے سب سے بڑا صرف ایک ہی ہوا کرتا ہے۔

جواب۔ اِسکے جواب دو ہیں۔ اوّل یہ کہ جس طرح امتحانات میں کامیابی کے تین درجے ہوتے ہیں اوّل درجے میں پاس ہونے والے متعدد طالب علم ہوتے ہیں اُن کے نمبر بھی کم و بیش ہوتے ہیں پھر بھی کہا جاتا ہے۔ کہ وہ سب فرسٹ ڈویژن یا فرسٹ کلاس (اوّل درجے) میں پاس ہوئے ہیں۔ پس یہ اظلمیت بلحاظ درجے کے ہے نہ کہ بلحاظ افراد کے۔ دوم یہ کہ جب وہ امور جنکی بنا پر انکو اَظلم کہا گیا ہے۔ الگ الگ نوع کے ہیں۔ تو ہر ایک نوع کے ماتحت متعدد گناہ ہیں اور ہو سکتے ہیں تو ہر نوع میں سے ان تین قسم کے لوگ اوّل نمبر کے گنہگار ہیں۔ اور قرآن کی اِن تین قسم کی آیات کو بغور دیکھنے سے صاف نظر آتا ہے کہ یہ تینوں گروہ خدا کی نصیحت اور اُسکی آیات سے منہ موڑنے والے ہیں۔ پس یہ تینوں انواع ایک ہی **جنس** کے ماتحت ہیں چنانچہ جس آیت کی تفسیر ہو رہی ہے۔ اُس میں تو آپ نے دیکھ لیا۔ کہ انکو خدا کی آیات سے منہ موڑنے والے کہا ہے۔ دوسری قسم کی آیت نمبر (۱) میں اسی بات کو وَھُوَ یُدْعٰٓی اِلَی الْاِسْلَامِ کے الفاظ سے بیان کیا گیا ہے۔ اِسی قسم کی دوسری آیت کے اخیر میں کہا گیا ہے وَکُنْتُمْ عَنْ اٰیٰتِہٖ تَسْتَکْبِرُوْنَ (انعام پ۷) یعنے اِن جھوٹے مدعیان نبوت کی جان کنی کے وقت خدا کے فرشتے اُن سے کہینگے۔ کہ ایسا سخت سلوک ہم تم سے اسلئے کر رہے ہیں کہ "تم خدا کی آیات سے تکبر کرتے تھے"۔ اور تیسری قسم کی آیت میں یعنے مسجدوں میں سے ذکرِ الٰہی کے منع کرنے والوں کو جو اظلم کہا گیا ہے۔

وَنَسِيَ مَا قَدَّمَتْ يَدَاهُ ۵۹۹

اور بھلا دے وہ اپنے (وہ اعمال) جو آگے بھیجے اُسکے ہاتھوں نے

(بقیہ حاشیہ ص۴۲) وہ بھی بالکل صاف ہو کہ ایسا شخص خدا کے ذکر کی تحقیر و بے قدری کرتا ہے۔ اور خدا کی مسجدوں کا احترام نہیں کرتا۔ جو منجملہ اسکے قابلِ تعظیم نشانات کے ہیں۔ چنانچہ شعائر اللہ یعنی نشانات الٰہی کی تعظیم کرنے والوں کی نسبت فرمایا۔ وَمَنْ يُّعَظِّمْ شَعَآئِرَ اللّٰهِ فَاِنَّهَا مِنْ تَقْوَى الْقُلُوْبِ (الحج پ۱۷) یعنے جو کوئی خدا کے نشانات کی تعظیم کرتا ہے تو بس یہ امر دلوں کے تقویٰ کی وجہ سے ہے۔ پس جس طرح قرآن شریف آیات اللہ یعنے نشاناتِ الٰہیہ میں سے ہے۔ اسی طرح مسجدیں بھی خدا کے نشانات میں سے ہیں۔ پس ہر دو کی بے قدری کرنیوالے ایک ہی قسم کے گنہگار ہیں یعنے اَظْلَم ہیں۔ فافہم وتدبر ولا تغفل فانہ لطیف جدًا والحمد للہ الملہم

سوال ۔ ظلم بے انصافی اور حق تلفی کو کہتے ہیں جن لوگوں کو اَظْلَم کہا گیا ہے۔ انکا ظلم کس کے حق میں ہے

جواب ۔ صورۃً تو یہ بات ہے کہ انہوں نے خدا تعالےٰ کے حق اطاعت کو ضائع کیا۔ لیکن اسکا وبال گنہگار کی گردن پر ہے۔ چنانچہ فرمایا:۔ وَمَا ظَلَمُوْنَا وَلٰكِنْ كَانُوْٓا اَنْفُسَهُمْ يَظْلِمُوْنَ (پ۱) یعنی انہوں نے ہمارا کچھ نہیں بگاڑا۔ لیکن اپنی جانوں پر ظلم کرتے رہے۔ نیز فرمایا مَنْ عَمِلَ صَالِحًا فَلِنَفْسِهٖ وَمَنْ اَسَآءَ فَعَلَيْهَا (پ۲۴ اخیر آیت) یعنے جس نے عمل صالح کیا۔ تو وہ اُسکی اپنی جان کے لئے ہے۔ اور جس نے برا کیا پس اسکا بوجھ خاص اُسی پر ہے۔

(حاشیہ صفحہ ھذا) **حل لغات** مَا قَدَّمَتْ يَدَاهُ لفظی ترجمہ یہ ہے جو کچھ آگے بھیجا اُسکے دو ہاتھوں نے اور مراد وہ اعمال ہیں جنکی جزا اگلی زندگی میں ملنی ہے۔ یہ محاورہ قرآن مجید میں بکثرت مستعمل ہے۔ وَلَنْ يَّتَمَنَّوْهُ اَبَدًا ۢ بِمَا قَدَّمَتْ اَيْدِيْهِمْ (پ۱) ۔ ذٰلِكَ بِمَا قَدَّمَتْ اَيْدِيْكُمْ (انفال پ۱۰)

اعمال کو ہاتھوں کی کمائی کہنا بھی قرآن مجید میں بکثرت ہے۔ مثلاً مَآ اَصَابَكُمْ مِّنْ مُّصِيْبَةٍ فَبِمَا كَسَبَتْ اَيْدِيْكُمْ (شوریٰ پ۲۵) اگرچہ بعض اعمال بعض دیگر اعضائے بدن سے بھی کئے جاتے ہیں۔ بلکہ عموماً ہر کام میں سارے یا اکثر اعضائے بدن سے تعلق ہوتا ہے۔ لیکن عام محاورہ یہی ہے کہ اعمال نیک ہوں یا بد۔ دنیوی ہوں یا اُخروی۔ اُن کو "ہاتھوں" کی طرف نسبت دیجاتی ہے۔ مثلاً کتابت کی تو جاتی ہے۔ ہاتھ سے۔ لیکن آنکھ کی بینائی کے بغیر ہاتھ یہ کام نہیں کر سکتا۔ پھر یہ کہ کاتب (خوشنویس یا عام منشی اور کلارک) پاؤں سے چلکر مطبع یا دکان یا دفتر میں جاتے ہیں۔ اور زبان سے بول کر خاص اسی کام کے لئے کتنے سوال حل کرتے ہیں۔

اسی طرح دیگر کاموں کو سمجھ لیں۔ خصوصاً کاشتکاری کو کہ اس میں سارے اعضائے بدن کو سخت محنت و مشقت میں ڈالنا پڑتا ہے۔

غرض بدن انسان کی مشین کے سب پُرزے کم و بیش عموماً ہر کام میں حرکت کرتے ہیں۔ لیکن پھر بھی آپ اپنی محنت سے جو کچھ حاصل کرتے ہیں اُسکی نسبت آپ کہتے ہیں۔ کہ میرا یہ سارا مال و متاع میرے ہاتھوں کی کمائی ہے۔

اِنَّا جَعَلْنَا عَلٰی قُلُوْبِهِمْ اَكِنَّةً اَنْ يَّفْقَهُوْهُ وَفِيْۤ اٰذَانِهِمْ وَقْرًا

بیشک ہمنے اُن کے دلوں پر پردے ڈال دیئے ہیں کہ اسے سمجھ نہ سکیں۔ اور اُنکے کانوں میں ثقل پیدا کر دیئے ہیں۔ لله

لله **حل لغات** - اَكِنَّة جمع ہے۔ كِنٌّ بمعنے پردہ کا۔ اسکی جمع اَكْنَان بھی آتی ہے۔ جیسے آیت جَعَلَ لَكُمْ مِّنَ الْجِبَالِ اَكْنَانًا میں اسے بیوت کے معنی میں (نحل پ ۱۴) اس جگہ اَكِنَّة سے عدم تفہیم یعنے بے سمجھی کے پردے مراد ہیں۔ دلیل اَنْ يَّفْقَهُوْهُ جیسے وَعَلٰى اَبْصَارِهِمْ غِشَاوَةٌ (پ ۱ بقرع ۱) میں باطنی نابینائی کا پردہ مراد ہے۔ (مطول و مختصر)

لله **وَقْرًا** - وَقْر کے معنے ہیں "بوجھ" اور کانوں میں بہرہ پن کی وجہ سے جو بوجھ معلوم ہوتا ہے اُسے بھی وَقْر کہتے ہیں یہاں پر اِس بہرہ پن سے بھی باطنی بہرہ پن مراد ہے۔ یعنے جس طرح ظاہری بہرہ سُن نہیں سکتا۔ اور نصیحت سے فائدہ نہیں اُٹھا سکتا۔ اسی طرح یہ باطنی بہرے بھی سابقہ آیات کی نصیحت سے فائدہ نہیں اُٹھا سکتے۔ جیسے کہ فرمایا:۔

وَاِذَا تُتْلٰى عَلَيْهِ اٰيٰتُنَا وَلّٰى مُسْتَكْبِرًا كَاَنْ لَّمْ يَسْمَعْهَا كَاَنَّ فِيْۤ اُذُنَيْهِ وَقْرًا (لقمان پ ۲۱)

اور جب پڑھی جاتی ہیں اُسپر ہماری آیتیں تو منہ پھیر لیتا ہے۔ متکبر ہو کر گویا کہ نہیں سُنا اُسنے انکو۔ گویا کہ اُس کے کانوں میں بوجھ ہے۔"

سوال اِس آیت میں دلپر پردے اور کانوں کے بوجھ کی نسبت خداتعالےٰ نے اپنی طرف کی ہے کہ ہمنے ایسا کیا جب خود خدا نے ایسا کر دیا ہے۔ تو بندے کا قصور کیا ہے؟ اور بندہ اُس کا مقابلہ کس طرح کر سکتا ہے؟

جواب - قرآن مجید میں جہاں کہیں ایسا ذکر ہے۔ اُس سے پیشتر اُن لوگوں کے کفر و فسق یا طغیان یا ضد و اصرار یا استہزاء و انکار کا ذکر ضرور ہوتا ہے۔ جیسا کہ اسجگہ بھی مذکور ہے۔ جس کا حاصل یہ ہے کہ لوگ دیدہ و دانستہ کفر و فسق اختیار کرتے ہیں اور تعلیم و تذکیر الٰہی کی پرواہ نہیں کرتے۔ تو خداتعالےٰ انبیاء یا خلفائے انبیاء کی تفہیم و تذکیر اور وعظ و تبلیغ کے بعد اُن لوگوں پر حجت پوری کر کے بطور نتیجہ کے اُن سے اپنی توفیق ہٹا لیتا ہے۔ اور اُنکی پرواہ نہیں کرتا۔ اور اُن کو اپنی درگاہ سے راندہ دیتا ہے۔ ختم۔ اضلال۔ اغوا طبع۔ جعلِ غشاوہ۔ جعلِ اکنہ۔ جعلِ وقر وغیرہ وغیرہ الفاظ کو جہاں کہیں خداتعالےٰ کی طرف نسبت کیا گیا ہے۔ اِن سب سے مراد لعنت کرنا۔ مہلت دینا۔ خذلان اور توفیق کا ہٹا لینا ہے۔ چنانچہ ایک جگہ فرمایا وَقَوْلِهِمْ قُلُوْبُنَا غُلْفٌ بَلْ طَبَعَ اللّٰهُ عَلَيْهَا بِكُفْرِهِمْ فَلَا يُؤْمِنُوْنَ اِلَّا قَلِيْلًا (نساء پ ۶) اور دوسری جگہ اسی امر کی نسبت فرمایا وَقَالُوْا قُلُوْبُنَا غُلْفٌ بَلْ لَّعَنَهُمُ اللّٰهُ بِكُفْرِهِمْ فَقَلِيْلًا مَّا يُؤْمِنُوْنَ (پ ۱ ع) نیز فرمایا فَزَادَهُمُ اللّٰهُ مَرَضًا اور وَيَمُدُّهُمْ فِيْ طُغْيَانِهِمْ يَعْمَهُوْنَ (پ ۱ ع ۲) نیز فرمایا وَنَذَرُهُمْ فِيْ طُغْيَانِهِمْ يَعْمَهُوْنَ (اعراف پ ۹) اور سیدنا حضرت امام ابوحنیفہ رح فقہ اکبر میں فرماتے ہیں وَاِضْلَالُهٗ خِذْلَانُهٗ یعنی خدا کے اضلال کے معنے ہیں توفیق کا ہٹا لینا۔ اور اِس پر آگے خود ہی اسکی تفسیر کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔ وَتفسير الخذلان ان لا يوفق العبد على ما يرضاه عنه (شرح فقہ اکبر للا ملا علی القاری المطبوعہ مصر ص) نیز ایمان کی طرف دعوت ہونے پر کافر کے کفر اختیار کرنے کی وجہ میں فرماتے ہیں وَاِنْكَارُهٗ وَجُحُوْدُهٗ بِخِذْلَانِهٖ اِيَّاهُ یعنی کافر کا کفر اور انکار خداتعالےٰ کے توفیق نہ دینے سے ہے۔ اور توفیق اسکو نہیں دیتا جسکو اپنے علم میں

وَاِنْ تَدْعُهُمْ اِلَى الْهُدٰى فَلَنْ يَّهْتَدُوْٓا اِذًا اَبَدًا ﴿۵۸﴾ وَ

اور اگر تم اُن کو ہدایت کی طرف بلاؤ تو کبھی رستے پر نہ آئیں گے ۵۸ اور

رَبُّكَ الْغَفُوْرُ ذُو الرَّحْمَةِ ؕ لَوْ يُؤَاخِذُهُمْ بِمَا كَسَبُوْا

تمہارا پروردگار بخشنے والا صاحب رحمت ہے اگر پکڑے اُن کو اُنکی کرتوتوں کے سبب

(بقیہ حاشیہ ۵۳ صفحہ ۵۳) قابلِ لعنت جان لیا ہے۔ عام لوگ یا مخالفین جو یہ سمجھتے ہیں کہ خدا تعالیٰ ابتداء ہی اُنکی سمجھ مار دیتا ہے۔ اور اُن کے دلوں پر مُہر لگائی ہوتی ہے۔ یہ درست نہیں۔ بلکہ حقیقت یہ ہے۔ کہ لوگ جہالت یا بُری صحبت یا نفسانی خواہش سے کفر و فسق و عصیان میں مبتلا ہو جاتے ہیں۔ خدا تعالیٰ اپنے انبیاء یا اُن کے خلفاء کے ذریعے اُن لوگوں کو اپنے احکام پہنچاتا ہے۔ بعض اُن میں سے ایمان لے آتے ہیں۔ اور بعض کفر و فسق پر مُصر رہتے ہیں جیسا کہ فرمایا فَمِنْهُمْ مَّنْ اٰمَنَ وَمِنْهُمْ مَّنْ كَفَرَ (بقرہ پ ۳) نیز فرمایا فَمِنْهُمْ مَّنْ اٰمَنَ بِهٖ وَمِنْهُمْ مَّنْ صَدَّ عَنْهُ (نساء پ ۵) پس خدا تعالیٰ اُن کے اصرار و انکار کے بعد اُن پر ایک مدت تک تبلیغ کی حجت پوری کر کے اُن کے اصرار و ضد کی وجہ سے اُنکا ناراض ہو جاتا ہے۔ کہ اُن کو ملعون کر کے اپنی درگاہ بے پرواہ سے رد کر دیتا ہے۔ اور اپنی توفیق اُن سے ہٹا لیتا ہے۔ جسکے معنے حضرت امام صاحبؑ یہ فرماتے ہیں۔ کہ اُن کے لئے اپنی رضا کے اسباب مہیا و میسر نہیں کرتا۔ (اعاذنا اللہ منہا)

تنبیہ یہ تحریر گو مختصر ہے۔ لیکن خدا کے فضل سے ساری عمر کے مطالعہ و فکر اور قرآن و حدیث کے نصوص اور علمِ کلام و حدیث و تفسیر کا نچوڑ ہے اور کامل وثوق سے لکھی گئی ہے۔ اسلئے اُس کے انکار میں جلدی نہ کرنی چاہیے۔ واللہ الہادی

حاشیہ صفحہ ہذا ۵۸ وَاِنْ تَدْعُهُمْ اِلَى الْهُدٰى اس میں حسب تحریر سابق کفار کی شدت بیان کی ہے۔ کہ اگرچہ آپ اُنکو ہر طرح کی تفہیم سے ہدایت کی طرف بلا دیں، تو یہ کبھی بھی ہدایت پانے والے نہیں۔ پس آپ اُنکے حال پر افسوس نہ کریں۔ جیسا کہ شروع سورت میں پہلے ہی رکوع میں فرمایا فَلَعَلَّكَ بَاخِعٌ نَّفْسَكَ عَلٰٓى اٰثَارِهِمْ اِنْ لَّمْ يُؤْمِنُوْا بِهٰذَا الْحَدِيْثِ اَسَفًا۔ ۱۲

۵۹ اس آیت میں سمجھایا کہ باوجود اُن کے کافر و نافرمان ہونے کے ہمنے جو اُن کو عذاب میں تاخیر کر رکھی ہے۔ تو اسکی یہ وجہ ہے کہ جس طرح ہمنے ہر کام کیلئے ایک مُہلت رکھی ہے۔ اِس طرح اُنکی ہلاکت کا بھی ایک وقت مقرر کر رکھا ہے۔ اور یہ مہلت محض ہمارے کرم و مغفرت کی وجہ سے ہے۔ کہ کل قیامت کو یہ لوگ یہ نہ کہیں۔ کہ ہمکو سوچنے کی مہلت نہیں ملی۔ ورنہ یہ کبھی کے نیست و نابود کر دیئے گئے ہوتے۔ جیسا کہ سورۂ طٰہٰ میں فرمایا وَلَوْ اَنَّآ اَهْلَكْنٰهُمْ بِعَذَابٍ مِّنْ قَبْلِهٖ لَقَالُوْا رَبَّنَا لَوْلَآ اَرْسَلْتَ اِلَيْنَا رَسُوْلًا فَنَتَّبِعَ اٰيٰتِكَ مِنْ قَبْلِ اَنْ نَّذِلَّ وَنَخْزٰى (پ ۱۶)

(باقی حاشیہ صفحہ ۵۵ پر دیکھو)

لَعَجَّلَ لَهُمُ الْعَذَابَ ۭ بَلْ لَّهُمْ مَّوْعِدٌ لَّنْ يَّجِدُوْا مِنْ دُوْنِهٖ

تو اُن پر جلدی سے عذاب بھیج دے۔ بلکہ اُن کے لئے ایک مقرر وقت ہے کہ نہ پائیں گے اُس سے ورے

مَوْىِٕلًا ۝۵۹ وَتِلْكَ الْقُرٰٓى اَهْلَكْنٰهُمْ لَمَّا ظَلَمُوْا وَجَعَلْنَا لِمَهْلِكِهِمْ مَّوْعِدًا

پناہ کی جگہ [۱۰۴] ۵۹ اور یہ بستیاں ہلاک کر دیا ہے اُن کو جب انہوں نے ظلم کیا اور مقرر کی تھی ہم نے اُن کی ہلاکت کیلئے

بقیہ حاشیہ [۱۰۳] نیز فرمایا وَلَوْلَآ اَنْ تُصِيْبَهُمْ مُّصِيْبَةٌۢ بِمَا قَدَّمَتْ اَيْدِيْهِمْ فَيَقُوْلُوْا رَبَّنَا
لَوْلَآ اَرْسَلْتَ اِلَيْنَا رَسُوْلًا فَنَتَّبِعَ اٰيٰتِكَ وَنَكُوْنَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ (ر ۲ قصص) اور اس جگہ سورت
کہف میں اپنی صفت مغفرت اور رحمت کا ذکر بتانے کے لئے کہا کہ یہ تاخیر محض تقاضائے رحمت سے ہے۔ کہ ہم غفور اور
رحیم ہیں اور اسم ربّ کو ک خطاب کی طرف جو ذاتِ اقدس آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے ہے اسلئے مضاف کیا۔ کہ مخالفین
کی کوشش آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تبلیغ کے مقابلہ میں تھی جسکا اشارہ اس سے پیشتر آیت [۸۵] لِيُدْحِضُوْا بِهِ الْحَقَّ میں پایا جاتا ہے۔ اس مخالفانہ مزاحمت سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو تکلیف پہنچتی تھی۔ اور آپ افسوس
کرتے تھے۔ کہ میں تو محض اُن کی خیر خواہی کیلئے اور وہ بھی بلا معاوضہ اُن کو برائیوں سے بچانے کے لئے اور وہ بھی دین
خدا کی تبلیغ کرتا ہوں۔ اور یہ لوگ الٹے میری مخالفت کر کے اُس حق کو جو خدا نے نازل کیا ہے مٹانا چاہتے ہیں۔ جیسا کہ اسی
سورت کے شروع [۱۰] میں آیت فَلَعَلَّكَ بَاخِعٌ نَّفْسَكَ میں گذر چکا ہے۔ اسلئے مناسب تھا کہ اپنی وسعتِ رحمت و
مغفرت کا ذکر کرتے وقت آنحضرت م کو مخاطب کر کے اپنی شانِ ربوبیت کو آپ کی طرف مضاف کیا جائے کہ اے حبیب ہم غفور و
رحیم ہیں اور آپ کو تو اسلئے رسول کیا ہے۔ کہ ہم تمام عالمین پر رحمت کریں۔ جیسا کہ فرمایا وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِيْنَ
(انبیاء پ ۱۷) تو جب ہم رحیم ہیں اور عالمین پر آپ ہماری رحمت کا موجب ہیں۔ تو ہماری اور آپ کی شان کے لائق یہی ہے۔ کہ
اِن لوگوں کے عذاب کرنے میں جلدی نہ کیجائے۔ بلکہ ان کو ڈھیل دیجائے۔ تاکہ جو توبہ کرنے والے ہوں وہ توبہ کا موقع پاسکیں
اور جو توبہ نہ کریں اُن پر حجت پوری ہو جائے۔ اسی لئے دوسری جگہ آنحضرت کو سب مشکلاتِ تبلیغ اور مصائب و اذیہائے منکرین پر
صبر کرنے اور اُن کے لئے عذاب مانگنے میں جلدی نہ کرنے کا حکم کیا۔ چنانچہ فرمایا:۔ فَاصْبِرْ كَمَا صَبَرَ اُولُوا الْعَزْمِ مِنَ الرُّسُلِ
وَلَا تَسْتَعْجِلْ لَّهُمْ (احقاف پ ۲۶) یعنی اے پیغمبر! پس صبر کر جس طرح صاحبانِ عزم رسولوں نے صبر کیا۔ اور اُن کے (عذاب کیلئے)
جلدی (کی دعا) نہ کر۔ نیز فرمایا فَاصْبِرْ لِحُكْمِ رَبِّكَ وَلَا تَكُنْ كَصَاحِبِ الْحُوْتِ (ن پ ۲۹)

[۱۰۴] لغات - مَوْىِٕلًا اسم ظرف ہے آلَ يَئُوْلُ اَوْلًا از باب قَالَ۔ بمعنی مرجعاً و ملجأً یرجعون الیہ و یلجئون
یعنی جائے پناہ جہاں پر جا کر پناہ پکڑ سکیں اور خدا کے عذاب سے بچ سکیں۔

[۱۰۵] اِس آیت میں گذشتہ ہلاک شدہ امتوں میں جو دستور برتا تھا اُسکا ذکر کیا ہے کہ ہماری سنتِ ستمرہ یہی ہے۔ کہ ہم ایک مقرر وقت
تک ہر ایک کو مہلت دیتے ہیں جب وہ مہلت ختم ہو جاتی ہے تو عذاب میں ایک لمحہ کی بھی تاخیر نہیں ہوتی ۱۲۔ اعاذنا اللہ منہ۔

وَاِذْ قَالَ مُوْسٰی ۱۸:۶۰

اور جب کہا موسیٰ ؑ نے

۱۸:۶۰

یہ قصہ یہاں کیوں ذکر کیا

سابقاً سورت کہف کے شانِ نزول کے ذکر میں صفحہ ۲ پر گذر چکا ہے کہ یہودیوں یا نصرانیوں کے سکھانے سے کفارِ قریش نے آنحضرت صلعم سے آزمائشی طور پر روح کی حقیقت۔ اصحابِ کہف۔ اور ذوالقرنین کا قصہ دریافت کیا۔ آنحضرتؐ نے خدا کی وحی سے سب سوالوں کا جواب باصواب دیا۔ لیکن اگر آپ اِن کے جواب نہ بھی بتاتے۔ تو آپؐ کی نبوت میں کوئی قدح واقع نہیں ہو سکتی تھی۔ کیونکہ علیمِ کل ہونا خدا کی شان ہے نہ کہ نبی کی۔ مخلوقات کا علم خواہ وہ فرشتہ ہو۔ خواہ نبی ہو۔ خواہ ولی ہو۔ خواہ دیگر قسم علومِ دُنیا کا عالم ہو۔ کُلّی نہیں ہوتا۔ چنانچہ فرمایا:-

وَلَا يُحِيْطُوْنَ بِشَيْءٍ مِّنْ عِلْمِهٖٓ اِلَّا بِمَا شَاۗءَ
(آیت الکرسی شروع پ ۳)

خدا تعالیٰ تو اُن کی اگلی اور پچھلی سب باتوں سے واقف ہے۔ لیکن یہ خدا کے علم میں سے کچھ بھی نہیں لے سکتے مگر اُسی قدر کہ وہ دینا چاہے۔

قریشیوں کو یہ سوالات سکھانے والے یہودی ہوں یا نصرانی۔ ہر دو فرقے حضرت موسےٰؑ کی نبوت کے قائل ہیں۔ حضرت موسیٰ کا یہ قصہ بیان کر کے یہودیوں، نصرانیوں اور قریشیوں ہر ۳ گروہوں کو سمجھایا۔ کہ جس طرح موسےٰؑ اِن اُمور کی حقیقت سے جو اُنکو حضرت خضرؑ سے پیش آئے تھے۔ ناواقف ہوتے ہوئے بھی نبی برحق تھے۔ اِسی طرح اگر محمد (صلے اللہ علیہ وسلم) بھی تمہارے پیش کردہ سوالوں کے جواب سے ناواقف ہوں۔ تو اُنکی نبوت میں بھی قدح واقع نہیں ہو سکتی (مستفاد از تفسیر کبیر)

تفصیلِ قصہ

حضرت موسےٰؑ جماعت بنی اسرائیل میں رونق افروز تھے۔ کہ ایک شخص نے آکر سوال کیا هَلْ تَعْلَمُ اَحَدًا اَعْلَمَ مِنْكَ کیا۔ آپ کو ایسا شخص معلوم ہے۔ جو علم میں آپ سے زیادہ ہو۔ قَالَ مُوْسٰی لَا، موسیٰؑ نے کہا نہیں۔ فَاَوْحَی اللّٰهُ اِلٰی مُوْسٰی بَلٰی عَبْدُنَا خَضِرٌ خداوند تعالےٰ نے موسیٰؑ کی طرف وحی کی کہ کیوں نہیں ہمارا بندہ خضر (تم سے زیادہ علم والا) ہے۔ فَسَاَلَ مُوْسٰی السَّبِيْلَ اِلَيْهِ یعنے موسیٰؑ علیہ السلام نے خدا تعالےٰ سے اُسکی (ملاقات کے لئے) راہ پوچھی۔[1]

اِسکے بعد وہ تفصیل ہے جو آگے مذکور ہوگی انشاءاللہ۔

[1] صحیح بخاری کتاب العلم، ۱۲ منہ

لِفَتٰىهُ لَآ اَبْرَحُ

اپنے خادم سے کہ میں نہیں ٹلونگا

فتاہ لِفَتٰىهُ یعنے اپنے خادم سے کہا۔ فتےٰ اصل میں نوعمر جوان کو کہتے ہیں جیسا کہ شروع سورت میں انہی اصحاب کہف کی نسبت فرمایا اِنَّهُمْ فِتْيَةٌ بصیغہ جمع کہ وہ چند نوجوان تھے لیکن محاورہ میں غلام مملوک اور خادم غیر مملوک پر بھی اسکا استعمال بہت ہی۔ لسان العرب میں ہے :۔

اَلْفَتَاءُ الشَّبَابُ وَالْفَتٰى وَالْفَتِيَّةُ اَلشَّابُّ وَالشَّابَّةُ

اَلْفَتَاءُ (بالهمزة) جوانی۔ اور اَلْفَتٰى جوان لڑکا اَلْفَتِيَّةُ جوان لڑکی۔

پھر اس کے بعد دور جاکر کہا ہے :۔

وَالْفَتٰى وَالْفَتَاةُ اَلْعَبْدُ وَالْاَمَةُ وَفِيْ حَدِيْثِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَنَّهُ قَالَ لَا يَقُوْلَنَّ اَحَدُكُمْ عَبْدِيْ وَاَمَتِيْ وَلٰكِنْ لِيَقُلْ فَتَايَ وَفَتَاتِيْ اَيْ غُلَامِيْ وَجَارِيَتِيْ۔ كَاَنَّهُ كَرِهَ الْعُبُوْدِيَّةَ لِغَيْرِ اللّٰهِ وَسَمَّى اللّٰهُ تَعَالٰى صَاحِبَ مُوْسٰى عَلَيْهِ السَّلَامُ الَّذِيْ صَحِبَهُ فِي الْبَحْرِ فَتَاهُ فَقَالَ تَعَالٰى وَاِذْ قَالَ مُوْسٰى لِفَتٰىهُ (الآية) قَالَ لِاَنَّهُ كَانَ يَخْدِمُهُ فِيْ سَفَرِهٖ وَدَلِيْلُهٗ قَوْلُهٗ اٰتِنَا غَدَآءَنَا۔

(لسان العرب جلد بستم زیر لفظ فتی)

اور الفتٰی اور الفتاۃُ۔ غلام اور لونڈی اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث میں ہے۔ کہ نہ کہے کوئی تم میں سے (اپنے غلام اور لونڈی کو) عَبْدِیْ اور اَمَتِیْ (کا لفظ) لیکن کہے فَتَایَ وَفَتَاتِیْ یعنے غلام اور لونڈی۔ گویا کہ آنحضرت صلعم نے عبودیت کی نسبت کو واسطے غیر اللہ کے برا جانا اور خدا تعالےٰ نے موسیٰ کے رفیق کو جو دریا میں آپ کا رفیق تھا۔ فَتَاہُ کہا ہے۔ چنانچہ فرمایا وَاِذْ قَالَ مُوْسٰى لِفَتٰىهُ تو ایسا اسلئے کہا :۔ کہ وہ سفر میں آپ کی خدمت کرتا تھا۔ اور اس بات کی دلیل موسیٰ کا یہ قول ہے۔ "دے ہمکو ہمارا دن کا کھانا"۔

اِس خادم کا کیا نام تھا؟ قرآن و حدیث میں نہیں بتایا گیا۔ کہ اُس کا کیا نام تھا۔ اور نہ اس کی ضرورت ہے۔ کیونکہ مقصود مضمون سے ہے۔ نہ کہ نام کی تعیین سے۔ لیکن جمہور مفسرین کا قول ہے۔ کہ وہ حضرت یوشع بن نون تھے، جو رشتہ میں حضرت موسےٰؑ کے بھانجے تھے۔ اور آپؑ کے بعد آپ کی خلافت میں نبی ہوئے۔ (ابن کثیر وغیرہ)

لَآ اَبْرَحُ فعلِ ناقص ہے۔ مع اپنے اسم ضمیر متکلم کے، اور خبر اُسکی محذوف ہے۔ یعنے اَسِیْرُ وغیرہ بدلیلِ امرِ سفر (کبیر)

حَتّٰٓی اَبْلُغَ مَجْمَعَ الْبَحْرَیْنِ ١٠٨ اَوْ اَمْضِیَ حُقُبًا ١٠٩ (٦١)

حتّٰے کہ پہنچ جاؤں میں مقام مجمع البحرین میں۔ یا گذار دوں گا میں زمانہ دراز ١٠٩

فَلَمَّا بَلَغَا مَجْمَعَ بَیْنِهِمَا ١١٠ نَسِیَا حُوْتَهُمَا ١١١

بیچ

پس جب وہ دونوں ان دو دریاؤں کے ملنے کی جگہ پہونچ گئے تو ان دونوں کو مچھلی کا ذکر فراموش ہوگیا

ف١٠٨ مَجْمَعَ الْبَحْرَیْنِ ۔ اَلْبَحْرَیْنِ۔ کا الف لام معہود ذہنی کا ہے جو ایسے اسم پر لایا جاتا ہے جو باوجود الفاظ میں غیر معین ہونے کے متکلم اور مخاطب کے درمیان معین و معلوم ہوتا ہو۔ جیسے اِذْ هُمَا فِی الْغَارِ (توبہ پ) یعنے جب وہ دونوں (آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابوبکر رض) اس (معہود و معلوم) غار میں تھے۔

خدا تعالیٰ نے اس مقام پر اس مجمع البحرین کے مقام کا نام نہیں لیا۔ کیونکہ یہ حکایت ہے موسیٰ ؑ کے کلام کی جو انہوں نے اپنے رفیق سفر سے کہا تھا اور وہ مجمع البحرین کو پہچانتے ہونگے۔ اس لئے نام لینے کی ضرورت نہ تھی۔ مفسرین نے اس مقام کی تعیین میں کئی ایک اقوال نقل کئے ہیں۔ لیکن جب نہ خدا تعالےٰ نے اس مقام کی تعیین کی۔ اور نہ اسکی وحی کے امین رسول کریم ؐ نے اس کا پتہ بتایا۔ اور پچھلی حکایتوں کیلئے ان دونوں کے سوا کوئی ذریعہ قابل وثوق نہیں ہے۔ تو اس مقام کی تعیین میں خامہ فرسائی کرنا بے سود ہے۔

ف١٠٩ حُقُبًا۔ لغت میں حقب زمانہ دراز کو یا زمانہ بمقدار اسّی سال یا اس سے زیادہ کو کہتے ہیں۔ قاموس میں ہے اَلْحُقُبُ بِالضَّمِّ وَبِضَمَّتَیْنِ ثَمَانُوْنَ سَنَةً اَوْ اَکْثَرُ ١٢ منہ حُقُب (ح کے ضمہ سے اور ح ق ہر دو کے ضمہ سے) اسّی سال یا اس سے زیادہ کو کہتے ہیں۔

ف١١٠ فَلَمَّا بَلَغَا مَجْمَعَ بَیْنِهِمَا مجمع البحرین تک پہنچنے میں کیا کیا واقعات پیش آئے؟ انکی تفصیل مقصود سے باہر ہے اسلئے انکا ذکر نہیں کیا۔ اور گذشتہ واقعات کے دہرانے اور حکایت کرنے میں قرآن مجید کا اسلوب بیان یہی ہے۔ کہ جن اجزائے قصہ کو مقصود سے تعلق ہوتا ہے۔ صرف وہی ذکر کئے جاتے ہیں۔ قصہ گو مصنفین کی طرح نہیں جو ضروری اور غیر ضروری اور مقصود اور غیر مقصود میں تمیز نہ کرتے ہوئے قصہ کو دلچسپ بنانے کیلئے زنجیر کی طرح تمام کڑیاں یکے بعد دیگرے پروتے چلے جاتے ہیں۔

ف١١١ نَسِیَا حُوْتَهُمَا۔ مراد تو یہ ہے کہ مچھلی کا ذکر بھول گئے۔ لیکن بیان یوں کیا گیا ہے۔ کہ مچھلی کو بھول گئے۔ وجہ یہ ہے کہ مچھلی اور مچھلی کا ذکر اور ان دونوں سے ذہول و نسیان ایک دوسرے کو لازم ہیں پس جب مختصر عبارت میں مطول کا فائدہ بلا کم و کاست حاصل ہو جاتا ہے۔ تو عبارت کو طویل کیوں کیا جائے۔ اور یہ امر بلاغت میں داخل ہے۔ مطول و مختصر بحث اقتباس دیکھو۔ اسجگہ نسیان کو دونوں کی طرف اسلئے منسوب کیا کہ حضرت یوشع جنہوں نے مچھلی کے زندہ ہونے اور پانی میں چلے جانے کا واقعہ چشم خود دیکھا تھا حضرت موسیٰ ؑ سے ذکر کرنا بھول گئے۔ کیونکہ اس واقعہ کے وقت حضرت موسیٰ ؑ حسب قول مفسرین سوئے ہوئے تھے جب جاگے تو حضرت یوشع ؑ کو ذکر کرنا یاد نہ رہا اور حضرت موسیٰ ؑ کو بھی خیال نہ آیا کہ کسی طرح بڑا اس مچھلی کا ذکر کرتے۔ اور اسکے جواب میں حضرت یوشع ؑ وہ قصہ سنا دیتے۔ جیسا کہ آئندہ تھوڑی دیر بعد ہوا۔ جو آگے مذکور ہے۔

فَاتَّخَذَ سَبِيلَهُ فِي الْبَحْرِ سَرَبًا (۶۲) ؁۱۱۱

پس بنا لیا اُس نے رستہ اپنا دریا میں ایک سرنگ کی طرح (۶۲) ؁۱۱۱

؁۱۱۱ سَرَبًا ۔ سَرَب سرنگ کو کہتے ہیں ۔ لسان العرب میں ہے اَلسَّرَبُ بِالتَّحْرِيْكِ اَلْمَسْلَكُ فِي خُفْيَةٍ ، حاصل مطلب یہ کہ وہ مچھلی پانی میں اسطرح چلی گئی جس طرح کوئی جانور سرنگ میں یا اپنی بِل میں چلا جاتا ہے ۔ چنانچہ صحیح بخاری میں ہے کہ عمرو بن دینارؒ (راوی) نے دونوں ہاتھ کے انگوٹھوں اور سبابتین یعنے اُن کیساتھ کی دونوں انگلیوں یعنے اِن چاروں انگلیوں کا حلقہ بنا کر بتایا کہ "یوں سرنگ بنگئی" اسی روایت میں ہے ۔ وَتَضَرَّبَ الْحُوْتُ حَتّٰى دَخَلَ الْبَحْرَ فَاَمْسَكَ اللّٰهُ عَنْهُ جَرْيَةَ الْبَحْرِ كَانَ اَثَرُهُ فِي الْحَجَرِ (صحیح بخاری کتاب التفسیر) یعنے وہ مچھلی پھڑکی اور دریا میں چلی گئی ۔ پس خدا تعالےٰ نے دریا کے پانی کو اُس (کے چلنے کی سوراخ) میں جاری ہونے سے روک دیا گویا کہ اُس کا نشان کسی پتھر میں ہو گیا ؟

زندگی کیا ہے ؟ ایک فیضان الٰہی ہے ، حضرت آدم علیہ السلام کے مٹی کے پتلے میں جان کا پڑجانا ۔ حضرت ابراہیمؑ کے چار جانوروں کا بعد ذبح کے پھر زندہ ہو جانا ۔ حضرت موسیٰؑ کے سونٹے کا سانپ بن جانا ۔ بنی اسرائیل کے مقتول کو گائے کا ٹکڑا چھونے سے اُس کا زندہ ہو جانا ۔ بنی اسرائیل کے ستر نمائندوں کا بجلی سے ہلاک ہوکر پھر زندہ ہو جانا حضرت عیسےٰؑ کے مٹی کے جانوروں میں جان کا پڑ جانا ۔ اور اُن کے معجزے سے دیگر مُردوں کا بھی زندہ ہو جانا اور آنحضرتؐ کے ستونِ حنانہ میں شعورِ انسانی کی کیفیت کا پیدا ہو جانا اور بالآخر اِس بھُنی ہوئی یا نمک لگائی ہوئی خشک مچھلی کا زندہ ہوکر پانی میں چلا جانا اور پانی میں انجمادی حالت کی طرح سوراخ کا بنجانا ۔ یہ سب کچھ قُلِ الرُّوْحُ مِنْ اَمْرِ رَبِّيْ کے کرشمے ہیں ۔ اور فیضان الٰہی کی مثالیں ہیں ۔ بیشک یہ مثالیں امورِ قدرت کو سطحی نظر سے دیکھنے والوں کے لئے عجوبہ کار ہیں لیکن ایک حقیقت شناس کیلئے اِنمیں کوئی بھی تعجب نہیں کیونکہ تعجب فعل پر نہیں ہوتا ۔ بلکہ فاعل کے لحاظ سے ہوتا ہے ایک کام کو ایک نہیں کرسکتا ۔ دوسرا کرسکتا ہے نہ کرسکنے والے کیطرف منسوب ہو تو جائے تعجب ہے اور کرسکنے والے کیطرف ہو تو کوئی تعجب نہیں ۔ پس اِن تمام امور میں بھی دیگر شئون میں دیکھنا چاہئے کہ یہ امور کس کیطرف ہیں اگر خدا قدیر کی طرف منسوب ہیں ۔ تو تعجب نہیں کرنا چاہئے کیونکہ زندگی کے متعلق جو چیز ہمارے علم اور روزمرہ کے مشاہدہ میں آرہی ہے وہ یہی ہے ۔ کہ بیجان ذرے ایک خاص ہیئات میں مجتمع ہوتے ہیں اور ایک بیجان جسم دھڑ بنجاتا ہے ۔ پھر اس دھڑ میں خدا کی طرف سے فیضانِ حیات ہوتا ہے تو وہ شے مدرک حساس اور متحرک بالارادہ وغیرہ اوصاف سے متصف ہو جاتی ہے اور ہم اُسے زندہ کہنے لگ جاتے ہیں بس ہمارے علم کی رسائی یہیں تک ہے ۔ کہ ہم ایسا ہوتا دیکھتے ہیں اس سے آگے کہ وہ روح (عام اس سے کہ نباتی ہو یا حیوانی یا انسانی) کہاں سے آتی ہے ؟ اور اُن بیجان اجزا میں کس طرح سرایت کرتی ہے ؟ یہ قدرت کا راز ہے ۔ جو قُلِ الرُّوْحُ مِنْ اَمْرِ رَبِّيْ وَمَآ اُوْتِيْتُمْ مِّنَ الْعِلْمِ اِلَّا قَلِيْلًا (بنی اسرائیل) کی تہ میں لپیٹ کر انسانی حواس و ادراک سے پوشیدہ رکھا گیا ہے ۔ جد انبیا حضرت ابراہیمؑ نے اِس راز کا انکشاف چاہا اور اس کیلئے درخواست بھی کی لیکن جواب ملا ۔ اَوَلَمْ تُؤْمِنْ جس کا اقرار انکو کلمہ بَلٰى سے کرنا پڑا ۔ آخر جب ابراہیمؑ نے وَلٰكِنْ لِّيَطْمَئِنَّ قَلْبِيْ کا عذر کیا تو چار جانور دلکو زندہ کرکے مشاہدہ کرا دیا لیکن رازِ حیات نہ بتایا ۔ اور حکم سنا دیا وَاعْلَمْ اَنَّ اللّٰهَ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ یعنے یقین رکھ کہ اللہ جو چاہے کرسکتا ہے ۔ لیکن کرتا وہ ہے جو مقتضائے حکمت ہوتا ہے بس ایمان کی راہ یہی ہے ۔ اِس سے زیادہ کرید کرنا دل اور دماغ کی خرابی کا نتیجہ ہے ۔ خواجہ حافظ شیرازیؒ فرماتے ہیں سے

م حدیث از مطرب و مے گو و راز دہر کمتر جو ۔ کہ کس نکشود و نکشاید بحکمت این معما را

فَلَمَّا جَاوَزَا قَالَ لِفَتٰىهُ اٰتِنَا غَدَآءَنَا لَقَدْ لَقِیْنَا مِنْ سَفَرِنَا هٰذَا نَصَبًا

جب وہاں سے آگے نکل گئے تو موسیٰؑ نے اپنے خادم سے کہا کہ دے ہمکو کھانا ہمارا تحقیق پہنچی ہے ہمکو ہمارے اس سفر سے تکان ٦٣

قَالَ اَرَءَیْتَ اِذْ اَوَیْنَاۤ اِلَى الصَّخْرَةِ فَاِنِّیْ نَسِیْتُ الْحُوْتَ وَمَاۤ اَنْسٰىنِیْهُ ۱۱۲

اس نے کہا کہ بھلا آپ نے دیکھا کہ جب ہمنے پتھر کے پاس آرام کیا تھا تو میں مچھلی کا ذکر بھول گیا۔ اور نہیں بھلائی مجھکو یہ بات

اِلَّا الشَّیْطٰنُ اَنْ اَذْكُرَهٗ وَاتَّخَذَ سَبِیْلَهٗ فِی الْبَحْرِ عَجَبًا ﴿٦٤﴾

مگر شیطان نے کہ ذکر کروں میں اسکا، اور پکڑا اس نے رستہ اپنا دریا میں عجب طرح سے ٦٤

۱۱۲ نَسِیْتُ الْحُوْتَ مچھلی کا بھولنا کہا اور مراد ہے مچھلی کے واقعہ کا بھول جانا۔ بدلیل اَنْ اَذْكُرَهٗ

۱۱۳ نَصَبًا نصب رنج اور تکلیف کو کہتے ہیں اور یہاں مراد تکان ہے مفسرین نے لکھا ہے کہ موسیٰؑ اس سے پیشتر کی منزلوں میں نہیں تھکے تھے بدلیل قوله مِنْ سَفَرِنَا هٰذَا (اس سفر سے یعنے آجکی منزل سفر سے) وجہ یہ معلوم ہوتی ہے (واللہ اعلم) کہ جبتک آدمی اپنی منزل مقصود تک نہیں پہنچتا۔ اسکی قوت ارادی قطع مسافت میں لگی رہتی ہے جب پہنچ جاتا ہے تو قدرۃً اسکی ہمت بیٹھ جاتی ہے اور طبیعت پر بوجھ پڑجاتا ہے۔ ایساہی موسیٰؑ کا حال ہوا کہ جب مقام مقصود سے آگے بڑھ گئے۔ اگرچہ نادانستہ بڑھ گئے تھے، تو انکی طبیعت پر بوجھ پڑا اور تکان محسوس ہونے لگی۔

۱۱۴ اَنْسٰىنِیْهُ یٰ ساکن کے بعد ہ ضمیر عموماً مکسور پڑھی جاتی ہے لیکن امام حفص نے اس مقام پر مِنْهُ کی طرح بالضم پڑھی ہے اسی طرح عَلَیْهِ میں بھی عموماً بالکسر پڑھی جاتی ہے۔ لیکن سورت اِنَّا فَتَحْنَا میں آیت بیعت میں امام حفص عَلَیْهُ بالضم پڑھتے ہیں۔ وجہ یہ ہے کہ دونوں طرح جائز ہے۔ بالضم بھی اور بالکسر بھی۔ لیکن خاص ان ہر دو مقام پر بالضم پڑھنے کی یہ وجہ ہے کہ بیعت کے وقت رسول اللہ کا ہاتھ اوپر ہوتا تھا۔ اور بیعت کرنیوالے کا نیچے، اسلئے مناسب حال ہ کا پیش سے پڑھا۔ نیز اسمیں لفظ اللہ کی تفخیم کی رعایت ہے کہ اس کے ماقبل ضمہ یا فتحہ ہو تو اس کے لام کو تفخیم سے یعنے پُر کرکے پڑھا جاتا ہے۔ اور اگر کسرہ ہو تو ترقیق سے یعنے نرم کرکے پڑھا جاتا ہے۔ اسلئے اس مقام پر تفخیم کو مناسب موقع وحالت ترجیح دی گئی ہے۔

اس بھول میں حکمت اگرچہ اس بھول کو شیطان کیطرف منسوب کیا گیا ہے کیونکہ اس بھول میں خدا کے دو صالح بندے رستہ چلتے ہوئے جس سے انکو تکان پہنچی اور شیطان خوش ہوا لیکن باطن میں اسمیں بھی خدا کی حکمت تھی کیونکہ خدا تعالےٰ نے مچھلی کے زندہ ہوجانے کی جگہ پر ملاقات ہونے کی خبر دی تھی لیکن وقت نہیں بتایا تھا جب وہ اس مقام پر پہنچ گئے۔ اور مچھلی زندہ ہوگئی۔ تو عین اسوقت حضرت خضرؑ اس مقام پر موجود نہ تھے اگر اسوقت حضرت موسیٰؑ کو مچھلی کا زندہ ہوجانا معلوم ہوجاتا اور حضرت خضر کو وہاں پر نہ پاتے۔ تو ان کے دل پر ایسا بوجھ پڑتا جو سفر کی تکان سے بہت بڑا ہوتا۔ اسلئے خدا کی حکمت کا تقاضا یہ ہوا کہ ان پر نسیان کو غالب کردیا۔ جب کچھ رستہ آگے چلے گئے۔ اور موسیٰؑ کو تکان کی وجہ سے بھوک محسوس ہوئی۔ تو انہوں نے اپنے خادم اور رفیق سے ناشتہ کی مچھلی مانگی۔ تو انہوں نے مچھلی کا دریا میں چلا جانا اور اسکا ذکر بھول جانا بیان کیا۔ تو موسیٰؑ الٹے پاؤں پھرے کیونکہ ملاقات کی جگہ وہی مقام بتایا گیا تھا۔ جہاں پر وہ ناشتہ کی مچھلی زندہ ہوجائے جیسا کہ صحیح بخاری میں حدیث ابن عباسؓ میں مرفوعاً مذکور ہے۔ قَالَ یَا رَبِّ فَكَیْفَ

قَالَ ذٰلِكَ مَا كُنَّا نَبْغِ ۖ[۱۱۵] فَارْتَدَّا عَلٰٓى اٰثَارِهِمَا قَصَصًا ﴿٦٥﴾ فَوَجَدَا

موسیٰؑ نے کہا یہی تو وہ مقام ہے جسے ہم تلاش کرتے تھے۔ تو وہ اپنے پاؤں کے نشان دیکھتے دیکھتے لوٹ گئے۔ (وہاں) انہوں نے

عَبْدًا مِّنْ عِبَادِنَآ[۱۱۶] اٰتَيْنٰهُ رَحْمَةً مِّنْ عِنْدِنَا وَعَلَّمْنٰهُ مِنْ لَّدُنَّا[۱۱۷]

ہمارے بندوں میں سے ایک بندہ دیکھا جس کو ہم نے اپنے ہاں سے رحمت (یعنی نبوت یا نعمت ولایت) دی تھی اور اپنے

عِلْمًا ﴿٦٦﴾ قَالَ لَهٗ مُوْسٰى هَلْ اَتَّبِعُكَ عَلٰٓى اَنْ تُعَلِّمَنِ مِمَّا عُلِّمْتَ رُشْدًا ﴿٦٧﴾

پاس سے علم بخشا تھا[۱۱۸] موسیٰ نے اُن سے (جنکا نام خضر تھا) کہا کہ جو علم (خدا کی طرف سے) آپ کو سکھایا گیا ہے اگر آپ اسمیں سے مجھے کچھ بھلائی (کی باتیں) سکھائیں تو میں آپ کے

[۱۱۵] نبغ اصل میں نَبْغِیْ تھا ی اخیر سے تخفیف تلفظ کیلئے خلافِ قیاس حذف کیگئی۔ قَصَصًا مصدر ہے بطور حال واقع ہوا ہے یا مفعول مطلق ہے اور ارْتَدَّا کا بوجہ ہم معنے ہونیکے کیونکہ قَصَص کے معنے ہیں اُلٹے پاؤں پھرنا قصہ کو قصہ اسی لئے کہتے ہیں کہ اس میں گذشتہ واقعہ کی صورت واقعی کو الفاظ کے لباس میں دُہرایا جاتا ہے۔ رُشْدًا تُعَلِّمَنِ کے متعلق ہو تو رُشد مرنے کیلئے ہوگی۔ کہ آپ مجھے رُشد سکھائیں۔ اگر عُلِّمْتَ کے متعلق ہو تو حضرت خضرؑ کیلئے ہے۔ کہ جو رُشد آپ کو خدا نے سکھائی ہے، حاصل دونوں کا ایک ہی ہے۔ کہ آپ مجھکو اُس رشد میں سے سکھائیں جو خدا نے آپ کو سکھائی ہے۔ اور مِمَّا یعنے "اُس میں سے" اسلئے کہا کہ شاگرد اُستاد سے اسکے علم کا بعض حصہ ہی سیکھتا ہے۔

[۱۱۶] عَبْدًا مِّنْ عِبَادِنَا اس سے مراد حضرت خضرؑ ہیں جیسا کہ شروع میں صحیح بخاری کی روایت سے مذکور ہو چکا ہے خضر کو بھی خدا تعالیٰ نے باوجود اس مرتبت کے عَبْد ہی کہا ہے۔ معلوم ہوا کہ مقامِ عبودیت خدا کے ہاں عزت کا مقام ہے۔ اور جب خصوصیت سے خدا کی طرف منسوب ہو تو اور بھی موجبِ عزت ہو جاتا ہے جیسے کہ یہاں مِنْ عِبَادِنَا فرمایا اور قرآن شریف میں مقبول بندوں کو عِبَادِی اور عباد اللہ اور عباد الرحمٰن اسی عزت کی وجہ سے کہا گیا ہے۔ پس جو لوگ آنحضرت صلعم کو عبد کہنے سے چڑتے ہیں اُنکی غلطی ہے ایسی ہی غلط فہمیوں سے نصاریٰ اور دیگر مشرک قوموں نے اپنے انبیاء اور اولیاء کو نسبت عبودیت سے اونچا سمجھکر اُن کو ابناء اللہ اور خدا کے اوتار اور کیا اور کیا قرار دے لیا۔ اُن سب کی تردید ایک ہی آیت سے کر دی۔ وَقَالُوا اتَّخَذَ الرَّحْمٰنُ وَلَدًا سُبْحٰنَهٗ ؕ بَلْ عِبَادٌ مُّكْرَمُوْنَ (انبیاء پ۱۷) یعنے یہ لوگ کہتے ہیں کہ خدا نے بعض کو اپنا متبنّٰی بنالیا ہے خدا اس سے پاک ہے۔ (ایسا ہرگز نہیں ہے) بلکہ وہ تو خدا کے ہاں عزت دیے گئے بندے ہیں۔

[۱۱۷] اٰتَيْنٰهُ رَحْمَةً مِّنْ عِنْدِنَا وَعَلَّمْنٰهُ مِنْ لَّدُنَّا عِلْمًا امام رازیؒ نے اس مقام پر کہا کہ مطلب یہ ہے کہ خدا تعالیٰ نے حضرت خضرؑ کو جو علم عطا فرمایا تھا وہ اُن کے کسب و محنت اور کسی دیگر بشر کی تعلیم و ارشاد کے واسطے سے نہ تھا۔ بلکہ براہ راست خدا تعالیٰ سے بغیر واسطے کے ملا تھا۔ اور جو علوم بطریق مکاشفات حاصل ہوں صوفیوں کے نزدیک اُنکو علوم لدنیہ کہتے ہیں۔ پھر یہ بھی ذکر کیا۔ کہ امام غزالیؒ نے علوم لدنیہ کے اثبات میں ایک مستقل رسالہ لکھا ہے پھر اس کے بعد امام رازیؒ نے کچھ تفصیلات بیان کی ہیں جو ہم بخوفِ طوالت بیان نہیں کر سکتے۔ جب علم لدنی قرآن سے ثابت ہے تو پھر تسلیم میں کیوں تردد ہو

قَالَ اِنَّكَ لَنْ تَسْتَطِيْعَ مَعِيَ صَبْرًا ۞ وَكَيْفَ تَصْبِرُ عَلٰى مَا لَمْ تُحِطْ بِهٖ خُبْرًا ۞ ٦٩

کہا تحقیق تو ہرگز نہ کر سکیگا ساتھ میرے صبر ۶۸ اور کسطرح صبر کریگا تو اُسپر جسکو نہیں گھیرا تو نے سمجھ سے ۶۹

۶۸-۶۹ **حل لغات**۔ خُبْرًا۔ خُبْر خ کے ضمہ سے گہری واقفیت کو اور خَبَر خ اور ب کی فتحہ سے سرسری واقفیت کو کہتے ہیں۔ چاہے ظاہر کے متعلق ہو چاہے باطن کے۔ عربی زبان کی ایک یہ خصوصیت ہے۔ کہ اس میں حروف و حرکات سے بھی الفاظ کے معنے لے لئے جاتے ہیں اور حرکات و حروف کے ثقل اور خفت کے مطابق معانی میں بھی ثقل و خفت پیدا ہو جاتی ہے مثلاً حَمل بالفتح خفیف بوجھ کو کہتے ہیں قرآن مجید میں ہے حَمَلَتْ حَمْلًا خَفِيْفًا (اعراف پ ۹ ع ۱۴) اور حِمل بالکسر ثقیل بوجھ کو کہتے ہیں۔ چنانچہ فرمایا:۔ وَاِنْ تَدْعُ مُثْقَلَةٌ اِلٰى حِمْلِهَا (فاطر پ ۲۲) نیز فرمایا وَسَآءَ لَهُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ حِمْلًا (طٰہٰ پ ۱۶) اسکی وجہ یہ ہے کہ اخف الحرکات یعنے سب سے ہلکی حرکت فتحہ ہے۔ اس سے ثقیل کسرہ اور سب سے ثقیل ضمہ ہے پس خفت والے کو خفیف حرکت دی اور ثقل والے کو ثقیل۔ پس خُبر بالضم اور خَبَر بالفتح میں بھی اسی طرح سمجھ لو۔ چونکہ خدا تعالےٰ کے تکوینی احکام کے راز نہایت گہرے ہوتے ہیں اور حضرت خضر ؑ کا علم انہی امور کے متعلق تھا۔ جیسا کہ ان شاء اللہ آیندہ مفصل ذکر کیا جائیگا۔ اسلئے اسجگہ خُبر بالضم کہا گیا۔ اور حضرت موسےٰ ؑ کے دوسرے ذکر میں جہاں پر وہ آگ کے لئے گئے۔ سرسری خبر اور پتہ کافی تھا۔ کیونکہ وہ ضرورت وقتی پر ایک محسوس شے کی نسبت تھا۔ اسلئے خَبَر بالفتح کہا گیا۔ چنانچہ فرمایا سَاٰتِيْكُمْ مِّنْهَا بِخَبَرٍ (نمل پ ۱۹)

سوال، خضر کو کسطرح معلوم ہو گیا۔ کہ حضرت موسےٰ ؑ کو اسرارِ تکوین کا علم حاصل نہیں ہے۔ اور نہ وہ حاصل کر سکنے پر صبر کر سکینگے۔

جواب۔ بس اس سوال کا جواب سمجھ لینے سے حضرت موسےٰ اور حضرت خضر علیہما السلام کے علم کا امتیاز سمجھ میں آجاتا ہے۔ اور اہل ظاہر اور اہل باطن کے جھگڑے ختم ہو جاتے ہیں۔ سردست مختصراً یہ جواب ہے کہ حضرت خضر ؑ کو خدا کی وحی سے علم تھا۔ کہ حضرت موسےٰ اس زمانہ کے **ہادیِ شریعت** ہیں۔ اور حضرت خضر ؑ اپنے علم اور حضرت موسیٰ ؑ کے علم کی نوعیت کے امتیاز کو بھی پہچانتے تھے۔ چنانچہ صحیح بخاری کی حدیث مرفوع میں ہے۔ کہ ملاقات کے وقت جب موسےٰ ؑ نے حضرت خضر کو بتایا۔ کہ میں موسےٰ ہوں۔ تو انہوں نے دریافت کیا موسیٰ بنی اسرائیل یعنے کیا تم ہی اسرائیلی موسےٰ ہو؟ حضرت موسےٰ نے کہا نَعَمْ اور جب خضر ؑ نے موسیٰ ؑ سے پوچھا کہ آپ کس غرض سے آئے ہیں۔ تو موسےٰ ؑ نے کہا کہ جو (مخصوص) علم خدا تعالےٰ نے آپ کو دیا ہے۔ اُس میں سے کچھ سیکھنے کیلئے آیا ہوں تو خضر ؑ نے کہا۔ کیا آپ کو کافی نہیں کہ توریت آپ کے ہاتھوں میں ہے۔ اور وحی آپ پر اترتی ہے۔ (صحیح بخاری کتاب التفسیر) اس سے معلوم ہوا کہ وہ حضرت موسےٰ ؑ کے نام سے اور اُن کے مرتبہ نبوت سے واقف تھے، ہاں اُنکی صورت سے آشنا نہ تھے خضر ؑ باوجود علم باطن سے بھی بہرہ یاب ہونے کے حضرت موسےٰ کو نہ پہچان سکے، اس سے معلوم ہوا کہ مخلوق کی شکل

حضرات موسیٰؑ اور خضر علیہما السلام کے علم میں امتیاز

علم کا حقیقی سرچشمہ ذاتِ الٰہی ہے۔ اور علم اسکی سات یا آٹھ ذاتی صفات میں سے ہے۔ خدا تعالےٰ نے آسمان و زمین کی مخلوق میں سے جس نوع کا اور جتنی مقدار کا علم جس کسی کیلئے چاہا۔ اسپر اُس نورِ علم میں سے افاضہ کر دیا۔ چنانچہ فرمایا: وَلَا يُحِيطُونَ بِشَيْءٍ مِّنْ عِلْمِهِ إِلَّا بِمَا شَاءَ (آیت الکرسی پ ۳) یعنے زمین و آسمان کی مخلوق میں سے کوئی بھی اُس (خدا) کے علم میں سے کچھ بھی گھیر نہیں سکتا مگر اُسیقدر جس قدر کہ وہ (خدا) چاہے۔

(۲) اِس صفتِ علم کے ماتحت خدا تعالےٰ زمین و آسمان کے درمیان دو قسم کے احکام نازل کرتا ہے۔ تشریعی اور تکوینی۔ تشریعی احکام بندوں کی اخلاقی و معاملتی اصلاح اور اُخروی سعادت و نجات کے متعلق ہیں۔ اور وہ انبیاء و رُسل کے ذریعے ظاہر ہوتے ہیں۔ اور تکوینی احکام تدبیر و انتظامِ عالم کے متعلق ہیں۔ آسمان و زمین اور اُنکی درمیانی اشیاء کے قدرتی انتظامات (نظام شمسی و قمری۔ اجرام فلکیہ کی تاثیر اور زمین کا اُن سے متاثر ہونا) اور سلسلۂ خلق و فنا کی وابستگی اسی قسم سے ہے۔ ایسی خدمات پر عموماً فرشتے مقرر ہیں۔

اور بعض خواص بنی آدم کو بھی اس خدمت پر مامور کیا جاتا ہے۔ ایک اُن میں سے حضرت خضرؑ بھی ہیں۔ پس موسےٰؑ کو بوجہ اُن کے نبی و رسول ہونے کے علم شریعت دیا گیا۔ اور خضرؑ کو بعض امورِ تکوینیہ سپرد کئے گئے۔ ہر دو کی نوعیت الگ الگ ہے۔ اور یہ امتیاز خود متن حدیث صحیح بخاری میں مرقوم ہے۔ کہ حضرت خضرؑ نے حضرت موسےٰؑ سے کہا:

يَا مُوسَى إِنِّي عَلَى عِلْمٍ مِّنْ عِلْمِ اللّٰهِ عَلَّمَنِيهِ لَا تَعْلَمُهُ أَنْتَ وَأَنْتَ عَلَى عِلْمٍ عَلَّمَكَهُ اللّٰهُ لَا أَعْلَمُهُ۔ (صحیح بخاری کتاب العلم مایستحب للعالم الخ)	اے موسیٰؑ میں خدا کے علم میں سے ایک علم پر ہوں جو اُسنے مجھے سکھایا۔ تو اُسے نہیں جانتا۔ اور تو بھی ایک علم پر ہے۔ جو اُسنے تجھے سکھایا۔ جسے (تفصیلاً) میں نہیں جانتا۔

ازالۂ مغالطہ یا غلط فہمی

بعض بے شرع فقیر اور بعض کم فہم نام کے صوفی مذاق مولوی حضرت خضرؑ اور حضرت موسےٰؑ کے اس قصے سے یہ سمجھتے ہیں کہ شریعت اور طریقت میں مطابقت و موافقت ضروری نہیں بلکہ انمیں کبھی باہم تخالف بھی ہو جاتا ہے۔ شریعت ظاہری علماء کے پاس ہے۔ اور طریقت فقراء کے پاس پھر اِس فاسد بنا پر کسی ایک نامشروع کا م عمل کو رواج دیکر عوام الناس کو ٹھگتے رہتے ہیں، بلکہ وہ اِس مغالطہ دہی میں اسقدر کامیاب ہو گئے ہیں کہ عوام کے ذہن میں یہ بات بمنزلہ حقیقت مسلّمہ کے مرکوز ہو چکی ہے۔ کہ واقعی طریقت شریعت کے تابع نہیں ہے۔ اور فقرا کے بعض افعال پر اہل شرع جو بھی اعتراض کرتے ہیں وہ سب نادرست ہیں۔ اور وہ اُنکی حقیقت سے قطعاً ناواقف ہیں۔ جیسے کہ حضرت موسےٰؑ نے شریعت کے رُو سے حضرت خضرؑ پر اعتراضات کئے لیکن اُن افعال کی حقیقت بالکل درست تھی۔

یہ امر کہ شریعت و طریقت میں مخالفت بھی ہو جاتی ہے۔ اور یہ کہ مخالفت کے وقت طریقت کے حق میں صحت و درستی کا فیصلہ ہے۔ اور یہ کہ حضرت موسےٰؑ اور حضرت خضرؑ کا قصہ اِس کی دلیل ہو سکتا ہے۔ سب کچھ نادرست ہے

بقیہ حاشیہ صہ ۵۴ ۔ اور مغالطہ یا غلط فہمی ہے۔ نہ شریعت و طریقت میں مخالفت ہو سکتی ہے۔ اور نہ کوئی طریقت شریعتِ انبیاء کی مخالفت کی صورت میں خدارسی کا ذریعہ یا ولایت کا کوئی رُتبہ ہو سکتی ہے۔ بلکہ وہ ایسی صورت میں زندقہ و بیدینی کا زینہ اور خدا تعالےٰ کے غضب و ناراضی کا موجب ہے۔ اور اس میں تمام صوفیا یک زبان ہیں شیخ علی ہجویری المعروف داتا گنج بخش صاحب لاہوری؟ مولٰنا روم صاحب رح سید عبدالقادر صاحب رح اور حضرت مجدد صاحب وغیرہم اکابر اولیاء اللہ کی تحریرات اس امر میں بیش از بیش ہیں، جنکا نقل کرنا موجب طوالت ہے، چنانچہ حضرت سید عبدالقادر جیلانی رح صوفی کی عملی زندگی کا طریقہ یوں فرماتے ہیں ”اعتقادِ صحیح کے بعد اُسپر لازم ہے۔ قرآن و حدیث کے ساتھ پنجہ مارنا اور اصولاً و فروعاً اُن کے امر و نہی پر عمل کرنا (غنیۃ صہ ۹۸۸ مترجم)

اور نہ حضرت موسیٰؑ اور حضرت خضر کا قصہ اس جنس سے ہے۔ کہ وہ اس بیدینی کی دلیل ہو سکے۔ بلکہ وہ شریعتِ عباد اور تکوینِ الٰہی کی جنس سے ہے۔ طریقت احکام شریعت کو خالص نیت سے ادا کرنے اور محرمات و شبہات سے پرہیز کرتے ہوئے اور اشغالِ دینویہ کو کم کر کے اپنے قلوب و اوقات کو اذکارِ الٰہی میں مصروف و معمور کرنے کی صورت میں ایک منزل ہے جس میں ترقی کرتے کرتے مومن نبوت کے نیچے ولایت کے بہت سے مدارج حاصل کر سکتا ہے پس ان ہر دو میں مخالفت ہرگز ہرگز نہیں ہو سکتی۔

علمِ طریقت حقیقت میں علمِ شریعت ہی کی ایک شاخ ہے۔ اور نوع اور اُسکی صنف (شاخ) میں مخالفت نہیں ہوتی۔ اور موسیٰؑ اور خضرؑ کے علوم کی نوعیت جدا جدا ہے۔ جیساکہ حدیث صحیح بخاری سے اوپر گزر چکا ہے پس مقابلہ تشریع اور تکوین کا ہے۔ نہ کہ شریعت و طریقت کا۔ فافہم و تدبر“

احکامِ شریعت اور احکامِ تکوین کا مقابلہ

اوپر گذر چکا ہے کہ احکامِ تکوین اور احکامِ تشریع ہر دو خدا تعالےٰ کے اختیار میں ہیں۔ چنانچہ فرمایا:- اَلَا لَهُ الْخَلْقُ وَالْاَمْرُ (اعراف پ ۸) یعنی لوگو! اُسی کا حق ہے خلق یعنے پیدائش اور امر یعنے مخلوق میں حکم جاری کرنا، یا عالمِ خلق یعنے عالمِ جسمانیات اور عالمِ امر یعنے روحانیات ہر دو اُسی (خداوند) کے اختیار میں ہیں“

اِس کے بعد معلوم ہو کہ امرِ تکوین خدا تعالےٰ کا اپنا قانون ہے۔ جس سے وہ عالم زیر و بالا کی تدبیر و نظام کرتا ہے۔ چنانچہ فرمایا یُدَبِّرُ الْاَمْرَ مِنَ السَّمَآءِ اِلَى الْاَرْضِ (آلم سجدہ پ ۲۱) یعنے آسمان سے زمین تک سب کام کی وہی تدبیر کرتا ہے۔ اور شریعت وہ قانون ہے۔ جو اس نے بندوں کے ذمہ اپنے اور بندوں کے حقوق کے لئے مقرر کیا ہے۔ اِس امتیاز کو نظر میں رکھتے ہوئے آپ سمجھ سکتے ہیں۔ کہ وہ دستور و قانون جو اُس نے اپنے متعلق رکھا ہے۔ اُس قانون کے تابع کس طرح ہو سکتا ہے۔ جو بندوں کی ذمہ داریوں کے متعلق ہے۔ انسان کا علم اپنی ذات میں سطحی ہے۔ وہ اپنی پیش افتادہ اشیاء کو دیکھتا ہے۔ اُسکی عقل کی رسائی اُنہی اشیاء تک محدود رہتی ہے۔ جو اُس کے گرد و پیش ہیں۔ اور اُسکا علم بھی اُسی حد تک رہتا ہے۔ جو اُس کے خالق نے اُس کے لئے کھینچدی ہے۔ اور وہ ہر امر کو علم کے اُسی میزان پر تولنا اور اُسی سانچے میں ڈھالنا چاہتا ہے جو خدا تعالےٰ نے اُسے سپرد کیا ہے۔ چونکہ خدا تعالےٰ کے انتظام و تدبیرِ عالم کے احکام بھی اُسکی نظر کے

سامنے کی اشیاء پر وارد ہوتے ہیں۔ جیسا کہ فرمایا۔ یَتَنَزَّلُ الْاَمْرُ بَیْنَهُنَّ (الطلاق پ۲۸) پس وہ اِسی فطری تقاضا اور روزمرہ کی مشق و پریکٹس سے اُن واقعات کو بھی سمجھنا چاہتا ہے جن کا تعلق انسان سے مطلقاً نہیں ہے۔ بلکہ وہ قدرت کے خاص ہاتھ کے کرشمے ہیں۔ کبھی تو وہ اُن واقعات کے علل و اسباب میں پڑ جاتا ہے۔ جو اُس نے اپنے ناقص تجربہ اور اُدھوری عقل سے سمجھ رکھے ہیں۔ اور کبھی وہ اُن پر اُس علم و قانون کے رُو سے رائے زنی کرتا ہے۔ جو خدا تعالے نے انسانوں کے لئے بنایا ہے۔ خدا تعالے کی خاص مہربانی ہو تو وہ اس منجدھار سے نکل جاتا ہے۔ ورنہ وہ اِس بحرِ ناپیدا کنار میں غوطے کھا کھا کر رہ جاتا ہے۔ ہم خواجہؒ کا یہ شعر اوپر لکھ آئے ہیں ؎

حدیث از مطرب و مے گو و رازِ دہر کمتر جو — کہ کس نکشود و نکشاید بحکمت ایں معمارا

یعنی اسرارِ قدرت کا معمّا انسانی حکمت و عقل سے حل نہیں ہو سکتا۔ بلکہ اُس کے لئے خاص فیضان کی ضرورت ہے عالمِ تکوین کے اسرار جو انسانی بس سے باہر ہیں۔ اُنکا کیا کہنا۔ ہم آپ کو اس تکوین کے متعلق قرآن شریف کی بلند نظری اور ژرف نگاہی کی ایک مثال بتلاتے ہیں جس میں انسان کی ہمت و تدبیر کو بھی قدرے قلیل کچھ دخل ہے لیکن قرآن شریف اِس میں بھی انسان کی زبان بندی کرنا چاہتا ہے۔ چنانچہ سورت واقعہ میں یکے بعد دیگرے انسان کی پیدائش، پانی اور آگ کا ذکر کر کے سمجھایا۔ کہ یہ سب قدرت کے کرشمے ہیں، انسانی عمل و تدبیر اور سلسلۂ اسباب کو اِن کے نتائج میں کوئی دخل نہیں۔ مثلاً انسان کی پیدائش عادۃً مرد عورت کے خصوصی ملاپ سے ہے۔ لیکن نطفے کا رحم میں قرار پکڑ جانا اور مختلف حالتیں بدلکر آخر کار انسانی شکل میں پیدا ہونا حکم خدا سے ہے۔ اِسی طرح کھیتی میں انسان کا کام اتنا ہی ہے۔ کہ زمین کو تیار کرے اور اُسمیں بیج ڈالے اور پانی سینچے۔ آگے اُس کا اُگنا اذنِ الٰہی سے ہے۔ انسان کی صنعت کو اسمیں دخل نہیں۔

اِسی طرح پانی جو ہم پیتے ہیں، بادلوں سے اُترتا ہے۔ لیکن اُسکا سارا سلسلہ امرِ الٰہی کے تابع ہے۔ اِسی طرح آگ جو ہم جلاتے ہیں۔ اِس کے درخت مرخ اور عفار[1] خدا کے اِذن سے اُگتے ہیں۔ اور اُن کی ہری ٹہنیوں میں آتشی مادہ کا ہونا قدرت کی کارسازی سے ہے۔

غرض عالمِ بالا و عالمِ زیرین اور اُن کے درمیانی فضا میں سب تکوین امرِ الٰہی سے ہے۔ اور اِسکے اسرار کا احاطہ انسان کی حدِ علم سے باہر ہے۔

رجوع بمقصد

بعض وقت تکوینی امر ایسی صورت میں ظاہر ہوتا ہے۔ کہ ہم اُس کے اسرار و اسباب سمجھنے سے عاجز رہجاتے ہیں اور بعض وقت اپنے عجز کو بھی نہ سمجھتے ہوئے اپنے علمِ تشریعی یا عقل کے میزان پر تولتے ہوئے ہم کہدیتے ہیں۔ کہ یہ امر یوں ہونا چاہئے تھا۔ لیکن اُسوقت ہم سخت غلطی میں ہوتے ہیں۔ کیونکہ علمِ تشریعی بندوں کے اُن اُمور کا میزان ہے۔ جو بندوں اور خدا کے درمیان ہیں۔

---

[1] مرخ اور عفار عرب میں دو درخت ہوتے ہیں ایک کی ٹہنی دوسرے پر رگڑنے سے اُنمیں سے آگ نکل پڑتی ہے پرانے وقتوں میں جب ماچس وغیرہ آگ اور روشنی کے دوسرے صنعتی اسباب بہت کم تھے۔ تو عرب کے لوگ سفر کی حالت میں اِسی سے آگ کے متعلق اپنی حاجت

یا جو بندوں کے آپس میں ہیں۔ چنانچہ فرمایا۔ لَقَدْ اَرْسَلْنَا رُسُلَنَا بِالْبَيِّنٰتِ وَاَنْزَلْنَا مَعَهُمُ الْكِتٰبَ وَالْمِيْزَانَ لِيَقُوْمَ النَّاسُ بِالْقِسْطِ (حدید پ۲۷) یعنے بیشک ہمنے اپنے رسولوں کو روشن دلائل کیساتھ بھیجا اور اُن کے ساتھ کتاب اور میزان بھی اُتاری۔ تاکہ لوگ عدل کے ساتھ قائم رہیں۔ اور اِس علم کو خدا تعالے کے اُس قانون میں کچھ بھی دخل نہیں جو خدا تعالے نے تکوین و تدبیر عالم کے متعلق اپنے لئے رکھا ہے۔ پس جو قانون بندوں کیلئے ہے اُسے اُسجگہ نہیں لگانا چاہیئے۔ جو اُن کے لئے نہیں بلکہ خاص خدا کیلئے ہے سو اِسی طرح خضر علیہ السّلام کے واقعات امرِ تکوینی کے ماتحت تھے اور موسےٰ ؑ نے اُنکی جانچ اپنے علم تشریعی کے میزان پر کرنی چاہی جو درست نہیں تھی؟

اِس تشریح سے صاف ظاہر ہو گیا۔ کہ خضر علیہ السلام کا علم اَور نوعیت کا تھا۔ اور موسےٰ ؑ کا علم دیگر نوعیت کا تھا۔ حضرت خضر علیہ السلام حضرت موسےٰ ؑ کو یہی بات کہہ رہے ہیں کہ تم اُس علم پر ہو جو تمکو خدا نے سکھایا اور مجھے نہیں سکھایا۔ اور میں ایسے علم پر ہوں۔ جو اُس نے مجھے سکھایا اور تمکو نہیں سکھایا۔ جیسا کہ حدیث صحیح سے گذر چکا۔ پس دو جداجدا انواع کی چیزوں میں مطابقت کرنے کیلئے دماغ سوزی کی تکلیف نہیں اُٹھانی چاہیئے۔ فافہم وتدبر

قَالَ سَتَجِدُنِيْٓ اِنْ شَآءَ اللّٰهُ صَابِرًا وَّلَآ اَعْصِيْ لَكَ اَمْرًا (۷۰)

(موسےٰ ؑ نے) کہا ضرور پائیگا تو مجھے اگر خدا نے چاہا صبر کرنے والا اور نہیں خلاف کرونگا میں تیرے کسی حکم کے

۱۱۹ اِعراب، لَآ اَعْصِيْ کا عطف غَیْرَ عَاصٍ کے معنے میں ہو کر وصفِ سلبی کی صورت میں صابرًا پر ہے جس میں وصف ثبوتی ہے۔ تفصیل آگے آئیگی دانش، اَمْرًا کی تنوین تنکیر کیلئے ہے۔ یعنے کسی امر میں بھی اِسکی تفصیل بھی آگے آئیگی۔ دانش)

۱۲۰ سَتَجِدُنِيْ، سین فعل مضارع پر تاکید مستقبل کے لئے آتا ہے۔[۱] موسےٰ ؑ نے اپنے صابر رہنے کو تاکیدی الفاظ میں اسلئے ذکر کیا کہ حضرت خضر ؑ نے بھی اُن کو اِنَّكَ لَنْ تَسْتَطِيْعَ مَعِيَ صَبْرًا تاکیدی الفاظ میں کہا تھا پس تاکید کے مقابلہ میں تاکید ضروری ہوئی (مختصر المعانی) نیز اسلئے کہ صبر حوصلہ سے ہوتا ہے۔ اور حوصلہ نبوت کے ساتھ لازم ہے۔ موسےٰ ؑ نبی اللہ ہیں۔ اُن میں حوصلہ ضروری ہے۔ نیز اسلئے کہ عطائے نبوت کے وقت موسےٰ ؑ نے دُعا کی تھی رَبِّ اشْرَحْ لِيْ صَدْرِيْ (طٰہٰ پ۱۶) یعنے خداوندا! میرا سینہ کھولدے۔ اور اُن کی یہ دُعا قبول ہو گئی تھی قَالَ قَدْ اُوْتِيْتَ سُؤْلَكَ يٰمُوْسٰى یعنے خدا تعالیٰ نے جواب دیا۔ اے موسےٰ تیری درخواست منظور ہو گئی ہے اور شرح صدر میں وسعتِ حوصلہ بھی داخل ہے۔[۲] نیز اسلئے کہ علم بلکہ ہر فن میں کمال حاصل

(بقیہ صفحہ آئندہ)

[۱] تفسیر سراج منیر زیر ہمیں آیت۔ نیز کشاف زیر آیت فَسَيَكْفِيْكَهُمُ اللّٰهُ (پ۱) ۱۲ منہ۔ [۲] مستفاد از تفسیر عزیزی۔ در تفسیر سورت اَلَمْ نَشْرَحْ ۱۲ منہ

کرنے کیلئے حوصلہ ضروری ہے۔ چنانچہ یہ شعر حضرت علی رضہ کے کہے جاتے ہیں:۔

أَلَا لَا تَنَالُ الْعِلْمَ إِلَّا بِسِتَّةٍ ... سَأُنْبِيكَ عَنْ مَجْمُوعِهَا بِبَيَانٍ
ذَكَاءٍ وَحِرْصٍ وَاصْطِبَارٍ وَبُلْغَةٍ ... وَإِرْشَادِ أُسْتَاذٍ وَطُولِ زَمَانٍ

یعنے آگاہ رہ! کہ تو علم کو حاصل نہیں کرسکیگا۔ مگر چھ چیزوں کے ساتھ۔ میں تجھے انکا مجموعہ مفصل بتاتا ہوں۔ ذہن کی صفائی اور تیزی، اور شوق وحرص۔ اور صبر اور سامان کا میسر آنا۔ اور (لائق) اُستاد کا سبق پڑھانا۔ اور درازی زمانہ۔ پس موسٰےؑ نبی ہوکر اس امر کو بخوبی پہچانتے تھے۔ کہ علم میں کمال حاصل کرنے کے لئے صبر و حوصلہ ضروری ہے۔ اور مجھے اپنا مقصد حاصل کرنے کے لئے بالضرور کرنا پڑیگا۔

۱۲؎ إِنْ شَاءَ اللّٰهُ، پھر حضرت موسٰےؑ باوجود ان سب مذکورہ بالا امروں کے عملی حالت میں باحوصلے رہنے کو خدا کی توفیق سے مُعلق کرتے ہیں۔ اور یہ کمال معرفت ہے۔ کیونکہ علم (ادراک وحقیقت شناسی) ابتدائی درجہ ہے۔ اور اُسمیں کمال عمل سے ہوتا ہے۔ اور عمل کو متواتر رکھنے کیلئے استقامت ضروری ہے۔ اور اسی استقامت کا دوسرا نام صبر و حوصلہ بھی ہے۔ اور عملیات میں استقامت بغیر خدا کی توفیق کے حاصل نہیں ہوسکتی۔

فائدہ زائدہ اِس مقام پر مشیت کے موقع پر ہم بار بار توفیق کا لفظ اسلئے ذکر کررہے ہیں کہ خدا تعالےٰ کی مشیت ہر امر سے متعلق ہوتی ہے۔ نیک سے بھی اور بُرے سے بھی نیک امر سے متعلق ہو تو اُسے توفیق کہتے ہیں۔ اور ایسا ہم سیکھنا جس کا فیضان خاص ذاتِ خداوندی سے ہو سراسر نیکی ہے۔ پس اسمیں کامیابی کو جس کی چابی صبر و استقامت ہے خدا کی توفیق سے معلق کرنا عین معرفت ہے۔

رجوع بمطلب

دیگر وجہ انشاءاللہ کہنے کی یہ ہے۔ کہ جب سَتَجِدُنِي استقبال کا صیغہ ہے۔ تو اِس کے معنے یہ ہیں کہ صبر کا تحقق زمان مستقبل میں پایا جائیگا۔ اور زمانِ آئندہ کے عملیات کے متعلق حق جل وعلا فرماتے ہیں۔ وَمَا تَدْرِي نَفْسٌ مَّاذَا تَكْسِبُ غَدًا (لقمان پ ۲۱) یعنے کسی جان کو اس بات کا علم نہیں ہے۔ کہ وُہ کل کونسا کام کریگی۔ پس لازم[۵]

۵؎ آیندہ کی تجویں سوچنا اور اُن کے لئے ذہن میں پروگرام بنانا اِس میں داخل نہیں ہے۔ بلکہ مطلب یہ ہے کہ ہر جان جس کام کا پروگرام بناتی ہے۔ اُسے علم نہیں کہ میں عملی طور پر کرکے بھی لونگی۔ کیونکہ بسا اوقات ارادہ ٹوٹ جاتا ہے۔ اور پروگرام بدلجاتا ہے۔ بعض اوقات اُسمیں روکاوٹ پیدا ہوجاتی ہے۔ بعض وقت باوجود پوری سعی وکوشش کے مقصد ہاتھ میں نہیں آتا۔ اور بعض وقت دلکی دل ہی میں رہ جاتی ہے۔ اور یہاں سے روانگی کی گھنٹی بج جاتی ہے۔ اِسی معنے میں عربی شاعر نے کہا ہے ؎

مَا كُلُّ مَا يَتَمَنَّى الْمَرْءُ يُدْرِكُهُ ... تَجْرِي الرِّيَاحُ بِمَا لَا تَشْتَهِي السُّفُنُ

یعنے انسان کو اُسکی ہر ایک تمنا حاصل نہیں ہوجاتی۔ کیونکہ بعض وقت مخالف ہوائیں بھی چل پڑتی ہیں۔ جو کشتیوں کے مناسب حال نہیں ہوتیں۔ اِس تفصیل سے واضح ہوگیا کہ حضرت موسٰےؑ کیلئے نہایت ضروری تھا کہ

کہ آپ اُس صبر کا تحقق جو اُن کے ذہن میں تھا۔ خدا کی مشیت سے وابستہ کرتے، اسی لئے اسی سورت میں آنحضرت ص کو ارشاد ہوا ہے:۔

وَلَا تَقُولَنَّ لِشَايْءٍ إِنِّي فَاعِلٌ ذَٰلِكَ غَدًا إِلَّا أَن يَشَاءَ اللَّهُ (کہف ۱۵ پ)

اور اے پیغمبر! کسی شئ کی بابت یہ ہرگز نہ کہنا کہ میں اسے کل کرنے والا ہوں۔ مگر یہ کہ چاہے اللہ،

نوٹ۔ اس آیت کی تفسیر اسی کتاب میں ص۲۲ پر دیکھئے ۱۲ منہ

ص۱۲۲ وَلَا أَعْصِي۔ سورت میں مضارع منفی ہے۔ اور اس کا عطف صَابِرًا پر ہے۔ حالانکہ صابرًا اسم ہے۔ وجہ اسکی یہ ہے کہ لفظ مضارع کے معنے ہیں مُشَابِہ اور اس کے صیغہ کو مضارع اسلئے کہتے ہیں۔ کہ اسے اسم فاعل سے مشابہت ہوتی ہے[۱] پس لَا أَعْصِي کے معنے ہوئے غَيْرَ عَاصٍ۔ پس لفظاً اسم فاعل پر معناً اسم فاعل کا عطف پڑا۔ اور صَابِرًا میں عملی حالت کا وصف ثبوتی ذکر کیا۔ کہ آپ مجھ میں صفت صبر کی ضرور پائینگے۔ اور چونکہ اُستاد کے ارشاد کے خلاف چلنا صبر و استقامت کے خلاف ہے۔ اِسلئے وصفِ سلبی یعنے غَيْرَ عَاصٍ سے بتلا دیا کہ آپ مجھ میں یہ عیب عصیان نہیں پائینگے۔ اور بعض ائمہ نحو نے وَلَا أَعْصِي کا عطف سَتَجِدُنِي پر بھی ڈالا ہے۔ پس فعل کا عطف فعل ہی پر پڑا (کشاف)

ص۱۲۲ أَمْرًا۔ ہر چند کہ أَمْرًا کو نکرہ ذکر کیا ہے۔ اور موسےٰ ع نے اِسکے ساتھ کوئی قید یا صفت یا شرط نہیں لگائی۔ یعنے یہ نہیں کہا کہ آپ کے ارشاد کے خلاف نہیں کرونگا۔ بشرطیکہ آپ کا ارشاد ایسا ایسا ہو۔ یا ایسا ایسا نہ ہو۔ لیکن پھر بھی یہ اقرار موافقتِ شرع کی شرط سے مشروط تھا۔ کیونکہ موسےٰ ع نبی ہیں۔ اور نبی اللہ، کوئی اقرار اس شرط کے بغیر نہیں کر سکتا۔ پس یہ اقرار نکرہ ہو کر بھی موافقتِ قانونِ شرع کی قید سے مقید سمجھا جائیگا۔ جیسے کہ جملہ معاہدات کی تکمیل اور عدالت میں اُن کی سماعت کیلئے موافقتِ قانون شاہی ضروری ہے۔ اِسی بنا پر آنحضرت ص نے فرمایا كُلُّ شَرْطٍ لَيْسَ فِي كِتَابِ اللَّهِ فَهُوَ بَاطِلٌ (مسلم) یعنے ہر شرط جو کتاب اللہ میں نہیں ہے۔ وہ باطل ہے۔ نیز فرمایا: اَلصُّلْحُ جَائِزٌ بَيْنَ الْمُسْلِمِينَ إِلَّا صُلْحًا حَرَّمَ حَلَالًا أَوْ أَحَلَّ حَرَامًا۔[۲] یعنے مسلمانوں میں صلح جائز ہے۔ مگر وہ صلح جس سے حلال حرام ہو جائے۔ یا حرام حلال ہو جائے۔ نیز فرمایا:۔ المسلمون علیٰ شروطهم الا شرطا حرم حلالا او احل حراما[۲] یعنے مسلمانوں کو اپنی شروط مقررہ پر قائم رہنا چاہئے۔ سوائے اُس شرط کے کہ جس سے حلال حرام ہو جائے یا حرام حلال ہو جائے۔ نیز فرمایا لا طاعة لمخلوق فی معصية الخالق (کنوز الحقائق بروایت احمد)۔ یعنے جس کام میں خالق کی نافرمانی ہے۔ اُس میں مخلوق کی اطاعت نہیں ہے (کا)

[۱] رضی شرح کافیہ مطبوعہ ہند ص۴۰۶ ۱۲ منہ، [۲] یہ دونوں حدیثیں بروایت ترمذی منتقی ص۴۹۰ میں موجود ہیں ۱۲ منہ

الغرض انسان کا فقط بندگی فرض یہی ہے۔ کہ اُس کے خالق و پروردگار نے اپنے انبیاء ع کی معرفت جو قانون اُس کے لئے مقرر کردیا ہے۔ اُسکی زندگی اُس کی ماتحتی میں گزرے + پس ایک مسلمان کے جملہ عہود خواہ وہ سلطانِ وقت سے ہوں۔ خواہ کسی قوم سے۔ خواہ پیر اُستاد سے۔ سب اِسی قانون کی ماتحتی میں ہونے ضروری ہیں۔ چنانچہ تفسیر **سراج منیر** میں اسی آیت سَتَجِدُنِیْ الخ کے ذیل میں لفظ صَابِرًا کے بعد لکھا ہے۔ عَلٰی مَا یَجُوْزُ شَرْعًا یعنے تم اُس امر میں صابر ثابت ہونگا جسپر صبر کرنا شرعاً جائز ہوگا۔ نیز وَلَآ اَعْصِیْ لَکَ اَمْرًا کے بعد لکھا ہے۔ تَاْمُرُنِیْ بِہٖ غَیْرَ مُخَالِفٍ لِظَاھِرِ اَمْرِ اللّٰہِ تَعَالٰی یعنے میں آپ کے ایسے امر میں نافرمانی نہیں کرونگا۔ جو خدا کے ظاہر امر کے خلاف نہ ہوگا۔

۱۲۴ **سوال** خضرؑ بموجب ایک قول کے نبیؑ تھے۔ یا کم از کم صاحبِ الہام ولی تھے۔ اُن کے علم کو خدا تعالےٰ اپنا سکھایا ہوا فرماتا ہے۔ اور وہ خود اپنے کاموں کو خدا کے حکم سے تعبیر کرتے ہیں[1] تو اُن کے ارشاد کی تعمیل میں کوئی زائد شرط کیسے لگ سکتی ہے؟ نیز اُن میں اور موسےٰؑ کے احکام میں مخالفت کیسی ہوسکتی ہے؟

اِس کا جواب یہ ہے۔ کہ ایسے دو حکموں میں اگر مخالفت پائی جائے تو صرف بظاہر ہوگی۔ نہ کہ حقیقۃً اور واقعاً اور اُسکی بنا اجتہاد پر ہوگی۔ نہ کہ وحی الٰہی پر۔ اور فہم و اجتہاد میں حضرات انبیاءؑ سے بھی خطا ہو جاتی ہے پس موسیٰؑ کا انکار و اعتراض فہم کی بنا پر تھا کہ آپ کو خضرؑ کے کام بظاہر خلاف نظر آئے۔

آداب المرید والتلمیذ لَآ اَعْصِیْ لَکَ اَمْرًا سے صاف ظاہر ہے کہ علم و ہدایت حاصل کرنے میں شیخ کی نافرمانی نہ کیجائے۔ اِس تصوّر کے ساتھ لازم ہے۔ کہ دل پر شیخ کی عظمت و وقار کا سکّہ جمایا جائے ہر چند کہ یہ امر علم ظاہری و باطنی بلکہ ہر کسب و ہنر میں بھی ضروری ہے۔ لیکن **سلوک و تصوّف** میں تو شیخ کی نافرمانی نہایت نازک و خطرناک صورت پکڑ لیتی ہے۔ اسے ہم ذرہ وضاحت سے بیان کرتے ہیں۔

ایک شاگرد نے اپنے اُستاد سے ظاہری علم یا کوئی معاشی ہنر سیکھنا شروع کیا۔ سیکھنے کے زمانے میں وہ اپنے اُستاد کی اُن ہدایات پر عمل کرتا رہا۔ جو اُس علم یا ہنر کے متعلق تھیں لیکن اُستاد کے ساتھ قلبی اُنس و محبت اور عقیدت و ارادت پیدا نہیں کی۔ یا اُسکی نسبت بد باطن رہا۔ اور ظاہر نہیں ہونے دیا۔ تو اس شاگرد کی بے اُنسی اور بد باطنی اُس کے ظاہری سبق یا کسب میں سدِّ راہ نہیں ہو جاتی۔ وہ بہر حال اُن شروط کی رعایت سے جو اُس فن میں کمال حاصل کرنے کیلئے ضروری ہیں کمال حاصل کر ہی لیگا۔ پھر علم و ہنر حاصل کر چکنے کے بعد اگر وہ اُستاد کا

---

[1] وہ خود کہتے ہیں وَمَا فَعَلْتُہٗ عَنْ اَمْرِیْ (کہف ع۱۰) یعنے میں نے یہ کام از خود نہیں کیا۔ جسکے معنے اُن کے منصب کو ملحوظ رکھتے ہوئے یہی ہیں کہ مینے یہ کام بحکم خدا کیا ہے۔ چنانچہ تفسیر سراج منیر میں اسی آیت کے ذیل میں لکھا ہے۔ بَلْ بِاَمْرِ مَنْ لَّہُ الْاَمْرُ وَھُوَ اللّٰہُ تَعَالٰی ۱۲ منہ

مخالف ہوگیا۔ اور اسے ایذا پہنچانے لگا۔ تو سیکھا ہوا علم و ہنر اُسے بھول نہیں جائیگا کیونکہ ظاہری علم کی تعلیم لفظوں اور آوازوں اور نقشوں کے ذریعہ سے اور دستکاری کی تعلیم آلات سے کرائی جاتی ہے جنہیں قلبی شیشے کی صفائی کی ضرورت نہیں، صرف ذہن و حافظہ کی ضرورت ہے۔ جب علم اُن میں سما گیا۔ تو محض اُستاد کی مخالفت کی وجہ سے ذہن اور حافظہ سے نکل نہیں جاتا۔ لیکن **علم باطن** یا علم سلوک و تصوف کی درسگاہ کا ڈھنگ اور ہی ہے یہاں الفاظ و آلات کی بجائے **قلبی شعاعوں** سے تعلیم دیجاتی ہے۔ جسکے لئے طالب و مرید کے قلبی شیشے کی صفائی کی ازحد ضرورت ہے۔ اور جملہ ریاضات و مجاہدات و عبادات اُس شیشے کو نفسانی کدورتوں اور غبار دل سے صاف کرنے کے لئے کرائی جاتی ہے۔

شیخ علی مہائمی رح اپنی تفسیر تبصیر الرحمٰن میں جو صوفیانہ مذاق پر لکھی گئی ہے (فَلَا تَسْئَلْنِیْ عَنْ شَیْءٍ) کے ذیل میں فرماتے ہیں۔

فَهٰذَا الْعِلْمُ لَيْسَ بِطَرِيْقِ السُّوَالِ وَالْجَوَابِ بَلْ بِطَرِيْقِ الْفَيْضِ	پس یہ علم بطریق سوال و جواب نہیں، بلکہ بطریق فیض حاصل کیا جاتا ہے

اور اس سے آگے حَتّٰی اُحْدِثَ لَکَ میں لکھتے ہیں:۔

فِیْ قَلْبِكَ بِطَرِيْقِ الْفَيْضِ وَلَوْ مَعَ اللِّسَانِ یعنے (مجھ سے نہ پوچھنا حتےٰ کہ میں خود پیدا کردوں تیرے دل میں بطریق فیض خواہ وہ فیض بذریعہ زبان ہو)

اور آنحضرتؐ کی نسبت سورت جمعہ میں يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِهٖ اور يُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ کے درمیان یعنے تبلیغ و تلاوت قرآن اور تعلیم قرآن و حکمت کے درمیان وَيُزَكِّيْهِمْ جو فرمایا تو مراد اس سے اِسی فیض روحانی سے تزکیہ کرنا ہے۔ اور اس تزکیہ میں علمی و عملی، اخلاقی، و اعتقادی اور **قلبی** سب قسم کی کدورتوں سے پاک صاف کرنا ملحوظ ہے۔ ؎۲ (اس سے آگے صفحہ ۶۲ پر دیکھو)۔

؎۲ چنانچہ تفسیر سراج منیر میں اس آیت کے ذیل میں لکھا ہے:۔

"وَیُزَکِّیْهِمْ یعنے یہ نبی امّی پاک کرتا ہے۔ اُن کو شرک اور رذیلے اخلاق اور ٹیڑھے عقائد سے اور آنحضرتؐ کا یہ تزکیہ اپنی حیات طیبہ میں اُن (لوگوں) کی طرف (توجہ قلبی سے) نظر کرنے اور اُنکو علم دین سکھانے اور اُن پر قرآن شریف تلاوت کرنے سے تھا۔ پس کبھی ایسا بھی ہوتا کہ آپ کسی انسان کی طرف نظرِ محبت سے دیکھتے تو اللہ تعٰ اسکی قابلیتوں کے اور اُن امور کے مطابق جنکی نسبت خدا تعالےٰ نے عالمِ قضا و قدر میں مقرر کر رکھا ہے۔ کہ وہ عالم اسباب میں مہیا ہوں۔ اُس شخص (کے باطن) کا تزکیہ کر دیتا۔ پس وہ آپ کا نہایت درجہ کا (جان نثار) عاشق اور آپ کی اِتباع کو خوب طرح سے لازم پکڑنے والا اور خدا کی کتاب (قرآن شریف) اور آپ کی سنت میں نہایت درجہ کا راسخ و پختہ ہو جاتا۔ انتہٰی مترجماً) ۱۲ منہ ؎۵ جس طرح کہ بعض شاگرد باوجود ہر طرح کی شفقت کے نافرمان ہو گئے ہیں۔ واللہ ولی السواء ۱۲ منہ

پس جب یہ حال ہے کہ فیض باطنی کیلئے مرید کے قلبی شیشے کی صفائی نہایت ضروری ہے۔ تو شیخ طریقت کیساتھ قلبی عقیدت کے بغیر خصوصًا بد باطنی کی کدورت سے ملوث ہوتے ہوئے شیخ کے سینے کے انوار اُس کے شیشے پر کس طرح منعکس ہونگے اور اگر زمانۂ تحصیلِ فیض میں اُسکا شیشۂ عقیدت صاف رہا، اور اُس نے کمال حاصل کر بھی لیا۔ لیکن بعد ازاں شیخ سے بدعقیدہ ہوگیا۔ یا بے ادب وموذی ہوگیا۔ تو اس صورت میں بھی اُسکا قلبی نور بجھ جائیگا۔ کیونکہ وہاں تو شیخ کے انوار کا انعکاس تھا۔ جب شیخ سے اُسکی عقیدت ٹوٹ گئی۔ تو اب نور کہاں سے آئے۔ اِسکی مثال یہ ہے کہ جب بلب کی تار فیوز ( ) ہوجائے۔ یا اُس کا کانیکیشن ( ) پچھلی تار سے کٹ جائے جس کے ذریعے اُسے پاور ہوس ( ) سے روشنی آتی تھی تو اُس بلب میں روشنی نہیں آسکتی۔ پس بلب تو مرید کا دل ہے اور وائرنگ مرشد و شیخ ہے جس کا تعلق ( ) خزانۂ روشنی آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذاتِ اقدس کو حق تعالےٰ نے سِرَاجًا مُّنِیْرًا[1] بنایا۔ پس وہاں سے روشنی آنے کے لئے دو چیزوں کی ضرورت ہے۔ اوّل یہ کہ وائرنگ درست ہو۔ یعنے پیرو مرشد متبع سنّت۔ صحیح العقیدہ صالح اعمل ہو۔ کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے تعلّق قلبی رکھتے ہوئے وہاں سے نور حاصل کرے۔ اور پھر اُس کا عکس مرید کے دل پر ڈالے۔ اور یہ تو آپ سمجھ ہی چکے ہیں کہ بلب کا خول وائرنگ سے روشنی نہیں لے سکتا۔ بلکہ اُس کے اندر جو باریک سی تار بجلی کی ہے۔ وہ روشنی لیکر منوّر ہوتی ہے۔ پس اُسکی سلامتی بھی ضروری ہے۔ اِسی لئے یہ بات عام طور پر معروف و مسلّم ہے۔ کہ دیگر استاد اپنے شاگردوں کی لیاقت وقابلیت کو باوجود اُن سے ناراض ہوجانے کے چھین نہیں سکتے۔ لیکن علم باطن کے ہادی اپنے گستاخ و بے ادب مرید وطالب سے کمال چھین سکتے ہیں۔ اور اسی سے آپ یہ بات بھی سمجھ سکتے ہیں جو مذہب اہلسنت میں مسلّم ہے۔ کہ ولی کی ولایت منتزع ہو سکتی ہے۔ جیسے کہ بلعم باعور[2] کی ولایت حضرت موسیٰ علیہ السلام کی مخالفت کی وجہ سے چھن گئی تھی۔ حضرت مولانا روم صاحب رح فرماتے ہیں ؎

از خدا جوئیم توفیق ادب بے ادب محروم ماند از لطفِ رب

اب ہم اِس بارے میں بعض مشائخ طریقت کی تصریحات ذکر کرتے ہیں تاکہ ناظرین کی مزید تسلّی ہوجائے :

مشائخ طریقت کی تصریحات دربارۂ آدابِ مریدین

(۱) حضرت سید عبد القادر جیلانی (قدّس سرّہٗ) نے **غُنیۃ الطالبین** میں "آدابِ مرید" کا ذکر بہت تفصیل سے کیا ہے۔ ہم اُس میں سے بعض ضروری اقتباس ترجمہ کرکے لکھتے ہیں :-

"پس واجب ہے مرید پر ظاہر میں اپنے شیخ کی مخالفت کا ترک کرنا۔ اور باطن میں اُس پر اعتراض کا ترک کرنا"

[1] سورتِ احزاب پ۲۲ ۱۲ منہ [2] بنا بر مشہور ۱۲ منہ

"اور اگر (بالفرض) اُسمیں کوئی عیب دیکھے تو اُسپر پردہ ڈالے، اور اپنے ہی نفس کو متہم کرے اور"
"شرع میں (اُس عیب کی نسبت) شیخ کیلئے تاویل کرے،"
"اور[۳] جب شیخ خفا ہو جائے یا تُرش روئی ظاہر کرے۔ یا اُس سے کسی طرح کی رُوگردانی ظاہر ہو تو"
"وہ (مرید) اُس (شیخ) سے قطع تعلق نہ کرے۔ بلکہ تفتیش کرے اپنے باطن میں۔ یا اُس میں جو ہو گئی ہو"
"اُس سے کوئی بے ادبی شیخ کے حق میں یا کوئی قصور ایسے امر میں جس کا رجوع خدا کے حکم"
"کی طرف ہے۔ یعنے کسی حکم کی فرمانبرداری کے ترک کرنے سے یا اُس کے منع کئے ہوئے امر کے"
"کر بیٹھنے سے پس خدا سے بخشش مانگے۔ اور اُسکی جناب میں توبہ کرے۔ پھر ویسا کام نہ"
"کرنے کا پختہ عزم کرلے۔ پھر شیخ کے پاس معذرت کیلئے آئے۔ اور اپنے آپ کو اُس کے سامنے"
"عاجز کرے۔ اور اُسکی خوشامد کرے۔ اور اُسکا محبوب بننے کی کوشش کرے اور آئندہ اُسکی مخالفت"
"کرنے سے پرہیز کرے۔ اور ہمیشگی کرے اُسکی رفاقت میں بلس بنادے اُسکو وسیلہ اور واسطہ"
"درمیان اپنے اور اپنے پروردگار کے۔ اور رسنہ اور سبب جس کے ذریعے وہ اُس تک پہونچے"
"اور اپنے شیخ کی مخالفت سے بہت ڈرتا رہے۔ کیونکہ اُس کی مخالفت زہرِ قاتل ہے اور اُس میں"
"بہت نقصان ہے"۔ × × × × (انتہیٰ مترجماً)

(۲) حضرت مجدد صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے مکتوبات میں ہے:۔

"جان لو کہ اِس جماعت (مشایخ) کا انکار زہرِ قاتل ہے۔ اور اِن بزرگواروں کے اقوال و افعال پر"
"اعتراض کرنا سانپ کا زہر ہے کہ ابدی موت تک پہنچاتا ہے۔ اور ہمیشہ کیلئے ہلاک کر دیتا ہے۔ × ×"
"اِس جماعت کا منکر اُنکی دولت سے محروم رہتا ہے۔ اور اُنپر اعتراض کرنے والا ہمیشہ نامراد اور خسارہ"
"میں رہتا ہے۔ جب تک کہ پیر کے سب حرکات و سکنات مرید کی نظر میں پسندیدہ اور اچھے دکھائی"
"نہ دیں اُسے پیر کے کمالات میں سے کوئی بہرہ حاصل نہیں ہوتا۔"
"اور اگر فرضاً مرید کو پیر کے کسی فعل میں شبہ پیدا ہو اور وہ دُور نہ ہو تو چاہئے۔ کہ ایسے طور پر اُسکا"
استفسار کرے کہ شائبہ اعتراض اور مظنۂ انکار سے پاک ہو × × × "
"اگر کسی وقت پیر سے کوئی امر خلافِ شریعت ظاہر ہو جائے تو چاہیے۔ کہ مرید اُس میں پیر کی تقلید"
"نہ کرے۔ اور جہانتک ممکن ہو۔ حسن ظنی سے اُسکے لئے کوئی محل و موقع اور اُسکی صحت کی وجہ"
"چاہیے" × × ×
اور[۵] اگر مرید کو پیر کے حق میں کسی مباح امر کے ارتکاب کا شبہ پیدا ہو تو اُس شبہ کا اعتبار نہ کرے"

(مکتوبات [illegible])

(بقیہ حاشیہ صد ۶۳)

کیونکہ خداوند جل شانہ نے جو مالک الامور ہے۔ مباح کام کرنے سے منع نہیں فرمایا اور اسپر اعتراض نہیں "
" فرمایا ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ تو کسی دوسرے کا کیا حق ہے کہ اپنے پاس سے اعتراض کرے (انتہٰی ترجمہ مکتوبات)

(۳) اسیطرح حضرت قاضی ثناء اللہ صاحب پانی پتی رح ارشاد الطالبین میں فرماتے ہیں :-
" مسئلہ مرید کو شیخ پر اعتراض کرنا نہیں چاہیے۔ کیونکہ یہ فیض پہنچنے کے منافی ہے۔ اسکی دلیل حضرت موسٰے "
" اور حضرت خضر کا قصہ ہے۔ کہ حضرت موسٰے نے جب حضرت خضر سے فیض کی التجا کی۔ تو حضرت خضر "
" نے اُن سے اِس بات کا عہد لے لیا۔ کہ مَیں جو کام کروں اُسپر تم کو اعتراض کرنا نہ ہوگا۔ × × × × × × "
" آخر موسٰے کے اعتراض کے باعث جُدائی ہوگئی۔ (انتہٰی ترجمہ صد ۱۹)
اسکے بعد حضرت قاضی صاحب رح ایک نہایت کارآمد فائدہ لکھتے ہیں۔

فائدہ۔ یہ ذکر ایسے شیخ کے متعلق ہے۔ جو صاحب استقامت اور تقوٰے ہو۔ اگر اس سے عمر بھر میں کوئی ایسی بات "
" ظاہر ہو۔ جو خلافِ شرع ہو۔ تو اس صورت میں شیخ پر اعتراض نہ کرے۔ بلکہ تاویل کرے۔ × × × × ×

اسکے بعد خاتمہ فصل پر فرماتے ہیں :-
" اگر کوئی شخص ایسا ہے۔ جس کا شعار ہی فسق ہے۔ وہ یقیناً ولی نہیں ہے۔ اسلئے اُس کے قول و "
" فعل کی تاویل ضروری نہیں (ترجمہ ارشاد الطالبین صد $\frac{19}{2}$)

جماعتِ اہلحدیث و دیگران

ہمیں اسبات کا سخت رنج ہے۔ کہ جماعتِ اہلحدیث (کثّر اللہ سوادھم) اِس امر میں کافی سے زیادہ بدنام ہو چکی ہے۔ کہ یہ لوگ بے ادب اور گستاخ ہوتے ہیں۔ نہ ائمہ مجتہدین کی عزت کرتے ہیں۔ نہ بزرگان دین کی۔ حتٰے کہ نہ اپنے علماء کی نہ دوسروں کے پیشواؤں کی۔

اِس کا جواب یہ ہے۔ کہ الزامات کی نوعیتیں مختلف ہوتی ہیں۔ بعض واقعی درست ہوتے ہیں۔ اور بعض سراسر بہتان۔ بعض میں پوری یا ادھوری غلط فہمی ہوتی ہے اور بعض میں مبالغہ کہ تھوڑی سی بات کو بڑی بنا کر دکھایا جاتا ہے۔ لیکن جماعتِ اہلحدیث کے متعلق اِن الزامات کی نوعیت مذکورہ بالا سب نوعیتوں سے مرکب ہو کر ایک جُدا نوع ہوگئی ہے۔ اِسکی تفصیل اسطرح ہے۔ کہ:-

(۱) کسی نیکوکار حنفی کو کوئی ایسا اہلحدیث ملگیا ہو۔ جو عقیدۃً تو اہلحدیث ہو لیکن اُسکی تربیت طریق اہلحدیث پر نہ ہوئی ہو اور وہ اپنے طبعی جذبات سے مغلوب ہو کر کوئی کلمۂ گستاخی کا کہہ بیٹھا ہو تو ہم اس نیکوکار حنفی کی دیانت کا اعتبار کر کے اُسکی تکذیب نہیں کر سکتے۔ ہاں اِتنا کہہ سکتے ہیں۔ کہ اِس سے یہ لازم نہیں آتا۔ کہ جماعتِ اہلحدیث کا مذہب معاذ اللہ گستاخی ہے۔ اچھے بُرے لوگ افرادِ منتشرہ کی صورت میں ہر جماعت میں پائے جاتے ہیں۔ ولایت کابل کے گدھے مشہور ہیں۔ لیکن انہی کے مقابلہ میں یہ مثل بھی رائج ہے "کیا کابل میں گدھے نہیں ہوتے"۔ اور یہ مثل ٹھیک اُسی موقع پر

(باقی صفحہ آیندہ پر)

بولتے ہیں جہاں پر چھوٹوں کے ساتھ بڑوں کا وجود بھی پایا جائے۔ حنفی کہلاتے ہوئے امام شافعیؒ اور امام بخاریؒ وغیرہما اجلہ محدثین کی شان میں کیا کچھ نہیں کہا گیا۔ تو کیا پھر یہ کہنا درست ہوگا۔ کہ امام شافعیؒ اور امام بخاریؒ کی شان میں گستاخی کرنا حنفیوں کا مذہب ہے۔ یا مرزائے قادیانی اور قادیانیوں نے مسلمان کہلاتے ہوئے حضرت مسیحؑ اور آپ کی والدہ ماجدہ حضرت مریم صدیقہ رضہ کے حق میں کیا کسر باقی چھوڑی ہے۔ جو کچھ کہا گیا ہے اُس سے فلسطین کے یہودی بھی شرماتے ہونگے۔ تو کیا عیسائیوں کو یہ حق پہنچتا ہے۔ کہ وہ یہ کہیں کہ حضرت عیسےٰؑ اور حضرت مریم صدیقہ رضہ کے حق میں گستاخی کرنا مسلمانوں کا مذہب ہے۔ نہیں ہرگز نہیں ۔

(۲) جماعتِ اہلحدیث خدا کے فضل سے رسولِ خدا (صلے اللہ علیہ وآلہٖ وسلم) کے افعال (عملی سنتوں) اور آپ کے اقوال (احادیث مبارکہ) کی پیرو اور فرمانبردار ہے۔ اور یہ معلوم و مُسلّم ہے۔ کہ علم حدیث کے دفتر آداب و اخلاقِ حسنہ سے بھرے پڑے ہیں۔ آنحضرتؐ فرماتے ہیں۔ اِنَّمَا بُعِثْتُ لِاُتَمِّمَ صَالِحَ الْاَخْلَاقِ[۱] (یعنے میرے مبعوث ہونے سے بڑا مقصد یہ ہے۔ کہ میں نیک اخلاق کو (عملی طور پر) پورا کردوں) پس جس جماعت کا دن رات کا شغل احادیثِ رسول اللہؐ کا مطالعہ ہو اور اُن کا دستور و آئین سُنّتِ رسول اللہؐ کی پیروی ہو۔ وہ مذہباً ائمہ دین اور صالح المؤمنین کے حق میں بے ادب و گستاخ کسطرح ہوسکتی ہے؟ پس ایسا الزام سراسر بہتان ہے۔"

قَالَ فَاِنِ اتَّبَعْتَنِیْ فَلَا تَسْئَلْنِیْ عَنْ شَیْءٍ حَتّٰۤی اُحْدِثَ لَكَ مِنْهُ ذِكْرًا ﴿۷۰﴾

کہا پس اگر تو میرے ساتھ رہے تو مجھ سے کسی امر کی بابت سوال نہ کرنا۔ جتنے کہ میں خود بیان کروں تجھ سے اسکا کوئی ذکر ۱۲۵

۱۲۵ خضرؑ نے حضرت موسےٰؑ کی بات تسلیم تو کرلی، لیکن ایک شرط لگادی کہ جو امر بھی تم مجھ سے دیکھو اُسکی بابت مجھ سے سوال نہ کرنا۔ ہاں میں خود چاہوں تو تم سے کوئی بات بیان کردوں تو کردوں ؛

اِس پیش بندی کی بنا اُسی بات پر تھی جسکی وجہ سے خضرؑ نے کہا تھا۔ اِنَّكَ لَنْ تَسْتَطِيْعَ مَعِيَ صَبْرًا۔ یہ بھی ایک طریقہ حوصلہ سکھانے کا ہے۔

اِسکی وجہ یہ ہے۔ کہ ابتدا میں شاگرد کی نظر اُن عواقب پر نہیں ہوتی جو اُسکی تعلیم کے متعلق اُستاد کے ذہن میں ہوتے ہیں۔ اگر وہ زمانۂ تعلّم میں قدم قدم پہ ہر بات کی لِمَ (کیوں؟) اور کَیْفَ (کسطرح؟) کے سوال پر اَڑ جائے تو وہ تحصیلِ کمال سے رہ جائیگا۔ بلکہ ابتدا میں اُسے اُستاد کے سامنے سَمِعْنَا وَ اَطَعْنَا کی عملی تصویر بنکر رہنا چاہئے۔ جُوں جُوں اُسے اُس فن یا علم میں قابلیت حاصل ہوتی جائیگی۔ اُسکی باریکیاں اُس پر کھلتی جائینگی۔ اور بالخصوص

(باقی صفحہ آئندہ)

[۱] کنوز الحقائق بروایت احمد ۱۲ منہ

استاد کے سامنے اعتراضی صورت میں تو کچھ حاصل ہو ہی نہیں سکتا بلکہ طرفین میں بدمزگی اور بے دلی پیدا ہو جاتی ہے۔ اور فیضان رک جاتا ہے۔ جیساکہ حضرت موسیٰؑ اور حضرت خضرؑ کے اسی واقعہ میں ہوا۔ بظاہر تو یہ تھا کہ حضرت موسیٰؑ اُن واقعات میں جو اُنہوں نے خضرؑ سے دیکھے تھے۔ سوال میں پیشدستی کرنے سے رُک نہ سکے لیکن دوسری طرف دیکھیں کہ اُسکا اثر خضرؑ پر یہ پڑا کہ وہ حضرت موسیٰؑ علیہ السلام کو ساتھ رکھنے پر صبر نہ کرسکے آخر کار اُن کو هٰذَا فِرَاقُ بَيْنِي وَبَيْنِكَ کہنا پڑا۔

حاصل کلام یہ کہ حضرت خضرؑ نے موسیٰؑ کو سوال میں پیشدستی سے جو منع کر دیا تو یہ سلسلۂ تعلیم میں اصل طریق کار اور مبنی بر حکمت ہے۔ پس فضل و کمال کے خواہشمندوں کو اس سے سبق لینا چاہیے۔ (واللہ الہادی)

فَانْطَلَقَا[۱۲۶] حَتّٰى إِذَا رَكِبَا فِي السَّفِينَةِ[۱۲۷]

پس چلے وہ دونوں حتیٰ کہ جب سوار ہوگئے کشتی میں

۱۲۶ فَانْطَلَقَا صیغہ تثنیہ کا ہے۔ جس سے مراد حضرت خضرؑ اور حضرت موسیٰؑ ہیں۔ اسکی بناء پر بعض مفسرین قرآن و شارحین حدیث کا قول ہے۔ کہ حضرت یوشعؑ کشتی پر سوار نہیں ہوئے بلکہ یہیں سے واپس چلے گئے۔ لیکن صحیح بخاری کی کتاب التفسیر کی روایت میں حَمَلُوهُمْ جمع کی ضمیر بھی ہے۔ اسکی بناء پر ایک گروہ کا قول ہے۔ کہ حضرت یوشعؑ ساری سفر میں ساتھ ہی رہے تھے۔ لیکن قرآن شریف میں اسکے بعد اُنکا ذکر اسلئے حذف کر دیا گیا ہے۔ کہ واقعات آئندہ سے اُن کو کوئی تعلق نہیں تھا۔ وہ صرف حضرت موسیٰؑ کی مصاحبت کیلئے ساتھ ہوئے تھے۔ اور بس۔

۱۲۷ صحیح بخاری میں کشتی میں سوار ہونے کے متعلق بعض اور باتیں بھی مذکور ہیں۔ مثلاً

"پہچان لیا اُن کشتی والوں نے خضرؑ کو اور کہنے لگے۔ عَبْدُ اللهِ الصَّالِحُ یعنے یہ خدا تعالےٰ کا صالح بندہ ہے۔ . . . ہم اِسے اُجرت پر نہیں (بلکہ مفت) سوار کرینگے۔ (کتاب التفسیر مترجما)"

اس بات کی تحقیق میں کہ اہل کشتی نے حضرت خضرؑ کو کیونکر پہچانا۔ فتح الباری میں ابن ابی حاتم کی روایت سے نقل کیا کہ اُن کے سوار نے کہا فَإِنِّي أَرَى عَلَى وُجُوهِهِمُ النُّورَ فَحَمَلَهُمْ بِغَيْرِ أُجْرَةٍ (صفحہ ۳۲۶ جزو ۱۹) یعنے میں اِن کے چہروں پر نور دیکھتا ہوں۔ پس اُنکو بغیر اجرت کے سوار کر لیا۔ اس روایت سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ اُس شخص نے تینوں (خضرؑ اور موسیٰؑ اور یوشعؑ) کے چہروں کے نورِ صلاحیت سے معلوم کیا کہ یہ خدا کے نیک بندے ہیں۔ اِن سے اُجرت نہیں لینی چاہئے۔ بلکہ اِن کی خدمت کو اپنی سعادت سمجھنا چاہئے۔ اور صحیح بخاری کی مذکورہ بالا روایت کے الفاظ عَبْدُ اللهِ الصَّالِحُ اِسکی تائید کرتے ہیں۔

لیکن صحیح بخاری ہی کی دوسری روایت میں ہے۔ فَعُرِفَ الْخَضِرُ یعنے پہچانے گئے خضرؑ۔ اس سے اکیلے حضرت خضرؑ کے علاوہ یہ بھی معلوم ہوتا ہے۔ کہ وہ لوگ خضرؑ کی شخصیت کو بھی پہچانتے تھے۔ اِس بناء پر

عَبْدُ اللّٰہِ الصَّالِح اُسے معرفہ معیّن ومعہود سمجھا جائیگا۔ اور دونوں روایتیں باہم جمع ہو جائینگی۔ اور حضرت موسےؑ اور حضرت یوشعؑ کی شخصیتوں کو اگرچہ وہ نہ جانتے تھے۔ لیکن اُنکے چہروں کے انوار نے اُنکی پہچان سے مستغنی کر دیا۔

فائدہ جلیلہ حدیث میں یہ جو مذکور ہے۔ کہ اہل کشتی نے اُن کو بغیر اُجرت کے سوار کر لیا۔ تو اس سے یہ معلوم ہو سکتا ہے کہ اہل دنیا کو جو مقاصد مال خرچ کرنے سے حاصل ہوتے ہیں اہل **صلاحیت** کو بغیر مال خرچ کرنے کے صرف **انوارِ صلاحیت** ہی سے حاصل ہو جاتے ہیں۔ جیسے کہ کہا گیا ہے ؎

"خدا خود میر سامانست ارباب توکل را"

وجہ یہ ہے۔ کہ اہلِ دنیا کی متاع **مال** ہے۔ اور صالحین کی متاع **صلاحیت** ہے۔ انہوں نے وہ کمایا انہوں نے یہ۔ صالحین کی متاع پائدار ہے۔ جو خرچ کرنے سے کم نہیں ہوتی۔ لیکن دنیاداروں کی متاع فانی ہے جو خرچ کرنے سے کم ہوتی جاتی ہے۔ اور آخر کار بالکل فنا ہو جاتی ہے۔ فَطُوْبیٰ لِاَصْحَابِ الصَّلَاحِیَّۃ۔

صحیح بخاری میں کشتی میں سوار ہونے کے ذکر میں یہ بھی مذکور ہے۔

"پس ایک چڑیا آئی اور اس نے کشتی کے کنارے پر بیٹھکر دریا میں ایک[۱] یا دو[۲] چونچیں ماریں۔ اس پر خضرؑ نے کہا۔"

"اے موسےؑ میرا اور تمہارا اور جملہ مخلوق کا علم خدا کے علم کے سامنے بس اتنا ہی ہے جتنا اس چڑیا نے اپنی چونچ ڈبوکر دریا سے پانی لیا) (انتہی مترجماً) [۱]

خضرؑ نے اِن کلمات سے حضرت موسےؑ کو وہ بات جتلانی چاہی ہے۔ جو انہوں نے کہی تھی کہ اَنَا اَعْلَم[۹۴] (کیونکہ جب جملہ مخلوق کا علم خدا تعالےٰ کے علم سے کچھ بھی نسبت نہیں رکھتا۔ تو پھر میرے یا تمہارے اَنَا اَعْلَم کہنے کے کیا معنے؟

خَرَقَھَا[۱۲۸]

توڑ ڈالا اُس (کشتی) کو۔

[۱۲۸] صحیح بخاری میں کشتی کے توڑنے کی کیفیت یوں مذکور ہے۔

(۱) فعمد الخضر الی لوح من الواح السفینۃ فنزعہ (کتاب العلم)	پس قصد کیا خضرؑ نے کشتی کے ایک تختے کا اور اُسے کھینچ ڈالا۔
(۲) فلم یفجأ موسیٰ اذ عمد الخضر الی قدوم فخرق السفینۃ (کتاب التفسیر)	موسیٰؑ کو ابھی دیر نہ ہوئی تھی کہ خضرؑ نے تیشہ لیکر کشتی توڑدی
(۳) فخرقھا ووتد فیھا (کتاب التفسیر)	پس اُسکو توڑا اور اُسے میخ لگا کر جوڑ دیا۔

حافظ ابن حجرؒ نے فتح الباری میں اِن روایتوں کو یوں جمع کیا ہے:۔

والجمع بین الروایتین انہ قلع اللوح وجعل مکانہ وتدا (کتاب التفسیر)	اِن ہر دو روایتوں میں جمع اسطرح ہے۔ کہ تختے کو نکالا اور وہاں پر میخ لگا کر اُسے جوڑ دیا۔

نمبر ۲ کی روایت کو ملحوظ رکھتے ہوئے حافظ صاحبؒ کی عبارت کیساتھ اِتنا اور ضم کر لینا چاہئے۔ کہ پہلے ایک تختے کو کشتی سے توڑا اور پھر نکالکر میخ سے اُسکی مرمت کر دی۔ حاصل سب روایتوں کا یہی ہے۔ کسی میں کوئی بات مختصر محذوف ہے اور کسی میں مذکور و مفصّل۔

[۱] صحیح بخاری کتاب التفسیر ۱۲ منہ [۲] صحیح بخاری کتاب التفسیر ۱۲ منہ

قَالَ أَخَرَقْتَهَا لِتُغْرِقَ أَهْلَهَا لَقَدْ جِئْتَ شَيْئًا إِمْرًا ﴿۷۲﴾

کہا کیا توڑا تو نے اسے تاکہ غرق کرے تو اہل اسکے کو، ضرور ہے کہ تو نے بڑا تعجبناک کام کیا ۷۲

۱۲۹ **لغات**، اِمْرًا مجاہدؒ نے کہا مُنکَرًا (صحیح بخاری) اور قتادہؒ نے کہا عَجَبًا، نیز کہا عَظِیمًا (فتح الباری) حاصل سب کا ایک ہی ہے۔ کہ بہت برا کام، تعجبناک کام، اور بہت بڑا کام۔

۱۳۰ فتح الباری میں ابو العالیہ کی روایت سے نقل کیا۔ کہ کشتی کے توڑنے کو سوائے موسےؑ کے کسی اور نے نہ دیکھا اور اگر وہ دیکھ لیتے تو انکو روک دیتے ۱۲ (کتاب التغیر، مترجم)

نکتہ۔ یہ عاجز کہتا ہے۔ کہ چونکہ خضرؑ رجال غیب میں سے ہیں اور ان امور میں بالخصوص **دست غیب** تھے اسلئے ان کے اس کام کو یعنے کشتی کے توڑنے اور پھر جوڑنے کو کوئی نہ دیکھ سکا۔ اور موسےؑ اسلئے دیکھ سکے۔ کہ **اوّل** تو خضرؑ کو انکو دکھانا منظور تھا۔ کیونکہ وہ اسی غرض کیلئے ان کے ساتھ ہوئے تھے۔ **دیگر** یہ کہ موسیٰؑ خود بھی نبی اللہ ہونے کی وجہ سے **صاحبُ البَصر** تھے۔ جب نبی اللہ فرشتوں کو دیکھ سکتا ہے۔ تو فرشتوں کی ڈیوٹی والے انسان کے غیبی کام کو بھی دیکھ سکتا ہے۔

۱۳۱ صحیح بخاری میں ہے۔ کہ موسےؑ نے خضرؑ سے کہا:۔

قَوْمٌ حَمَلُوْنَا بِغَيْرِ نَوْلٍ عَمَدْتَ إِلَىٰ سَفِيْنَتِهِمْ فَخَرَقْتَهَا لِتُغْرِقَ أَهْلَهَا (کتاب التفسیر)	ایسے لوگ جنہوں نے ہمکو بغیر اجرت کے سوار کر لیا۔ تو نے انکی کشتی دیکھ کر اسکی برأت کی پس اسے توڑ دیا۔ تاکہ تو اہل کشتی کو ڈبو دے۔

موسےؑ نے اس امر کو شریعت و اخلاق ہر دو کے خلاف دیکھکر اعتراض کیا۔ اوّل اسلئے کہ بیوجہ نقصان پہنچایا۔ دوم اسلئے کہ احسان کے بدلے بدسلوکی کی۔ اس بات میں موسےؑ سراسر حق پر ہیں۔ اگر یہی حقیقت ہو تو ظاہر و باطن ہر دو کا یہی حکم ہوگا۔ لیکن باوجود اس کے یہ موسےؑ کی ایک بھول شمار کیگئی جسے انہوں نے خود بھی تسلیم کیا۔ اسکی اور خضرؑ نے جو کچھ حقیقت بتائی۔ ہر دو امروں کی تفصیل آگے آتی ہے۔ (انشاء اللہ)

قَالَ أَلَمْ أَقُلْ إِنَّكَ لَنْ تَسْتَطِيعَ مَعِيَ صَبْرًا ﴿۷۳﴾

کہا، کیا نہیں کہا تھا میں نے، کہ تحقیق تو ہرگز نہیں طاقت رکھیگا میرے ساتھ صبر کرنے کی ۷۳

۱۳۲ اس موقع پر خضرؑ نے موسےؑ کے اعتراض کو بیجا نہیں کہا، بلکہ اپنی وہی بات جتائی ہے۔ جو ابتدا میں کہی تھی کہ تم میرے ساتھ ضبط و صبر سے نہیں رہ سکو گے۔ جسکے جواب میں تم نے کہا تھا۔ انشاء اللہ میں صابر ثابت ہونگا۔ اور اپنے اسپر کہ ضابط و صابر رکھنے کے لئے شرط لگا دی تھی کہ مجھسے کسی امر میں سوال نہ کرنا۔ سو تم نے **سوال** کر کے اس شرط کو توڑ ڈالا ہے۔ جو تم نے کہا۔ **أَخَرَقْتَهَا** کیا تو نے اسے توڑ ڈالا الخ ۱ھ

۱ھ باقی رہا توڑنے کا راز اور اسکی حقیقت کہ نقصان پہنچانے کے لئے ایسا کیا یا نفع پہنچانے کیلئے، اور احسان کے عوض برائی کی یا نیکی۔ سو اسکی تفصیل آگے بتائی جائیگی۔ فی الحال یہی بات ہے کہ شرط ٹوٹ گئی ۱۲ منہ

قَالَ لَا تُؤَاخِذْنِي بِمَا نَسِيتُ وَلَا تُرْهِقْنِي مِنْ أَمْرِي عُسْرًا (۷۳)

کہا نہ پکڑ مجھے بسبب میرے بھول جانے کے اور نہ پہنچا مجھے میرے کام سے تنگی

ف ۱۳۲ بِمَا نَسِيتُ ۔ موسیٰ نے عذر کیا کہ یہ بات مجھ سے نسیاناً ہو گئی ہے۔ اور **نسیان** پر شریعت میں مؤاخذہ (گرفت) نہیں ہے۔ سو آپ نہ کریں۔ جیسا کہ قرآن شریف میں بصورتِ دعا تعلیم کیا، رَبَّنَا لَا تُؤَاخِذْنَا إِنْ نَسِينَا أَوْ أَخْطَأْنَا (بقرہ ۳) یعنی اے ہمارے پروردگار! اگر ہم بھول جائیں، یا خطا (بلا ارادہ) کریں تو ہم کو (اس پر) مؤاخذہ نہ کرنا اور سرورِ عالم صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بھی فرمایا:- وُضِعَ عَنْ أُمَّتِي الْخَطَاءُ وَالنِّسْيَانُ (ابن م) صحیح بخاری میں ہے۔ كَانَتِ الْأُولَى نِسْيَانًا (کتاب التفسیر) یعنی پہلی بار نسیان سے تھی۔

صورتِ نسیان موسیٰ کے اس نسیان کی صورت یہ ہے۔ کہ آپ کو یہ کام از روئے شرع درست نظر نہ آیا کیونکہ کسی کو بوجہ نقصان پہنچانا ممنوع ہے۔ پس حفاظتِ قانونِ شرعی اور تعمیلِ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر میں جو آپ کا فرضِ منصبی تھا۔ آپ کو جوش آگیا۔ اور غلبۂ حال میں آپ کو اپنا اقرار (سوال نہ کرنا) فراموش ہو گیا۔ چنانچہ فتح الباری (کتاب التفسیر) میں ابن ابی حاتم سے نقل کیا کہ:-

"موسیٰ نے جب یہ دیکھا تو آپ غضب سے بھر گئے۔ پس آپ نے اپنے کپڑے سمیٹ لئے اور (خضر سے) کہنے لگے۔ آپ نے انکی ہلاکت کا ارادہ کیا ہے۔ آپ کو ابھی معلوم ہو جائیگا۔ کہ سب سے پہلے آپ ہی ہلاک ہونگے۔ الخ (انتہی مترجماً)

ف ۱۳۳ **جذباتِ موسویہ** خدا تعالےٰ نے حضرت موسیٰ کے جذبات بارادۂ خاص تیز پیدا کئے تھے۔ کیونکہ آپ **فرعون** جیسے جابر و گردنکش بادشاہ کی طرف مبعوث ہونے والے تھے۔ اور یہی بات اُن کے لئے فرعون کے بھرے دربار میں **استقامت** کا موجب ہوئی۔ کہ آپ نے خوف و رعب سے آزاد ہو کر اُسے ربّ العٰلمین کا پیغام پہنچایا۔ اور خدا تعالیٰ کی ہستی کے دلائل بیان کئے۔ اور فرعون کے سوالوں اور اعتراضوں کے مسکت جواب دیئے، جن سے فرعون نے بمصداق "تنگ آمد بجنگ آمد" اور بمقتضائے ؎

چو حجت نماند جفا جوئے را ۔ بہ پرخاش درہم کشد روئے را

تنگ آکر دھمکی دی۔ لَئِنِ اتَّخَذْتَ إِلٰهًا غَيْرِي لَأَجْعَلَنَّكَ مِنَ الْمَسْجُونِينَ (شعراء پ ۱۹)، لیکن موسیٰ پر اس کا کچھ بھی اثر نہ پڑا۔ مناسب ہے کہ ہم اس موقع پر آپ کی زندگی کے بعض واقعات ذکر کر کے یہ بات ناظرین کے ذہن نشین کر دیں کہ آپ کے جذبات طبعاً تیز پیدا کئے گئے تھے۔

(۱) شروع جوانی میں (قبلِ نبوت) ایک اسرائیلی کی حمایت میں ایک قبطی (قومِ فرعون کے) آدمی کو مکّا مارنا۔ اسی جوشِ طبع سے تھا۔ کیونکہ آپ خدا کے ارادے میں سبطیوں (اسرائیلیوں) کو قبطیوں کے مظالم سے نجات دلانے والے تھے"

(۲) قوم کی گوسالہ پرستی پر غضبناک ہونا اور اپنے بھائی کے سر آنا بھی اسی جوشِ طبع کا نتیجہ تھا۔ کیونکہ آپ خدا کی

(الکہف ۱۰)

شریعت کے امین و محافظ تھے۔ توحید کے مقابلہ میں شرک کو اور اسمیں مداہنت و نرمی کو برداشت نہیں کر سکتے تھے۔

(۳) قبلِ نبوت مہجرت کے وقت۔ شعیب علیہ السلام کی لڑکیوں کے جانوروں کو پانی پلا دینے میں بھی حمایت ضعفاء ہے اور تیز جذبات والے آدمی کی طبیعت منفعل جلد ہو جاتی ہے۔ اسی لئے آپ کو انکے ضعفِ نسوانی پر ترس آگیا۔ اور باوجود سفر کی تکان اور بھوک کی شدت کے محنت کے کام سے رُک نہ سکے؛

(۴) عطائے نبوت کے وقت آگ دکھائی دی۔ گو یہ وادیٔ مقدس میں بلانے کی ایک تقریب تھی۔ کہ ان کو اس وقت شدتِ سرما کی وجہ سے بیوی صاحبہ کے لئے آگ کی ضرورت تھی۔ لیکن اسمیں ان کی طبعی جذبات کی مناسبت بھی تھی؛

(۵) اسی طرح رَبِّ اَرِنِیْٓ اَنْظُرْ اِلَیْکَ کے سوال پر تجلی الٰہی جس صورت میں ظاہر ہوئی۔ اس میں بھی انکی طبعی مناسبت تھی۔

غرض آپ کی زندگی کے واقعات پر نظر کرنے سے صاف کھل جاتا ہے۔ کہ آپ کے جذبات فطرۃً تیز تھے اور خدا کی حکمت کا تقاضا یہی تھا۔ اور جیسا کہ ہم سابقاً صفحہ ۔۔۔ میں لکھ آئے ہیں کہ خضرؑ کو موسیٰؑ کا اور آپ کی نبوت کا علم تھا تو وہ اس بات کو بھی جانتے ہونگے کہ وہ تیز جذبات پر پیدا ہو کر فرعون کی طرف مبعوث ہوئے ہیں اسلئے وہ میرے متعلقہ امور کو دیکھکر صبر نہ کر سکینگے۔ لہٰذا انہوں نے پہلے ہی سے کہدیا۔ اِنَّکَ لَنْ تَسْتَطِیْعَ مَعِیَ صَبْرًا (واللہُ اَعْلَمُ)

آنحضرت صلعم کہ جامع جلال و جمال ہیں باوجود نہایت درجے کے حلیم و باوقار اور نرم مزاج ہونیکے اور خدا کی طرف سے فَبِمَا رَحْمَۃٍ مِّنَ اللّٰہِ لِنْتَ لَھُمْ کی سند حاصل کرنیکے، مخالفتِ شرع کو برداشت نہ کر سکتے تھے چنانچہ احادیث میں یہ بات بکثرت مذکور ہے۔ بعض جگہ یوں ہے فَقَامَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّمَ غَضْبَانَ ثُمَّ قَالَ اَیُلْعَبُ بِکِتَابِ اللّٰہِ وَاَنَا بَیْنَ اَظْھُرِکُمْ (بلوغ المرام) اور کہیں یوں ہے۔

یَا مُعَاذُ اَفَتَّانٌ اَنْتَ مُتَّفَقٌ عَلَیْہِ (مشکوٰۃ صفحہ ۷۱)

صحابہ رضی اللہ عنہم میں یہ نمونۂ جلالت و سطوت، حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ میں نمایاں طور پر نظر آئیگا۔ آپ کی شان میں آنحضرت صلعم فرماتے ہیں اَرْحَمُ اُمَّتِیْ بِاُمَّتِیْ اَبُوْبَکْرٍ وَاَشَدُّھُمْ فِیْ اَمْرِ اللّٰہِ عُمَرُ (مشکوٰۃ باب مناقب) نیز فرمایا:۔ رَحِمَ اللّٰہُ عُمَرَ یَقُوْلُ الْحَقَّ وَاِنْ کَانَ مُرًّا (جامع صغیر صفحہ ۱۹ جلد ۲ یعنی خدا رحم کرے عمرؓ پر حق کہدیتا ہے اگرچہ کڑوا کیوں)

غرض خضرؑ کے اس کام پر موسیٰؑ کے انکار کی بنا اسی حفاظتِ شرع اور حمایتِ ضعفاء پر تھی۔ اگرچہ خضر علیہ السلام کا ارادہ بھی اسی حفاظت و حمایتِ ضعفاء پر مبنی تھا۔ جیسا کہ آگے آئیگا۔

فَانْطَلَقَا حَتّٰٓى اِذَا لَقِيَا غُلٰمًا فَقَتَلَهٗ ﴿١٣٥﴾ قَالَ اَقَتَلْتَ نَفْسًا

پس چل پڑے وہ دونوں حتےٰ کہ جب ملے ایک (نابالغ) لڑکے کو تو (خضرؑ نے) اسے (فوراً) مار ڈالا۔ تو (موسیٰؑ نے) کہا کیا قتل کر ڈالا

زَكِيَّةًۢ بِغَيْرِ نَفْسٍ ۭ لَقَدْ جِئْتَ شَيْــــًٔـا نُّكْرًا ﴿١٣٦-١٣٧﴾ ﴿٧٥﴾ قَالَ اَلَمْ

تو نے جان پاک کو بغیر جان کے بیشک تو نے بہت برا کام کیا ﴿اسے﴾ کہا کیا نہیں

اَقُلْ لَّكَ اِنَّكَ لَنْ تَسْتَطِيْعَ مَعِيَ صَبْرًا ﴿١٣٨﴾ ﴿٧٦﴾ قَالَ اِنْ

کہا تھا میں نے تجھکو کہ تحقیق نہیں طاقت رکھیگا تو ساتھ میرے صبر کرنیکی ﴿اسے﴾ کہا اگر

سَاَلْتُكَ عَنْ شَيْءٍۢ بَعْدَهَا فَلَا تُصٰحِبْنِيْ ۚ قَدْ بَلَغْتَ مِنْ لَّدُنِّيْ عُذْرًا ﴿١٣٩﴾ ﴿٧٧﴾

پوچھا میں نے تجھکو کسی شے کی بابت بعد اِسکے تو نہ ساتھ رکھنا مجھکو تحقیق پہنچ چکا تو میری طرف سے عذر کو ﴿اسے﴾

١٣٥ **ترکیب نحوی** فتح الباری میں کہا "فقتلہ" میں ف عاطفہ ہے اور عطف لقیا پر ہے۔ اور قال اقتلت شرط کی جزا ہے۔ اور قتل جملہ شرط میں سے ہے جس میں اسبات کا اشارہ ہے کہ لڑکے کا قتل اُسکو دیکھنے کے ساتھ ہی بغیر مہلت کے واقع ہوا۔ بخلاف اذا رکبا فی السفینۃ خرقہا کے کہ کشتی کا توڑنا جواب شرط میں واقع ہوا ہے۔ کیونکہ وہ سوار ہونیکے کچھ دیر بعد ہوا ہمنے ترجمہ میں اِس ترکیب کا لحاظ برابر رکھا ہے۔

١٣٦ **لغات** نُكْرًا۔ نکر بسکون کاف اور نکُر بضم کاف ہر دو کے معنے ایک ہیں یعنے ایسا کام جس سے عقل سلیم انکار کرے۔ اور طبع مستقیم نفرت کرے۔ اور دونوں طرح قرآءت میں آیا ہے۔ (السراج المنیر)

١٣٧ نُكْرًا پہلی دفعہ شَيْئًا اِمْرًا کہا اور اب دوسری دفعہ شَيْئًا نُكْرًا کہا کیونکہ کشتی کے توڑنے میں نقصان صرف کشتی کا تھا اور اہل کشتی کی ہلاکت کا اندیشہ ہی تھا۔ لیکن لڑکے کے قتل سے تو اُسکی ہلاکت واقع ہی ہوگئی۔ اور ظاہر ہے کہ یہ امر برائی میں پہلے امر سے زیادہ ہے۔ فافہم

١٣٨ اَقُلْ لَّكَ۔ پہلی دفعہ بغیر لَكَ کے کہا۔ جس کا ترجمہ یہ ہے۔ کہ کیا میں نے نہیں کہا تھا؟ اور اب لَكَ سے خطاب کرکے کہا ہے۔ جس کا ترجمہ یہ ہے۔ "کیا میں نے تجھے نہیں کہا تھا؟ اِس میں قدرے سختی ہے۔ اِسکی وجہ اولاً تو یہ ہے۔ کہ اِس دفعہ موسیٰؑ نے بھی نُكْرًا کہا ہے۔ جو اِمْرًا سے سخت ہے۔ دیگر یہ کہ یہ دوسری بار ہے۔ پہلی بار نرمی سے کہا۔ اور دوسری بار سختی سے کہا۔

١٣٩ عُذْرًا۔ فتح الباری میں حدیث مرفوع ذکر کی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:۔

"خدا ہم پر بھی اور موسیٰؑ پر بھی رحم کرے۔ اگر وہ جلدی نہ کرتے۔ تو عجب عجب باتیں دیکھتے"

"لیکن آپکو اپنے صاحب (خضرؑ) سے شرم آگئی۔ تو کہا اُٹھے اِنْ سَاَلْتُكَ عَنْ شَيْءٍۢ بَعْدَهَا فَلَا تُصٰحِبْنِيْ، الآیہ (کتاب التفسیر)

فَانْطَلَقَا ﵂ حَتّٰىٓ اِذَآ اَتَيَآ اَهْلَ قَرْيَةِ ۣ اسْتَطْعَمَآ اَهْلَهَا

پس (دو) آگے چل پڑے ، حتّے کہ جس وقت پہنچے ایک بستی والوں کے پاس ، انہوں نے کھانا مانگا اس کے اہل سے

فَاَبَوْا اَنْ يُّضَيِّفُوْهُمَا فَوَجَدَا فِيْهَا جِدَارًا يُّرِيْدُ

پس انہوں نے انکار کیا ، ان کی ضیافت سے پس پائی انہوں نے ایک دیوار جو گرا چاہتی تھی ،

اَنْ يَّنْقَضَّ فَاَقَامَهٗ ۭ قَالَ لَوْ شِئْتَ لَتَّخَذْتَ عَلَيْهِ اَجْرًا

پس (خضر ؑ نے) اُسے قائم کر دیا ، کہا موسےٰ ؑ نے اگر تو چاہتا تو البتہ لے لیتا اسپر کچھ اُجرت

۱۴۰ اَهْلَ قَرْيَةِ ۔ اِس بستی کے نام کے متعلق مفسرین ؒ نے کئی اقوال ذکر کئے ہیں ۔ کوئی انطاکیہ بتاتا ہے کوئی کچھ اور ۔ جس امر کو خدا تعالےٰ نے مبہم رکھا ۔ اگر اُسکی تعیین حدیث مرفوع میں آگئی ہو ۔ تو لیسر و چشم ورنہ اُسے مبہم ہی رکھنا چاہئے ۔ کیونکہ مسئلہ نام کی تعیین میں نہیں ہوتا ۔ بلکہ مضمون میں ہوتا ہے ۔

۱۴۱ اسْتَطْعَمَآ ۔ اسجگہ دو سوال پیدا ہوتے ہیں ۔ اوّل یہ کہ اِتنے بڑے باوقار شخصوں کی شان سے بعید ہے دوم یہ کہ موسےٰ ؑ تو وہ ہیں جنہوں نے باوجود سفر کی تکان اور بھوک کی شدت کے شعیب علیہ السلام کے جانوروں کو مفت پانی کھینچ کر پلا دیا ۔ اور اپنے حال اور ضرورت کی شکایت صرف خدا تعالےٰ سے کی ۔ جیسا کہ فرمایا :۔

ثُمَّ تَوَلّٰىٓ اِلَى الظِّلِّ فَقَالَ رَبِّ اِنِّىْ لِمَآ اَنْزَلْتَ اِلَىَّ مِنْ خَيْرٍ فَقِيْرٌ (قصص پ ۲۰)	پھر سائے کی طرف لوٹے تو کہنے لگے کہ اے میرے پروردگار ! بیشک میں اُس چیز کا جو تو مجھے اِسوقت بھیجے

اِن ہر دو کا جواب ظاہر شریع کے رو سے یہ ہے کہ شدتِ حاجت کے وقت سوال منع نہیں ہے ۔ اور اگر ایک وقت میں ایک شخص نے باوجود حاجت کے غِنا سے کام لیا ۔ تو دوسرے وقت میں وہ کام جو شرعًا درست ہے ۔ ناجائز نہیں ہوجاتا ۔ بیشک انبیاء علیہم السلام ایسی حاجات میں بھی خدا تعالےٰ ہی کی طرف رجوع لاتے ہیں ، جیسا کہ موسےٰ ؑ کے مدین والے قصے میں ہوا ۔ چنانچہ آنحضرت ﷺ کا بھی اسی قسم کا واقعہ ہے ۔ کہ جب طائف والوں نے آپ سے نہایت بدسلوکی کی ۔ اور آپ وہاں سے واپس لوٹے تو آپ نے یہ دعا کی :۔ اَللّٰهُمَّ اِلَيْكَ اَشْكُوْا ضُعْفَ قُوَّتِيْ (الحدیث زاد المعاد ج ۱)

لیکن باطن میں بحکم تکوینی سوال اسلئے پیدا کیا گیا ۔ کہ اِس سے دیوار کے بنانے کی تقریب پیدا کر کے موسےٰ ؑ کو شعیب علیہ السلام کے جانوروں کو پانی پلانے کا واقعہ یاد کرایا جائے ۔ پس جو بات امر تکوینی کے متعلق ہو ۔ اور ظاہر شرع میں بھی بشرائط جائز ہو ۔ اُسپر سوال وارد نہیں ہوسکتا ۔

۱۴۲ اَهْلَهَا ۔ اَهْل کا لفظ مکرر ذکر کیا گیا ہے ۔ یعنے اَتَيَآ اَهْلَ قَرْيَةِ میں بھی اَهْل کا لفظ کہا اور اسْتَطْعَمَآ اَهْلَهَا میں بھی اَهْل کا لفظ کہا ۔ حالانکہ یہاں دوسری دفعہ ضمیر هُمْ لانی چاہی تھی ۔ کیونکہ اِسم ضمیر اِسی لئے وضع

کیا گیا ہے۔ کہ اسم ظاہر کے تکرار کی ضرورت نہ رہے۔ اسکی وجہ امام رازی ہوتے یہ بیان کی ہے۔ کہ یہ تکرار تاکید کیلئے ہے۔ جیسا کہ اس شعر میں غراب کا لفظ مکرر ہے ۔

لیت الغراب غداة ینعب دائما - کان الغراب مقطع الاوداج

لیکن صاحب تفسیر رحمانی نے عارفانہ مذاق سے یہ لکھا ہے :-

" اور اسے مکرر ذکر کیا ۔ اسلئے کہ وہ لفظاً قریہ کی اور معناً اہل کی صفت ہے۔ پس اُسے (دوبارہ) "
" ذکر کرنا ضروری تھا۔ تاکہ وہ ہر دو کیلئے مستقیم ہو جائے۔ اور اگر اسے اھل کی صفت بنایا جاتا تو "
" اعتراض متوجہ نہ ہوتا اور بعض کی اصلاح کے جو اُس بستی میں تھے لیکن اہل بستی کا گناہ اُس بستی کی مذمت "
" اور اُسکی اصلاح کی منع کا سبب ہے۔ اور اگر اسے شرط کا جواب بنایا جاتا تو یہ سمجھا جاتا کہ اُنکا اِس بستی "
" میں آنا کھانا طلب کرنے کیلئے تھا۔ (حالانکہ یہ حقیقت نہ تھی) انتہی مترجماً "

ف ۱۴۳ یُرِیْدُ اَنْ یَّنْقَضَّ - اسجگہ ارادہ کو دیوار کی طرف نسبت کیا۔ حالانکہ ارادہ دیوار کا کام نہیں۔ یہ بطور استعارہ کے ہے۔ جس طرح ہم اپنی زبان میں کہیں ''دیوار گرا چاہتی تھی'' اسی طرح عربی زبان میں یُرِیْدُ بھی بطور استعارہ ہے اور مراد اس سے یہ ہے کہ وہ دیوار گرنے کے قریب تھی۔

ف ۱۴۴ فَاَقَامَہٗ - صحیح بخاری میں حضرت سعید بن جُبیر رح تابعی سے یوں نقل کیا ہے۔ کہ آپ نے اپنا ہاتھ اونچا کرکے فرمایا فَمَسَحَہٗ بِیَدِہٖ فَاسْتَقَامَ (کتاب التفسیر) یعنی خضر نے اُس دیوار کو اپنے دونوں ہاتھوں سے چھوا۔ تو وہ سیدھی کھڑی ہو گئی "۔

ف ۱۴۵ لَتَخَذْتَ - رسم الخط میں یہاں بغیر الف کے لکھا جاتا ہے۔ کیونکہ اسکی ایک قراءت لَتَخِذْتَ بھی ہے۔ پس اس صورت میں یعنے الف کو کتابت میں ترک کرنے سے دونوں قراءتیں جمع ہو سکتی ہیں۔ اور الف لکھنے سے صرف ایک ہی پڑھی جا سکتی ہے۔ دوسری نہیں۔

قَالَ هٰذَا فِرَاقُ بَيْنِيْ وَبَيْنِكَ ۚ سَاُنَبِّئُكَ بِتَاْوِيْلِ مَا

کہا (خضر نے) یہ ہے جُدائی میرے اور تمہارے درمیان، عنقریب میں بتاؤنگا تجھے اُن باتوں کی حقیقت

لَمْ تَسْتَطِعْ عَّلَيْهِ صَبْرًا ﴿۷۹﴾

جن پر تو صبر نہیں کر سکا ہے

ف ۱۴۶ هٰذَا فِرَاقُ - اس بات پر حضرت خضرؑ اور حضرت موسیٰ میں جُدائی ہو گئی۔ اس میں بھی چند سوال ہیں۔ کہ دیوار کا بلا اُجرت کھڑا کر دینا ظاہر شرع میں کوئی عیب نہیں تھا۔ پھر حضرت موسیٰؑ نے اعتراض کیوں کر دیا۔

اسکا جواب یہ ہے۔ کہ یہ اعتراض نہیں تھا۔ بلکہ بطورِ مشورہ کہا تھا۔ جیسا کہ الفاظ لَو شِئْتَ سے سمجھا جاسکتا۔
دوسرا سوال یہ ہے۔ کہ اگر بستی والوں نے اُنکو کھانا نہیں دیا تھا۔ تو ایسے چھوٹے سے معاملہ میں ایک نبی اللہ کا
ایسا منتقمانہ جذبہ اُسکی شان کے خلاف ہے۔ اسکا **جواب** یہ ہے۔ کہ احسان بعض وقت واجب ہوتا ہے اور
بعض وقت اختیاری ہوتا ہے۔ اگر مسافروں کو قوت وگذارہ کے لئے طعام دینا واجبات سے سمجھا جائے۔ جیسا کہ
آیات واحادیث سے سمجھا جاتا ہے۔ اور ایک گروہ علماء کا اسکا قائل بھی ہے تو موسٰیؑ کا یہ انتقام بجا ہے اور اگر واجب
نہ سمجھا جائے تو خضرؑ پر بھی دیوار کا مفت بنادینا واجب نہیں پس موسٰیؑ کا یہ مشورہ کہ اگر آپ چاہتے تو اِن سے کچھ
حاصل کرسکتے تھے۔ بیجا نہیں ہے۔ تیسرا **سوال** یہ ہے۔ کہ جب حضرت موسٰیؑ کا یہ قول بطورِ اعتراض نہیں۔ بلکہ بطور
مشورہ ہے۔ تو خضرؑ نے اُن کو اِس بات پر جُدا کیوں کر دیا؟ اسکا **جواب** یہ ہے۔ کہ اعتراض یا مشورہ پر جُدا نہیں کیا۔ بلکہ
شرط ٹوٹنے اور عذر پورا ہوجانے کی وجہ سے جُدا کیا۔ کیونکہ شرط یہ تھی کہ از خود کچھ نہ پوچھنا اور دو دفعہ کے بعد حضرت
موسٰیؑ نے خود کہا تھا۔ اِنْ سَاَلْتُكَ عَنْ شَيْءٍ بَعْدَهَا فَلَا تُصَاحِبْنِيْ قَدْ بَلَغْتَ مِنْ لَّدُنِّيْ عُذْرًا ہ

یہاں پر واقعات ختم ہوگئے۔ اسکے بعد اُنکی حقیقت کی تفصیل ہے۔ حافظ ابن حجرؒ فتح الباری میں ثعلبی سے
نقل کرتے ہیں۔ کہ اسپر خضرؑ نے موسٰیؑ سے کہا:۔
"وہ کیا تو ملامت کرتا ہے مجھے کشتی کے توڑنے پر اور اِس لڑکے کے قتل پر اور دیوار کے سیدھا کرنے پر
اور بھلا دیا تو نے اپنے آپ کو جبکہ تو ڈالا گیا تھا دریا میں۔ اور جبکہ تو نے قتل کیا تھا قبطی کو اور
جبکہ تو نے بہ نیت ثواب پانی پلایا تھا شعیبؑ کی بیٹیوں کی بکریوں کو" انتہی مترجما (کتاب التفسیر)
اسکی تشریح یوں ہے۔ کہ پہلا واقعہ کشتی کا تختہ توڑنے کا ہے۔ جو ظاہر شرع کے رو سے بدو وجہ قابل اعتراض
ہے۔ اوّل نقصانِ ناحق، دوم احسان کا بدلہ بُرائی۔ لیکن باطن میں اِن کشتی والوں کی ہمدردی تھی کہ انکی کشتی کو کسیقدر
عیب دار کرکے ایک غاصب سے بچا دیا۔ اور یہ بات کہ نیک نیتی سے کسی کا جزوی و عارضی حرج کرکے اسکو بڑے اور دائمی نقصان
سے بچا دیا جائے۔ شریعت کے بھی خلاف نہیں۔ یہی صورت اور حقیقت خود موسٰیؑ پر انکی ولادت کے وقت وارد ہوچکی
تھی کہ اللہ تعالٰی نے آپ کی والدہ ماجدہ کو الہام کیا کہ "بچے کو صندوق میں رکھکر دریا میں بہادو" بظاہر اس میں ہونے والے
کی ہلاکت کا خوف تھا۔ لیکن باطن میں موسٰیؑ کی خیر خواہی تھی۔ کہ آپ کو فرعون کے ظالمانہ حکم قتل سے محفوظ رکھا جائے
کیونکہ اُن دنوں فرعون کا عام حکم تھا۔ کہ بنی اسرائیل کے ہاں جو بھی فرزند نرینہ پیدا ہو اُسے قتل کردیا جائے۔ سو صندوق
میں ڈالنے اور دریا میں بہادینے کی تدبیر سے فرعون کے اہلکاروں کو جو اس قسم کی ڈیوٹی پر متعین تھے۔ علم نہ ہوسکا
کہ یہ بنی اسرائیل کا بچہ ہے۔ اور خدا کے حکم تکوینی سے پانی نے اُس صندوق کو کنارہ دریا کے اُس موقع پر لگا دیا۔ جہاں سے
فرعون کے آدمیوں نے صندوق کو مالِ لاوارث سمجھکر پکڑ لیا۔ اور بادشاہ کے حضور پیش کردیا۔ اسکے بعد جو کچھ ہوا وہ قرآن شریف
میں سورہ قصص پ۲۰ میں مفصل مذکور ہے۔ سو خضر علیہ السلام کشتی توڑنے کی حقیقت یوں بیان کرتے ہیں:۔

اَمَّا السَّفِيۡنَةُ فَكَانَتۡ لِمَسٰكِيۡنَ يَعۡمَلُوۡنَ فِى الۡبَحۡرِ

لیکن کشتی سو وہ چند مسکینوں کی تھی جو دریا میں روزی کمانیکا کام کرتے تھے

فَاَرَدْتُّ اَنْ اَعِيْبَهَا وَكَانَ وَرَآءَهُمْ مَّلِكٌ يَّاْخُذُ

پس میں نے چاہا کہ اُسے (کسی قدر) عیب دار کردوں کیونکہ اُن کے سامنے (آگے) ایک بادشاہ تھا جو پکڑ لیتا تھا

كُلَّ سَفِيْنَةٍ غَصْبًا ﴿۸۰﴾

ہر (اچھی) کشتی کو غصب سے ۸۰

۱۴۷ لُغات اَمَّا تفصیل کیلئے ہے۔ اور فَ فصیحیہ ہے۔ جو اَمَّا تفصیلیکی خبر پر لانا آیا کرتی ہے۔ اور وَكَانَ کی واو علت کیلئے ہے (قاموس) وَرَآءَ کا لفظ ذوات الاضداد میں سے ہے۔ پیچھے اور آگے دونوں معنے میں آتا ہے۔ (قاموس۔ اتقان) اسجگہ آگے اور سامنے کے معنے میں ہے جدھر کو وہ کشتی جا رہی تھی۔ غصب کسی کی چیز زبردستی بے بغیر حق کے چھین لینے کو کہتے ہیں۔ كُلَّ سَفِيْنَةٍ اسجگہ سفینۃ صحیحۃ مراد ہے۔ بدلیل اَنْ اَعِيْبَهَا پس یہ کلیہ مقیدہ و مشروط با موصوفہ بوصف صحت ہے۔ نہ مطلقاً۔

۱۴۸ مسئلہ۔ باوجود روزی کمانے کا کام کرنے کے اُنکو مساکین کہا ہے۔ امام شافعیؒ اس آیت سے مسکین اور فقیر میں یہ فرق کرتے ہیں۔ کہ مسکین وہ ہے۔ جو روزی کماتا ہو لیکن اُسکی کمائی اُسکے خرچ کیلئے کافی نہ ہو یعنے تنگی سے گذارہ چلتا ہو۔ خدا تعالےٰ نے صدقات میں اس قسم کے لوگوں کا بھی حق رکھا ہے۔ اور فقیر شکستہ حال اور نادار کو کہتے ہیں کیونکہ فقیر کا اشتقاق فقار سے ہے۔ اور فقار کمر کے مہرے کی ہڈیوں کو کہتے ہیں۔ پس فقیر وہ جو کمر شکستہ ہو۔ چنانچہ قاموس میں ہے۔ الفقیر الکسیر الفقار یعنے شکستہ اُستخوان پشت (منتہی الارب)

دوسرا واقعہ لڑکے کے قتل کا ہے۔ اسکی تشریح یوں ہے۔ کہ موسیٰؑ کو اسپر اس وجہ سے اعتراض ہوا۔ کہ اُس لڑکے سے کوئی امر جو موجب قتل ہو اُسکے سرزد نہیں ہوا۔ تو اُسے کیوں قتل کیا گیا۔ اصل میں اسکی حقیقت یہ تھی کہ اس لڑکے سے اپنے مومن والدین پر ظلم و زیادتی کا اندیشہ تھا تو مومنوں سے ظلم دور کرنے کیلئے ظالم کو ہلاک کر دیا گیا۔ اِس جنس کا واقعہ خود موسیٰؑ سے بھی سرزد ہو چکا تھا۔ جبکہ آپ نے اپنے مومن اور قومی بھائی کی حمایت میں ظالم قوم کے ایک فرد کو مکا رسید کیا۔ اور وہ مر گیا جس کا نتیجہ یہ ہوا ہے۔ کہ وہ مومن اُس فرعونی ظالم کے ظلم و تعدی سے بچ گیا۔ اگرچہ موسیٰؑ سے یہ کام بلا قصد و عمد اتفاقاً ہو گیا۔ اور خضرؑ نے لڑکے کو عمداً قتل کیا۔ لیکن اسمیں بھی قدرت کا وہی راز تھا۔ کہ حضرت موسیٰؑ کو اُس قبطی کے قتل کا سبب حکم تکوینی سے بنایا تھا۔ فافهم ولا تغفل۔ چنانچہ حضرت خضر علیہ السلام اُس کی حقیقت یوں بیان کرتے ہیں:۔

---

۱۴۸ امام شافعی کتاب الام میں فرماتے ہیں ۱۲ منہ

وَاَمَّا الْغُلٰمُ فَكَانَ اَبَوٰهُ مُؤْمِنَيْنِ فَخَشِيْنَآ اَنْ

اور لیکن وہ لڑکا سو تھے ماں باپ اُسکے دونوں ایماندار پس ہمکو اندیشہ ہوا کہ (کہیں)

يُّرْهِقَهُمَا طُغْيَانًا وَّكُفْرًا ﴿۸۱﴾ فَاَرَدْنَآ اَنْ يُّبْدِلَهُمَا

یہ لڑکا غالب نہ آجاوے اُن پر سرکشی کر کے اور کفر کر کے ۸۱ تو ارادہ کیا ہمنے کہ بدل دیوے اُنکو

رَبُّهُمَا خَيْرًا مِّنْهُ زَكٰوةً[۱۵۰] وَّاَقْرَبَ رُحْمًا[۱۴۹] ﴿۸۲﴾

پروردگار اُن کا بہتر اُس سے پاکیزگی میں اور زیادہ قریب رحم میں ۸۲

۱۴۹ لغات رُحْمًا (ر کی پیش اور ح کے سکون یعنے جزم سے) اسکے متعلق اہل لغت کے دو قول ہیں چنانچہ صحیح بخاری میں ہے۔ رُحْمًا مِنَ الرُّحْمِ وَهِيَ اَشَدُّ مُبَالَغَةً مِّنَ الرَّحْمَةِ وَيُظَنُّ اَنَّهٗ مِنَ الرَّحِيْمِ وَتُدْعٰى مَكَّةُ اُمَّ الرُّحْمِ اَىِ الرَّحْمَةُ تَنْزِلُ بِهَا (کتاب التفسیر)

"یعنے یہ لفظ رُحم یا رُحُم سے (بمعنے قرابت) مشتق ہے۔ جسمیں رحمت کی نسبت زیادہ مبالغہ ہے اور

"بعض کا خیال ہے۔ کہ یہ رحیم سے (بمعنے رحمت) مشتق ہے۔ اسی لئے مکہ شریف کا نام اُمّ الرُّحم ہے یعنے

" وہاں رحمت نازل ہوتی ہے۔ (کتاب التفسیر)

یہ عاجز کہتا ہے۔ کہ رحمت سے مشتق سمجھنا زیادہ اچھا ہے۔ کیونکہ بیٹے کے لئے قرابت کا ذکر کرنے کی ضرورت نہیں۔ بلکہ حسنِ سلوک اور شفقت میں زیادہ قریب ہونا باوجہ ہے۔ جیسا کہ فرمایا وَاخْفِضْ لَهُمَا جَنَاحَ الذُّلِّ مِنَ الرَّحْمَةِ (بنی اسرائیل پ۱۵) یعنے اے انسان! جھکا دے واسطے اُن دونوں (ماں باپ) کے بازو عاجزی کے شفقت کے خیال سے۔"

۱۵۰ خَيْرًا مِّنْهُ زَكٰوةً سے طہارتِ نفس مُراد ہے۔ جس کا تعلق عبادتِ الٰہی سے ہے۔ اور اَقْرَبَ رُحْمًا میں اخلاقی حالت کا بیان ہے۔ جس میں نرمی اور مہربانی پائی جائے۔ اور نیکی میں کمال دونو ہی جانب سے ہوتا ہے۔ خدا کی عبادت سے اور خلق اللہ سے شفقت سے، بہت لوگ عبادت میں مرتاض ہوتے ہیں۔ لیکن خلق اللہ سے انکا تعلق حسنِ سلوک سے نہیں ہوتا۔ اور بہت سے خلق اللہ پر شفیق ہوتے ہیں۔ لیکن خدا کی عبادت میں سُست ہوتے ہیں۔ یہ ہر دو طرح کے لوگ ناقص الاحوال ہیں۔ کامل وہی ہیں جو دونوں وصفوں کے مالک ہوں۔ رَزَقَنَا اللّٰهُ مِنْهُمَا،

باقی رہا تیسرا واقعہ، یعنے دیوار کا قائم کرنا سو اُسکی حقیقت یوں ہے:۔

وَاَمَّا الْجِدَارُ فَكَانَ لِغُلٰمَيْنِ يَتِيْمَيْنِ[۱۵۱] فِى الْمَدِيْنَةِ

اور لیکن وہ دیوار پس تھی وہ دو یتیم لڑکوں کی جو اسی شہر میں ہیں

وَكَانَ تَحْتَهٗ كَنْزٌ لَّهُمَا[۱۵۲] وَكَانَ اَبُوْهُمَا صَالِحًا[۱۵۳]

اور تھا نیچے اُسکے خزانہ اُن کا، اور تھا باپ اُن کا ایک صالح (آدمی)

فَاَرَادَ رَبُّكَ اَنْ يَّبْلُغَآ اَشُدَّهُمَا وَيَسْتَخْرِجَا كَنْزَهُمَا

پس چاہا تیرے رب نے کہ پہنچ جاویں وہ دونوں اپنی جوانی کو اور نکال لیویں خزانہ اپنا،

رَحْمَةً مِّنْ رَّبِّكَ[۱۵۴] وَمَا فَعَلْتُهٗ عَنْ اَمْرِىْ[۱۵۵] ذٰلِكَ

(یہ سب) بسبب تیرے رب کی مہربانی کی وجہ سے (ہوا)، اور نہیں کیا میں نے اِسکو اپنے اختیار سے، یہ ہے

تَاْوِيْلُ مَا لَمْ تَسْطِعْ عَّلَيْهِ[۱۵۶] صَبْرًا ﴿۸۲﴾

حقیقت اُن باتوں کی جن پر تو صبر نہ کر سکا ۸۲،

۱۵۱ لِغُلٰمَيْنِ يَتِيْمَيْنِ، یتیم اُسے کہتے ہیں۔ جس کا باپ گذر گیا ہو۔ اور وہ نابالغ ہو۔ بدلیل اَنْ يَّبْلُغَآ اَشُدَّهُمَا اور غلام بھی نابالغ لڑکے کو کہتے ہیں۔ (لسان العرب) حضرت یوسف ؑ جب کنوئیں میں ڈالے گئے تو اسوقت اُن پر غلام کا لفظ بولا گیا۔ هٰذَا غُلٰمٌ (یوسف پ۱۲) اور حضرت خضر ؑ نے جس لڑکے کو قتل کیا اُسکو بھی غلام کہا گیا ہے۔ اور اِن دونوں لڑکوں کو بھی غُلٰمَيْنِ کہا گیا ہے اِن واقعات کے وقت یہ سب نابالغ تھے

۱۵۲ كَنْزٌ لَّهُمَا اِس کنز (خزانہ) کے متعلق قرآن وحدیث میں تصریح نہیں ہے۔ کہ وہ کس جنس سے تھا۔ آیا مال کی جنس سے تھا۔ یا نصیحت وہدایت کے مکتوبات کی جنس سے، اسلئے ہم معین نہیں کر سکتے،

۱۵۳ وَكَانَ اَبُوْهُمَا صَالِحًا اِس سے معلوم ہوا اللہ تعالیٰ کو صلاحیت اسقدر پسند ہے کہ وہ صالحین کے اٰل واولاد ہر دو کی حفاظت حکمِ تکوینی سے کرتا ہے۔ اور اُنکو ظالموں کے شر سے محفوظ رکھتا ہے۔ اللّٰھم احفظنی

۱۵۴ رَحْمَةً مِّنْ رَّبِّكَ یعنے یہ سلوک خدا تعالےٰ کی مہربانی سے ہوا۔ اِستحقاق کی وجہ سے نہیں۔

۱۵۵ وَمَا فَعَلْتُهٗ عَنْ اَمْرِىْ ، ہٗ ضمیر واحد ہے۔ ظاہر یہ ہے۔ کہ اِسی ایک اخیری واقعہ کے لئے ہو۔ اور ہو سکتا ہے کہ اِن تینوں واقعات کے لئے ہو یعنے كُلُّ وَّاحِدٍ مِّنْ هٰؤُلَاءِ،

جو لوگ حضرت خضر ؑ کی نبوت کے قائل ہیں۔ وہ منجملہ انکی نبوت کے اور دلائل کے ایک یہ دلیل بھی پیش کرتے ہیں۔

۱۵۶ تَسْطِعْ اصل میں تَسْتَطِعْ تھا۔ اِس مقام پر سؔ اور طؔ کے درمیان سے تؔ ساقط ہے۔ اِسی طرح اگلے رکوع میں ذوالقرنین کے قصے میں فَمَا اسْطَاعُوْٓا اَنْ يَّظْهَرُوْهُ میں بھی اِسْطَاعُوْا اصل میں اِسْتَطَاعُوْا تھا۔ اور یہاں بھی تؔ

فوائد متفرقہ

فائدہ نمبر۱ - شیخ بالی افندی رحہ نے شرح فصوص الحکم میں کہا ہے، کہ مروی ہے۔ کہ حضرت خضرؑ نے "شیخ محی الدین ابن عربی رحہ کو کشف میں فرمایا، کہ میں نے موسےؑ کے لئے ہزار مسئلہ ایسا تیار رکھا تھا جو" "اُن پر اُنکی ولادت کے دن سے میری ملاقات کے دن تک وارد ہُوا۔ لیکن اُن کو اُنکا کوئی علم نہیں تھا۔" "پس موسےؑ نے اُن میں سے تین پر بھی صبر نہ کیا۔ پس شیخ اکبرؒ نے حضرت خضرؑ سے اُن ہزار مسائل کی" "تفصیل پوچھی، تو حضرت خضرؑ نے اُن کو بتا دی۔ لیکن شیخ اکبرؒ نے وہ باتیں بلحاظِ ادب ذکر نہیں کیں۔"

یہ بات کہ حضرت خضرؑ کے پاس حضرت موسےؑ کے متعلق کچھ اور باتیں بھی تھیں، صحیح بخاری کی محولہ بالا حدیث سے بھی معلوم ہو سکتی ہے۔ چنانچہ اُس کے ختم پر آنحضرتؐ کے یہ الفاظ ہیں:-

وَدِدْنَا اَنَّ مُوْسٰى كَانَ صَبَرَ حَتّٰى يَقُصَّ اللّٰهُ مِنْ خَبَرِهِمَا (کتاب التفسیر)	ہماری خواہش ہے۔ کہ حضرت موسٰیؑ صبر کرتے تو اللہ تعالیٰ اُن کی (اور) باتیں (بھی) بیان کرتا۔

اور فتح الباری کے حوالہ سے سابقاً صفحہ[۱] پر گذر چکا ہے۔ کہ رسول اللہؐ نے فرمایا:-

"خدا ہم پر بھی اور موسےؑ پر بھی رحم کرے۔ اگر وہ جلدی نہ کرتے تو عجیب عجیب باتیں دیکھتے۔ لیکن اُن کو" "اپنے صاحب یعنے خضرؑ سے شرم آگئی۔ تو کہا اِنْ سَاَلْتُكَ عَنْ شَيْءٍۭ بَعْدَهَا فَلَا تُصٰحِبْنِيْ۔"

پس ہر دو احادیث سے معلوم ہو سکتا ہے۔ کہ واقعات اور بھی تھے وَاللّٰهُ اَعْلَمُ

فائدہ نمبر۲ - واقعاتِ خضریہ اور واقعاتِ موسویہ کی مناسبت میں جو کچھ بیان ہُوا ہے۔ اُس سے معلوم ہو سکتا ہے۔ کہ حضراتِ انبیاء علیہم السلام کے واقعات کونیہ یعنے وہ اُمور جو اللہ تعالیٰ کے امر تکوینی کے ماتحت ہوتے ہیں۔ خدا تعالیٰ کے ارادہ خاص کے ماتحت واقع ہوتے ہیں جنمیں کئی قسم کی مصلحتیں ہوتی ہیں۔ چنانچہ موسےؑ کو عہدہ نبوت پر سرفراز فرمانے کے وقت اُنکو فرمایا:-

قَالَ قَدْ اُوْتِيْتَ سُؤْلَكَ يٰمُوْسٰى ۝ وَلَقَدْ مَنَنَّا عَلَيْكَ مَرَّةً اُخْرٰٓى ۝ اِذْ اَوْحَيْنَآ اِلٰٓى اُمِّكَ مَا يُوْحٰٓى ۝ اَنِ اقْذِفِيْهِ فِي التَّابُوْتِ فَاقْذِفِيْهِ فِي الْيَمِّ فَلْيُلْقِهِ الْيَمُّ بِالسَّاحِلِ يَاْخُذْهُ عَدُوٌّ لِّيْ وَعَدُوٌّ لَّهٗ ۭ وَاَلْقَيْتُ عَلَيْكَ مَحَبَّةً مِّنِّيْ ۥ وَلِتُصْنَعَ عَلٰي عَيْنِيْ ۝	فرمایا، اے موسٰیؑ تمہاری درخواست منظور اور ہم تم پر احسان کر چکے ہیں ایک اور بار بھی جب ہم نے تمہاری ماں کو الہام کیا۔ جواب تم پر وحی کیا جاتا ہے کہ اسے صندوق میں ڈال پھر اُس (صندوق) کو دریا میں ڈالدے پس ڈالدے اُسکو وہ دریا کنارے پر (جہاں سے) اُٹھا لے اُسے دشمن میرا اور دشمن اُسکا یعنے فرعون۔ اور (اے موسٰیؑ اُس حال میں) یعنے تجھ پر اپنی محبت ڈالدی (کہ تو سب کو پیارا لگے) اور اسلئے کہ تو

[۱] یعنے صفحہ ۔ ۱۲ منہ

إِذْ تَمْشِيٓ أُخْتُكَ فَتَقُولُ هَلْ أَدُلُّكُمْ
عَلَىٰ مَنْ يَكْفُلُهُ ۖ فَرَجَعْنَاكَ إِلَىٰٓ أُمِّكَ
كَيْ تَقَرَّ عَيْنُهَا وَلَا تَحْزَنَ ۚ وَقَتَلْتَ
نَفْسًا فَنَجَّيْنَاكَ مِنَ الْغَمِّ وَفَتَنَّاكَ
فُتُونًا ۚ فَلَبِثْتَ سِنِينَ فِيٓ أَهْلِ
مَدْيَنَ ۝ ثُمَّ جِئْتَ عَلَىٰ قَدَرٍ
يَٰمُوسَىٰ ۝ وَاصْطَنَعْتُكَ لِنَفْسِي ۝ (طٰہٰ پ۱۶)

جب چلی تیری بہن (تیرے صندوق کے پیچھے پیچھے) تو کہنے لگی کیا میں بتاؤں تمکو ایسے لوگ جو اس (بچے) کی کفالت کریں۔ پس (اس تدبیر سے) لوٹایا ہمنے تجھکو تیری ماں کی طرف تاکہ ٹھنڈی ہو آنکھ اسکی اور وہ (جدائی کا) غم نہ کرے۔ اور قتل کیا تونے ایک شخص کو (قبطیوں میں سے) پس نجات دی ہمنے تجھکو (اسکی پاداش کے) غم سے اور آزمائش میں ڈالا ہمنے تجھے (کئی بار) (لیکن سب میں انجام بخیر کرتے رہے) پھر تو ٹھیرا کئی سال تک اہل مدین میں اس کے بعد تو اب اس اندازے پر پہنچا ہے (جو تیرے لئے مقرر تھا) (مختصر یہ کہ) میں نے تجھ

سورتِ طٰہٰ کی اِن آیات میں ایک ایک بات کو جو خدا تعالےٰ نے موسےٰ کو جتائی ہے۔ غور سے دیکھو کہ کس طرح سے ہر ایک میں خدا تعالےٰ کی خصوصی عنایت جلوہ افروز ہے۔ اور کس مہربانی اور پیار سے خدا تعالےٰ وہ باتیں موسیٰ کو جتا رہا ہے ؟

موسیٰ کی خدا تعالےٰ سے یہ درخواستیں تھیں :-

شرح صدر - لکنت کی دوری - امرِ تبلیغ میں توفیق و آسانی - ہارونؑ کو نبی بنا کر ساتھ کرنا - اِن سب باتوں کی منظوری کی خوشخبری دینے کے بعد مذکورہ بالا احسانات جتلانے سے یہ مقصود ہے۔ کہ تم پر ہماری نظرِ عنایت آج سے نہیں جب تمکو رسالت بخشی ہے اور اُسکی انجام دہی کی ضرورتوں کیلئے تمنے یہ درخواست کی ہے بلکہ تمہاری پیدائش کے دن سے

حافظ ابن حجرؒ نے فتح الباری (کتاب التفسیر) میں حضرت موسےٰؑ اور حضرت خضرؑ کے قصے والی حدیث کے ضمن میں حسب عادت چند فوائد ذکر کئے ہیں جن کا ترجمہ حسب ذیل ہے :-

فائدہ نمبر ۳ - اِس حدیث میں چند فوائد ہیں۔ سوا اُن کے جو سابقاً ذکر ہو چکے، علم کی زیادتی کی "خواہش کا پسندیدہ امر ہونا - اور اس کے حاصل کرنے کیلئے سفر کرنا - اور بزرگوں کی ملاقات - اور اس میں مشقتوں کا برداشت کرنا - اور اس میں تابعداروں کی مدد کا حاصل کرنا - اور لفظ فتیٰ کا استعمال تابع وغیرہ کیلئے اور بوقت ضرورت کسی آزاد سے خدمت کا لینا - اور خادم کا اپنے مخدوم کی فرمانبرداری کرنا اور بھولنے والے کا عذر و معذرت، اور کسی غیر مسلم سے ہبہ (وغیرہ احسانی سلوک) کا قبول کرنا - حافظ صاحبؒ نے اِسکے بعد حضرت خضرؑ کی نبوت کا ذکر کیا ہے جسے ہم انشاء اللہ فائدہ نمبر ۴ میں بیان کرینگے۔ ذکرِ نبوت کے بعد حافظ صاحبؒ نے فوائد کے ضمن میں یہ بھی فرمایا ہے :-

"لیکن جسنے اِس سے دلیل پکڑی بہت شدید ضرر کو خفیف ضرر سے ہٹا لینے پر اور بعض منکر کاموں "
"پر خشم کرنے پر اِس خوف سے کہ (مبادا) اِس سے زیادہ سخت (منکر) امر پیدا ہو جلئے۔ اور بعض مال کے "
"نقصان پر واسطے بڑے مال کی اصلاح کے، مثلاً جانور کو موٹا کرنے کے لئے خصّی کر دینا اور پہچان "
"اور تمیز کے لئے اُسکے کان کاٹ دینا۔ اور یتیم کے ولی کا سلطان وقت سے یتیم کے کسیقدر "
"مال پر مصالحت کر لینا۔ بخوف اِسکے کہ سارا نہ لے لیا جائے۔ پس یہ (سب کچھ) درست ہے لیکن "
"(صرف) اُن امور میں جو منصوصِ شرع کے خلاف نہ ہوں۔ لیکن نہیں جائز ہے۔ اقدامِ قتل "
"اُس شخص کا جس سے متوقع ہو بہت سی جانوں کا قتل کر دینا پیشتر اس کے کہ اُس سے سرزد "
"ہو کوئی ایسی حرکت اور خضرؑ نے تو صرف اسلئے کیا تھا کہ خدا تعالےٰ نے اُن کو اِسکی بابت "
"اطلاع دیدی تھی۔ (کتاب التفسیر) "

فائدہ نمبر ۴ ۔ خضرؑ نبی تھے۔ یا ولی۔ ہر دو طرف علما کی ایک جماعت گئی ہے۔ چونکہ ہم اُنکو نبی ماننے والوں سے متفق ہیں۔ اِسلئے ہم فتح الباری ہی سے اِس امر کے دلائل بیان کرتے ہیں۔ حافظ ابن حجر رح فرماتے ہیں:۔

"(امام) قرطبیؒ نے کہا وہ (خضرؑ) جمہور (علماء) کے نزدیک نبی ہے۔ اور آیت (قرآنی) "
"اُسکی شہادت دیتی ہے۔ کیونکہ نبی اللہ اپنے سے کمتر سے علم حاصل نہیں کر سکتا۔ اور نیز اسلئے کہ "
"باطن کے حکم پر سوائے انبیاء اللہؑ کے کوئی مطلع نہیں ہو سکتا" (انتہیٰ مترجماً) (کتاب الانبیاء)

اور کتاب التفسیر میں یوں فرمایا:۔

"اِس سے اثبات پر استدلال کیا گیا ہے۔ کہ خضرؑ نبی ہیں۔ اور اِسکی کئی وجوہ ہیں۔ جنپر میں اِس "
"سے پیشتر (کتاب الانبیاء میں) آگاہ کیا ہے۔ اور (قول خضرؑ) وَمَا فَعَلْتُهُ عَنْ أَمْرِي سے یعنے "
"یعنے یہ بات از خود نہیں کی ؟ اور موسیٰ رسول خدا کا خضرؑ کا پیرو ہونے سے تاکہ اُن سے علم و عمل "
"کریں۔ اور (نیز) اِس سے کہ اُن کو مطلقاً اُس (موسیٰ) سے زیادہ علم والا کہا گیا ہے۔ اور ایک جان کے "
"قتل کا اقدام کرنے سے بوجہ اُس کے جسکی بعد میں تشریح کیگئی۔ اور اِس کے سوا اور دلائل "
"سے بھی" (شرح کتاب التفسیر انتہیٰ مترجماً)

فائدہ نمبر ۵ ۔ حضرت خضرؑ زندہ ہیں یا فوت شدہ

اِس امر میں بھی علما دونوں طرف گئے ہیں حافظ ابن حجر رح فتح الباری میں فرماتے ہیں:۔

"(محدث) ابن الصلاح نے کہا کہ وہ جمہور علما کے نزدیک (خضرؑ) زندہ ہیں۔ اور (اسمیں) "
"عوام بھی اُن کے ساتھ ہیں۔ اور صرف بعض محدثین انکار کے ساتھ الگ ہوئے ہیں اور "

"امام نووی رحمۃ نے بھی امام ابن صلاح رح کی پیروی کی ہے۔ اور یہ بات زیادہ ذکر کی ہے۔ کہ"
"یہ امر صوفیہ اور اہل صلاحیت میں متفق علیہ ہے۔ اور اُن کے حضرت خضرؑ کو دیکھنے اور اُس سے"
"ملاقات کرنے کی حکایتیں اِس سے زیادہ ہیں کہ گنی جاسکیں۔ (انتہٰی)

پھر اِسکے بعد اُن محدثین کا ذکر کرکے جو اُنکی زندگی کے قائل نہیں ہیں۔ اُن کی طرف سے یہ حدیث بیان کی ہے۔ کہ آنحضرت صلعم نے اپنی حیاتِ طیبہ کے آخری ایام میں فرمایا تھا۔ کہ نہیں باقی رہیگا۔ کوئی بھی روئے زمین پر بعد ایک سو سال کے اُن میں سے جو آج اُسپر موجود ہیں (صحیح مسلم) پھر قائلین کی طرف سے اُسکا جواب یہ ذکر کیا ہے۔ کہ حضرت خضرؑ اُسوقت الپشتِ زمین پر نہیں بلکہ سطح بحر پر تھے۔ اور نیز یہ کہ وہ اِس حدیث سے مستثنےٰ ہیں جس طرح کہ ابلیس بالاتفاق مستثنےٰ ہے۔

حافظ صاحب رحمۃ نے اسکے بعد قائلین حیات اور غیر قائلین ہر دو گروہ کے نقلی دلائل بیان کئے ہیں اور دیکھنے والوں اور ملاقات کرنے والوں کی بہت سی حکایات ذکر کی ہیں۔ اور ہر دو فریق کے دلائل پر حسبِ عادت جرح بھی ساتھ ساتھ کرتے گئے ہیں۔ اور صرف دو روایتوں کو سالم رکھا ہے؛

اوّل یہ کہ ریاح بن عبیدہ رحؒ کہتے ہیں کہ مَیں نے ایک شخص کو عمر بن عبد العزیزؒ کے ساتھ اُس کے دونوں ہاتھوں پر اعتماد کرتے ہوئے چلتے دیکھا۔ جب وہ لَوٹ گیا تو مَیں نے کہا یہ شخص کون تھا۔ عمر بن عبد العزیزؒ نے کہا۔ کیا تو نے اُسے دیکھا۔ مَیں نے کہا "ہاں" اُس نے کہا حَسِبْتُكَ رَجُلاً صَالِحًا وہ میرا بھائی خضرؑ تھا اُس نے مجھے بشارت دی کہ مَیں عنقریب خلیفہ ہوؤنگا۔ اور عدل بھی کرونگا؛

اِسپر حافظ رحؒ کہتے ہیں:۔
اِسکے راوی بے خطر (جرح) ہیں اور مجھے اِس وقت تک کوئی خبر یا اثر جیّد سند کے ساتھ اس کے سوا معلوم نہیں ہُوئی۔ اور یہ اُس سَو سال والی حدیث کے معارض نہیں ہے۔ کیونکہ یہ واقعہ سَو سال (گذرنے) سے پیشتر کا ہے؛

دوسری روایت ابن عساکر کی بیان کی ہے۔ اور اِسکی سند کو صحیح کہا ہے:۔
"ابو زرعہ رازی رحؒ کے ترجمہ میں ابن عساکر نے صحیح سند کیساتھ بیان کیا کہ اُس نے اپنی جوانی کی عمر میں ایک شخص کو دیکھا جسنے مجھے امرا (حکام) کے دروازوں پر لگے رہنے سے منع کیا۔ پھر مَیں نے اُسے اُسی پہلی حالت پر اپنی اُس عمر میں دیکھا۔ جبکہ مَیں شیخ کبیر (بہت بوڑھا) ہوگیا تھا۔ پھر بھی اُس نے مجھے اِس بات سے منع کیا۔ پس مَیں متوجہ ہُوا کہ اُس سے کلام کروں۔ تو مَیں نے اُسے نہ دیکھا۔ پس میرے جی میں یہ واقع ہُوا۔ کہ یہ خضرؑ ہیں۔ اِسکے بعد اَور بھی حکایات لکھی ہیں۔

غرض اہل باطن تو بالاتفاق حضرت خضرؑ کی زندگی کے قائل ہیں۔ اور کہتے ہیں کہ وہ اُن لوگوں میں سے ہیں جنکو خدا تعالےٰ نے لمبی عمریں دی ہیں (مثلاً عیسےٰؑ وغیرہ) اور اہل ظاہر میں سے جمہور علماءِ متقدمین بھی انکے ساتھ ہم آواز ہیں لیکن زمانہ حال میں کہ اہل صلاحیت عنقا صفت ہیں اور اہل ظاہر میں سے بھی باطن کی صفائی والے خال خال نظر آتے ہیں، علمائے اہلحدیث کی عام رائے یہی ہے کہ حضرت خضرؑ فوت شدہ ہیں قطعی دلیل کسی طرف بھی نہیں اسلئے کسی فریق کو بالیقین صحت پر یا غلطی پر نہیں کہہ سکتے۔ باقی رہی میری اپنی ذات سو ہرچند کہ اُس گروہ سے ہر وصف میں کمتر ہوں۔ جسکی شکایت کر رہا ہوں۔ لیکن دِل اہل صلاحیت کیساتھ ہے۔ جیسا کہ کسی نے کہا ہے ؎

أُحِبُّ الصَّالِحِيْنَ وَلَسْتُ مِنْهُمْ	لَعَلَّ اللّٰهَ يَرْزُقُنِيْ صَلَاحًا

۱۵۸ وَيَسْئَلُوْنَكَ عَنْ ذِي الْقَرْنَيْنِ ۱۵۷ ط قُلْ سَاَتْلُوْا

اور (اے پیغمبرؐ) پوچھتے ہیں تجھ سے ذوالقرنین کی بابت تو کہہ ابھی پڑھونگا میں

عَلَيْكُمْ مِّنْهُ ذِكْرًا ۱۵۹ (۸۵)

تمپر اُس کا (کچھ) ذکر ۸۵

۱۵۷ وَيَسْئَلُوْنَكَ، امام رازی رحؒ نے کہا کہ ہم اِس سورت کی تفسیر کے شروع میں ذکر کر آئے ہیں کہ یہود نے مشرکین مکہ کو کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اصحاب کہف اور ذوالقرنین کے قصے اور روح کی حقیقت کی بابت سوال کریں پس خدا تعالےٰ کے قول وَيَسْئَلُوْنَكَ عَنْ ذِي الْقَرْنَيْنِ سے وہی سوال مراد ہے (اور اسی لئے اُس کے ابتدا میں واوِ عاطفہ لائی گئی ہے۔ کہ یہ عطف ہے پہلے يَسْئَلُوْنَكَ عَنِ الرُّوْحِ پر جو سورت بنی اسرائیل پ۱۵ میں مذکور ہے)۔

۱۵۸ سَاَتْلُوْا، کا سین استقبال قریب کے لئے ہے۔ اسی لئے ہمنے اِسکا ترجمہ اسکے مناسب "ابھی پڑھونگا" کیا ہے۔ اِسکے بعد متصلاً اِس قصے کی تفصیل مذکور ہے۔ پس یہ تفصیل لفظ سَاَتْلُوْا کے نزول کے بعد ہونے کی وجہ سے زمانہ مستقبل میں نازل ہوئی۔ فافہم

۱۵۹ **یہ ذوالقرنین کون تھا؟** مفسرین کے اِس میں اِتنے قول ہیں کہ اُن کا بیان ناظرین کیلئے موجب پریشانی ہوگا۔ (۱) شیخ شیخنا حضرت نواب صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ امام سہیلی رحؒ نے کہا کہ علم تاریخ کے رُو سے ظاہر یہ ہے۔ کہ ذوالقرنین دو ہوئے ہیں۔ ایک حضرت ابراہیمؑ کے عہد میں تھا۔ اور دوسرا حضرت عیسےٰؑ کے عہد سے قریب (پہلے) تھا۔ کچھ کہا ہے۔ کہ حافظ ابن کثیر رحؒ نے سہیلی کے اسی قول کو ترجیح دی ہے۔ (ترجمان فتح البیان ۲۲۳)

(۲) امام رازی رح کا اپنا رُجحان اِس طرف ہے۔ کہ اِس سے مراد اسکندر بن فیلقوس یونانی ہے۔

اُستاذ مکرم حضرت مولنا رحمۃ اللہ علیہ[له] فرمایا کرتے تھے۔ کہ امام رازی رح کا یہ قول درست نہیں (حالانکہ آپ امام رازی رح کے نہایت مدّاح تھے) کیونکہ سکندر یونانی کافر و بُت پرست تھا۔ اُسکا اُستاد اور وزیر ارسطو تھا۔ اور وہ بھی کافر و بُت پرست تھا۔ لیکن ذوالقرنین جس کا ذکر قرآن کرتا ہے۔ نبی تھا یا کم از کم مردِ صالح صاحبِ الہام تھا۔

(۳) مولنا ابوالکلام نے ترجمان القرآن میں بے ضرورت اور بے سُود ورقوں کے ورق سیاہ کر ڈالے اور آخر ایک بُت کی تصویر اوراقِ قرآن میں ضم کر دی ہے۔ جو نہایت جرأت کا کام ہے۔ بُت یا تصویر اُس شئے کی شخصیت کی شہادت نہیں دے سکتی جسکی وہ یادگار ہے۔ ہو سکتا ہے کہ مولنا کا اپنا فہم ہو یا لوگوں نے اُسے وہ نام دیدیا ہو۔ پھر یہ کہ مولنا نے سائرس کے ذوالقرنین بنانے میں جسقدر زور دیا ہے۔ اُسکی وقعت آپ کی خیال آرائی سے زیادہ نہیں ہے۔ کسی خاص شخص کی شخصیّت کے معین کرنے میں ایسے قیاس فیصلہ کُن نہیں ہو سکتے۔ پھر یہ کہ مولنا کے اِن سب قیاس آرائیوں کی بنا آپ کی طول کلامی پر ہے۔ جو اُنکی ہر تصنیف کے صفحے صفحے میں موجود ہوتی ہے۔ اور آپ کی ابوالکلامی کا کمال اِسی تکرار و طول نویسی اور ایک بات سے دوسری میں نکل جانے میں ہے۔ باقی خیر، ہمارا خیال ناقص یہ ہے۔ کہ جسے قرآن نے معیّن نہیں کیا۔ اور رسول اللہ صلعم نے بھی اُس کا پتہ بالصراحت نہیں بتایا اور پُرانی تاریخ قابلِ وثوق بالکل نہیں ہے۔ تو ہمیں اِس میں دماغ سوزی کی کیا حاجت۔ ذوالقرنین کے قصّے کو آنحضرت صلعم کی دعوتِ توحید اور تعلیمِ اعمالِ صالحہ اور عدل گستری اور مُفسدوں اور فتنہ انگیزوں کی ترسی مخلوقِ خدا کی حفاظت سے جو کچھ تعلق تھا۔ قرآن نے اُسے موعظت و عبرت کیلئے نہایت خوش اسلوبی سے بیان کر دیا ہے۔ اِسی لئے اسجگہ ذِکْرًا کو تنوین تنکیر ذکر کیا جو بمعنے تبعیض ہے یعنے اُسکا کچھ ذکر یعنے اتنا ذکر جسے میرے منصب اور میرے فرائضِ نبوّت سے تعلق ہے تمکو سُنا دونگا۔ پس قرآن کے اصل مقصد کو نگاہ رکھنا چاہیئے اور غیر ضروری اُمور میں پڑ کر اپنے اور اپنے ناظرین کے اوقات و اذہان کو ضائع و پریشان نہ کرنا چاہیئے۔ واللہ الہادی۔

ذُوالقرنین کی وجہ تسمیہ اِسی طرح اس بات کی تفصیل کہ اِس صالح بادشاہ کا نام ذوالقرنین کیوں پڑا۔ اِس میں بھی پریشان کُن مختلف اقوال ہیں اور اُنمیں بھی خدا تعالےٰ اور اُسکے رسول پاک صلعم کے قول سے کوئی نہیں ہے لہذا اس سے بھی سکوت بہتر ہے۔ اِس عاجز کے نزدیک اُسکا نام ہی یہی تھا۔ بدلیل قَالُوْا يٰذَا الْقَرْنَيْنِ۔ (تفسیر وحیدی)

له اِس ذاتِ گرامی سے مراد حضرت مولنا ابو عبد اللہ غلام حسن صاحب سیالکوٹی ہیں۔ جنکو حدیث کی سند حضرت نواب صاحب مرحوم سے تھی۔ عالم باعمل اور پورے مُتبع سُنّت اور زہد و استغنا اور اخلاقِ حسنہ کی وجہ سے محبوب تھے۔ بروز ... ۱۹۱۸ء سیالکوٹ میں فوت ہو گئے ۱۲

ذوالقرنین نبی تھا یا نہیں؟ ۱۶۰ ؎ اس میں بھی علماء کا ایک گروہ انکی نبوت کا قائل ہے۔ دوسرا محض ولایت کا، اور ظاہر ہے۔ کہ جہاں پر قرآن و حدیث کی تصریح نہیں وہاں پر اختلاف کا ہونا بعید نہیں اور اسکے بعد اُس اختلاف میں فیصلہ کرنا بہت دشوار ہے۔ قائلین کہتے ہیں۔ کہ اُسپر خدا کی وحی قُلْنَا یٰذَا الْقَرْنَیْنِ قرآن میں مذکور ہے۔ اور اُس میں امر بھی ہے اور نہی بھی۔ بہر حال صحیح علم خدا کو ہے۔ اور اُسکے صاحبِ الہام اور صالح و عادل اور خیر خواہِ مخلوقِ خدا ہونے میں شک نہیں ہے۔

اِنَّا مَکَّنَّا لَهٗ فِی الْاَرْضِ وَاٰتَیْنٰهُ مِنْ کُلِّ شَیْءٍ سَبَبًا ﴿۸۶﴾

تحقیق ہمنے اختیار بخشا اسکو زمین میں اور دیا ہمنے اسکو ہر شے میں سے (کچھ کچھ) سامان ۱۶۲

۱۶۰ ؎ اِنَّا بصیغہ جمع اپنی جلالت کے لحاظ سے فرمایا کہ ہمنے اپنی شانِ عظمت و جلالت سے اُسکے لئے ہر طرح کے اسباب مہیا کر دیئے تھے۔

۱۶۱ ؎ مَکَّنَّا لَهٗ، تمکین کے معنے اختیار و قدرت اور زور و حکمرانی بخشنے کے ہیں، (منتہی الارب) یہ فعل لام کیساتھ اور بغیر لام کے ہر دو طرح مستعمل ہے۔ آیت استخلاف میں فرمایا:- (وَلَیُمَکِّنَنَّ لَهُمْ دِیْنَهُمْ (نور پ۱۸) نیز فرمایا اَلَّذِیْنَ اِنْ مَّکَّنّٰهُمْ فِی الْاَرْضِ اَقَامُوا الصَّلٰوةَ الآیہ (حج پ۱۷)

۱۶۲ ؎ مِنْ کُلِّ شَیْءٍ سَبَبًا اِس سے یہ مراد ہے کہ جن اسباب کی ذوالقرنین کو اپنے ضروری مقاصد کے لئے ضرورت تھی۔ اُن میں سے ہمنے اُسکو کچھ کچھ عنایت کر دیا تھا۔ آگے اِسلئے فرمایا کہ ہر شے کا کُلی احاطہ خاصہ خداوندی ہے، انسان ہو، جن ہو، فرشتہ ہو، بادشاہ ہو، نبی ہو، ولی ہو، فلاسفر ہو، پہلوان ہو، دستکار دکاریگر ہو۔ دین کا عالم ہو۔ دنیا کا ہو۔ غرض کسی کمال کا صاحب ہو۔ اوّل تو اُسکی یہ بات ہے کہ اُسکا یہ کمال ذاتی نہیں۔ بلکہ خدا کی داد ہے۔ دوئم یہ کہ وہ قابلیت اُسکو ایک دو امروں میں حاصل ہوتی ہے۔ تمام اُمور میں نہیں ہوتی۔ سوئم یہ کہ اُن ایک دو امروں میں بھی حقیقی کمال نہیں ہوتا۔ بلکہ اسکی ضروریات کی مناسب حد تک حاصل ہوتا ہے۔ قرآن شریف میں یہ نکتہ عام طور پر خصوصیت سے ملحوظ ہے۔ ملاحظہ ہوں آیات ذیل :-

عِلم کی نسبت فرمایا:- وَلَا یُحِیْطُوْنَ بِشَیْءٍ مِّنْ عِلْمِهٖۤ اِلَّا بِمَا شَآءَ (آیت الکرسی پ۳) یعنے نہیں گھیر سکتے خدا کے معلومات میں سے مگر بقدر اُسکے جو خدا چاہے۔ نیز فرمایا :- وَفَوْقَ کُلِّ ذِیْ عِلْمٍ عَلِیْمٌ (یوسف پ۱۳) یعنے ہر صاحبِ علم سے فائق تر دوسرا صاحبِ علم ہے۔

اور شاہی اقتدار کی نسبت سلیمانؑ کی زبانی ذکر فرمایا - وَاُوْتِیْنَا مِنْ کُلِّ شَیْءٍ (نمل پ۱۹) یعنے ہمکو خدا تعالے نے (شایانِ بادشاہی کی) ہر شے میں سے کچھ کچھ عنایت کیا ہے۔

اِسی طرح بلقیس کے بیان میں ہُدہُد کی رپورٹ میں ذکر کیا۔ وَاُوْتِيَتْ مِنْ كُلِّ شَيْءٍ (نمل پ ۱۹) یعنے خدا نے
اُس شہزادی کو (سامانِ بادشاہی کی) ہر شئے میں سے کچھ کچھ دیا ہے۔

اور حضرت موسےٰؑ اور حضرت خضرؑ کے بیان میں صفحہ ۶۷ پر حاشیہ ۱۲۷ کے ضمن میں آپ پڑھ آئے ہیں کہ حضرت خضرؑ نے کہا
کہ اے موسیٰ میرا اور تمہارا اور جملہ مخلوق کا علم خدا کے علم کے سامنے اتنا ہے جتنا اس چڑیا نے اپنی چونچ ڈبو کر دریا کا پانی لیا۔
حاصل کلام یہ کہ ہر شئے کا احاطہ کلی کیا از روئے اختیار و قدرت اور کیا از روئے علم و خبرت خاصۂ خداوندی ہے جیسا کہ
فرمایا لِتَعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ۙ وَّاَنَّ اللّٰهَ قَدْ اَحَاطَ بِكُلِّ شَيْءٍ عِلْمًا (الطلاق پ ۲۸)
تاکہ تم جان لو کہ بیشک اللہ ہر شئے پر قدرت رکھتا ہے۔ اور یہ بھی (جان لو) کہ خدا تعالےٰ نے ہر شئے کو اپنے علم سے بھی گھیر رکھا ہے
قرآن شریف کے اِس نکتہ کو نگاہ میں رکھنے سے آدمی شرک میں نہیں پڑ سکتا۔ اور اُسکی جان مخلوق پرستی کی آفت
سے بچ جاتی ہے۔ کیونکہ جب خدا کے سوا کلی قدرت اور کلی علم کسی کو نہیں تو کسی غیر کی عبادت کیوں کیجائے۔

فَاَتْبَعَ سَبَبًا ﴿۸۵﴾ حَتّٰٓى اِذَا بَلَغَ مَغْرِبَ الشَّمْسِ ۱۶۴ وَجَدَهَا

پس (دُوسرے) ذریعے (سامان کے) پیچھے ہوا وہ ۱۶۳ (اور چلتا رہا) حتیٰ کہ جب پہنچا سورج ڈوبنے کے مقام پر، تو معلوم کیا

تَغْرُبُ فِيْ عَيْنٍ حَمِئَةٍ وَّوَجَدَ عِنْدَهَا قَوْمًا ﴿۸۶﴾

اُسے ڈوبتا ہوا بیچ چشمے کیچڑ والے کے اور پائی نزدیک اُس (چشمہ) کے ایک قوم ۱۶۵

۱۶۳ فَاَتْبَعَ سَبَبًا ۔ اِس رکوع میں ذوالقرنین کی تین بڑی مہموں کا ذکر ہے۔
پہلا مغرب کی طرف کا تھا۔ سو یہ اُسکا بیان ہے۔

۱۶۴ مَغْرِبَ الشَّمْسِ ۔ زمین گُروی ہے۔ یا مُسطح، قدیم زمانہ میں زیر نزاع رہا۔ لیکن زمانۂ حال میں اُسکے گُروی ہونے پر تمام جہان کا اتفاق ہے۔ پہلے زمانہ میں بھی جب سے علوم عقلیہ زبان عربی میں ترجمہ ہوئے ائمہ مسلمین کا اِسکے گُروی ہونے پر اتفاق رہا ہے۔ چنانچہ حافظ ابن حزم قرطبی رحؒ جو جامعیتِ علوم میں اسلامی دنیا میں اپنے پہلے اور اپنے پیچھے سوائے شیخ الاسلام امام ابن تیمیہ رحؒ کے کوئی نظیر نہیں رکھتے۔ اپنی مایۂ ناز کتاب الفصل میں فرماتے ہیں:-

"ائمۂ مسلمین میں سے جو بھی امامتِ علم کے نام کا مستحق ہے۔ اُن میں سے ایک نے بھی زمین کے"
"گُروی ہونے سے اِنکار نہیں کیا۔ اور اُن میں سے ایک (امام) سے بھی اِسکی رد میں ایک کلمہ بھی"
"ثابت نہیں ہوا۔ بلکہ قرآن و حدیث کی براہین اِسکے گُروی ہونے کی بابت وارد ہیں۔ چنانچہ فرمایا"
"يُكَوِّرُ الَّيْلَ عَلَى النَّهَارِ وَيُكَوِّرُ النَّهَارَ عَلَى الَّيْلِ یعنے لپیٹتا ہے۔ خدا رات کو اُوپر دن کے"

"اور لپیٹتا ہے دن کو اوپر رات کے" اور یہ ایک دوسرے کو لپیٹنے کا نہایت واضح بیان ہے - اور"
"یہ محاورہ لیا گیا ہے وستار (پگڑی) کے پیچوں سے - اور وہ مدور یعنے گول ہوتے ہیں - اور یہ دلیل"
"زمین کی تکویر پر نص ہے - (انتہی مترجماً (جلد ۲ ص۹۷)

اسی طرح امام رازی رح اسی آیت کے ذیل میں فرماتے ہیں - ثبت بالدلیل ان الارض کرۃ (جلد ۵ ص ۵۲۲) یعنے یہ بات دلیل سے ثابت ہو چکی ہے - کہ زمین کرہ (گول) ہے۔

سوال - جب زمین گول ہے تو یہ کیسے متصور ہو سکتا ہے - کہ ذوالقرنین سورج کے ڈوبنے کی جگہ پر جا پہنچا کیونکہ سورج زمین سے ہزارہا میل اوپر آسمان پر ہے - تو جب ہم زمین کے ایک مقام سے مشرق کو یا مغرب کو سیدھے چلتے جائیں تو ہماری روش دائرے کی صورت میں ہوگی - پس ہم جس مقام سے چلے تھے - پوری گردش کے بعد اُسی مقام پر آجائینگے - اس صورت میں ہمارا مشرق یا مغرب روزمرہ وہی ہوگا - جہاں پر ہمکو سورج چڑھتا یا ڈوبتا نظر آئیگا - ورنہ حقیقت میں نہ سورج ڈوبتا ہے - اور نہ چڑھتا ہے - اور نہ زمین پر اسکے ڈوبنے کی کوئی جگہ ہے[1] - پھر کیوں کہا کہ ذوالقرنین سورج کے ڈوبنے کی جگہ پر جا پہنچا -

دیگر یہ کہ سورج ساری زمین سے بھی کئی لاکھ درجے بڑا ہے - تو یہ کیسے ہو سکتا ہے - کہ وہ ایک چشمہ میں جس کی مقدار زمین کے مقابلہ میں بھی قابل ذکر نہیں ڈوب گیا -

اسکا جواب امام رازی رح نے ایک یہ دیا ہے - کہ

"زمین کی مغربی جانب میں ایسے مقامات ہیں جو بحر محیط (اوقیانوس) سے گھرے ہوئے ہیں پس سورج کی طرف"
"دیکھنے والا خیال کرتا ہے - کہ وہ اُن سمندروں میں ڈوبتا ہے - اور اس میں شک نہیں - کہ بحار غربیہ نہایت درجے"
"کے گرم ہیں - اور وہاں دلدلیں بھی بہت ہیں - کیونکہ وہاں کالے کیچڑ کی بہت کثرت ہے - پس خدا تعالےٰ کے قول"
"تغرب فی عین حمئة میں اس بات کا اشارہ ہے - کہ زمین کی مغربی جانب کو بحر محیط نے گھیرا ہوا ہے - اور"
"وہ جگہ نہایت گرم ہے - (انتہی مترجماً)

اور حافظ ابن حزم رح یوں فرماتے ہیں :-

"خدا تعالےٰ نے ہمسے عربی زبان میں خطاب کیا ہے (جب حسب تصریح قرآن جس میں باطل کو نہ آگے"
"سے دخل ہے - نہ پیچھے سے) ہمکو یقین ہو گیا - کہ جب ذوالقرنین کیلئے سورج کے ڈوبنے کی جگہ) ایک چشمہ تھا تو"
"ہمکو بالیقین معلوم ہو گیا - کہ ذوالقرنین کا سفر جو مغرب کی طرف ہوا - وہ اُس مذکورہ چشمہ پر جاکر ختم ہو گیا اور"
"اس کے بعد اُسکے لئے چلنا ناممکن ہو گیا - بوجہ اُس جگہ بحار (مغربیہ) کے آڑے آجانے کے اور ہم یہ "

---

[1] حدیث میں جو اُسکے ڈوبنے کی جگہ تحت عرش بتائی گئی ہے - ہمارا بیان اُس کے خلاف نہیں کیونکہ ہم زمین کی نفی کر رہے ہیں - نہ کہ تحت عرش کی - فافہم ۱۲ منہ

بالضرورت جانتے ہیں کہ ذوالقرنین وغیرہ انسان زمین میں سے اپنے جسم کی مساحت کے برابر ہی مقام لے
" سکتے ہیں خواہ کھڑے ہوں خواہ بیٹھے خواہ لیٹے اور جس ہستی کی یہ صفت ہو اسکی آنکھ تمام مغارب کا احاطہ"
" نہیں کر سکتی اگر سورج کا غروب زمین کے ایک چشمہ میں ہو۔(صـ۱۰۲ جلد۲)"

اور لفظ عَيْنٍ حَمِئَةٍ کی بابت صـ۱۰۱ میں فرماتے ہیں:۔

" اُسوقت ذوالقرنین خود ایسے دلدل میں تھا جس کا پانی گرم تھا۔ وہ چشمہ بوجہ کیچڑ کے دلدل تھا۔ اور "
" بوجہ حرارت کے گرم تھا جیسے کہ تو کہے رَاَیْتُکَ فِی الْبَحْرِ جبکہ تیرا یہ ارادہ ہو کہ تو نے اُسے اُسوقت "
" دیکھا جب تو خود سمندر میں تھا"

حاصل کلام امام رازیؒ اور حافظ ابن حزمؒ کے جواب کا ایک ہی ہے۔ کہ ذوالقرنین مغرب کی طرف چلتے چلتے ایک ایسے مقام پر پہنچا۔ کہ دلدل کی وجہ سے وہاں سے آگے چل نہیں سکتا تھا۔ پس اُسنے سفر وہیں ختم کر دیا۔ اور چونکہ وہ پانی اور کیچڑ اتنی فراخی میں تھا۔ کہ خشکی کا کنارہ نظر نہیں آسکتا تھا۔ اِسلئے اُسکو غروب شمس کے وقت یہی نظر آیا کہ سورج اُس دلدل میں ڈوب گیا ہے۔ اسی لئے قرآن نے وَجَدَهَا تَغْرُبُ کہا ہے۔ اور کَانَتْ تَغْرُبُ نہیں کہا یعنے یہ کہ "ڈوبتے پایا" نہ یہ کہ "ڈوبا کرتا تھا"

یا یُوں کہو کہ سورج کے غروب کے وقت خود ذوالقرنین اُس دلدل میں تھا۔ جہاں پر اُس کا سفر ختم ہو گیا۔ اور اُس سے آگے اُسکو رستہ نہ ملا پس اُس کا مغرب شمس یہی مقام تھا۔

مولوی محمد علی صاحب لاہوری احمدی نے اپنی انگریزی اور اردو ہر دو تفسیروں میں مقاصد قرآن کو نظر انداز کر کے اسکے مطالب کو بالکل بگاڑ دیا ہے۔ آپ ماشاءاللہ علوم عربیہ سے عموماً اور زبان عربی سے خصوصاً بالکل کورے اور محض ناآشنا ہیں اپر بھی قرآن کے مفسر ہیں۔ امام مالکؒ کا قول ہے کہ میرے پاس ایسا شخص لایا جائے جو عربی نہ جانتے ہوئے کتاب اللہ کی تفسیر کرتا ہو تو میں اُسے عبرتناک سزا دونگا۔ (اتقان صـ۱۷۹ جلد دوم) مولوی محمد علی صاحب نے مَغْرِبَ الشَّمْسِ کی تاویل کر کے مطلب قرآن کو بالکل بگاڑ دیا ہے۔ واللہ الہادی

صـ۱۶۵ وَوَجَدَ عِنْدَهَا قَوْمًا۔ عِنْدَهَا کی ضمیر مؤنث عَيْنٍ کے لئے ہے۔ اِس سے معلوم ہوا کہ وہاں پر آبادی تھی۔ اور وہ مقام اقصائے مغرب میں تھا۔ اِس قوم کی خصوصیات تمدنی و مذہبی کے متعلق مفسرین نے بعض امور بیان کئے ہیں جو بالکل بے سند ہیں قرآن و حدیث میں اُنکی بابت دیگر کوئی حکم نہیں۔ پرانی تاریخ محفوظ نہیں پھر ہم تحقیق کی بنا کس پر رکھیں۔ خدا تعالیٰ فرماتا ہے۔ وَلَا تَقْفُ مَا لَيْسَ لَكَ بِهٖ عِلْمٌ (بنی اسرائیل پ۱۵) یعنے نہ پیروی کر اُسکی جس کا تجھے علم نہیں ؂

قُلْنَا يٰذَا الْقَرْنَيْنِ اِمَّآ اَنْ تُعَذِّبَ وَاِمَّآ اَنْ تَتَّخِذَ فِيْهِمْ حُسْنًا (٨٨)

فرمایا ہمنے اے ذوالقرنین یا تو یہ کہ تو (انکو) سزا دے اور یا یہ کہ اختیار کرے تو اِن میں نیکی ۸۸

١٦٦ قُلْنَا يٰذَا الْقَرْنَيْنِ۔ حضرت نواب صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں "جو (حضرت) ذوالقرنین کو نبی جانتے ہیں وُہ اِس آیت سے دلیل پکڑتے ہیں کہ وُہ نبی تھے۔ کیونکہ خدا تعالےٰ نے اُن سے وحی کے ساتھ خطاب کیا ہے۔ اور جو کہتے ہیں کہ وُہ نبی نہیں تھے۔ وُہ اِسکی تاویل الہام سے یا اُس زمانہ کے نبی کی زبانی حکم سنانے سے کرتے ہیں"

١٦٧ اِمَّآ اَنْ تُعَذِّبَ۔ اِس اختیار کے یہ معنے ہیں کہ اے ذوالقرنین ہمنے جو تمکو اِن لوگوں پر حکومت بخشی ہے۔ تو اب تم اپنی ذمہ داری پر خواہ اِن پر سختی کرو۔ خواہ اِن سے حُسن سلوک سے پیش آؤ۔ اسکے یہ معنے نہیں ہیں کہ تمہارے لئے دونوں باتیں جائز ہیں۔ خواہ کوئی حاکم ہو خواہ غیر حاکم ہو۔ خدا نے سب کو نیکی اور بدی کی دونوں راہیں دکھا کر اختیار دیا ہے کہ وُہ اپنی ذمہ داری پر جونسی راہ چاہے اختیار کرے۔ خدا کے ہاں نیکی کی جزا نیک ہے۔ اور بُرائی کی سزا بُری۔ اِسی کے مطابق اِسی سُورت میں سابقاً ایسی یہ آیت گذر چکی ہے۔ وَقُلِ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّكُمْ فَمَنْ شَآءَ فَلْيُؤْمِنْ وَّمَنْ شَآءَ فَلْيَكْفُرْ اِنَّآ اَعْتَدْنَا لِلظّٰلِمِيْنَ نَارًا الآیہ یعنے (اے پیغمبر!) انکو کہدو کہ حق تمہارے پروردگار کی طرف سے ہے۔ پس جو چاہے ایمان لائے اور جو چاہے کفر کرے۔ ہمنے تو ظالموں کیلئے آگ تیار کر رکھی ہے۔ اِسیطرح حضرت سلیمانؑ کو اُن کے لائق سب کچھ عنایت کر کے فرمایا هٰذَا عَطَآؤُنَا فَامْنُنْ اَوْ اَمْسِكْ بِغَيْرِ حِسَابٍ (ص پ ٢٣) یعنے اے سلیمان! یہ ہماری عنایت ہے پس تم یا تو (لوگوں پر) احسان کرو، یا بخل کرو۔ بغیر حساب کے"[1]

اِسیطرح قرآنی نصیحت کی نسبت فرمایا:۔ كَلَّآ اِنَّهٗ تَذْكِرَةٌ ۝ فَمَنْ شَآءَ ذَكَرَهٗ ۝ یعنے "یہ قرآن تو سراسر نصیحت ہے پس جو چاہے اسے یاد رکھے" (مدثر پ ٢٩)

نیز فرمایا:۔ اِنَّ هٰذِهٖ تَذْكِرَةٌ ۚ فَمَنْ شَآءَ اتَّخَذَ اِلٰى رَبِّهٖ سَبِيْلًا (مزمل و دہر پ ٢٩) یعنے یہ تو سراسر نصیحت ہے پس جو چاہے۔ اپنے پروردگار کی طرف راہ پکڑلے، حاصل کلام یہ کہ خدا تعالےٰ نے ذوالقرنین کو فرمایا۔ کہ اپنی ذمہ داری پر اِن لوگوں میں عدل و انصاف قائم کرو۔ خواہ اُن سے حُسن سلوک سے پیش آؤ۔ یا اُن پر سختی کرو۔ یہ تمہارے بس میں ہیں۔ چونکہ حضرت ذوالقرنین حاکم ہونے کے ساتھ نبی اللہ یا کم از کم صاحب الہام ولی اللہ بھی تھے جنکی دماغی اور عملی قوتیں اعتدال پر ہوتی ہیں۔ اور وہ بیجا تشدد اور ظلم و تعدی نہیں کرتے۔ اسلئے اونہوں نے اس کے جواب میں وہی عام شرعی قانون ذکر کیا یعنے یوں کہا:۔

---

[1] اِس آیت میں بِغَيْرِ حِسَابٍ کی نسبت کہ یہ ترکیب نحوی میں کسکے متعلق ہے۔ اور اِسکے معنے کیا ہیں؟ مختلف اقوال ہیں جنکی تفصیل اِسوقت ہمارے مقصود سے خارج ہے۔ ایک قول ہمارے موافق ہے۔ بس اُسی کی وجہ سے ہمنے اُسکو دلیل میں ذکر کیا ہے۔ ١٢ منہ

قَالَ اَمَّا مَنْ ظَلَمَ فَسَوْفَ نُعَذِّبُهٗ ثُمَّ يُرَدُّ اِلٰى رَبِّهٖ فَيُعَذِّبُهٗ

کہا لیکن جو شخص ظالم ہے پس البتہ عذاب کرینگے ہم اُسکو پھر پھیرا جاویگا طرف رب اپنےکی پس عذاب کریگا اُسکو

عَذَابًا نُّكْرًا (۸۸) وَاَمَّا مَنْ اٰمَنَ وَعَمِلَ صَالِحًا فَلَهٗ جَزَآءَ

عذاب بُرا اور لیکن جو شخص کہ ایمان لایا اور عمل کئے اچھے پس اُسکے لئے بطریق جزا کے

الْحُسْنٰى وَسَنَقُوْلُ لَهٗ مِنْ اَمْرِنَا يُسْرًا (۸۹)

ہے نیکی اور البتہ کہینگے ہم اُسکو کام یا حکم اپنے سے آسانی

۱۶۹ ظَلَمَ لفظ ظلم کے متعلق کسیقدر تفصیل کی ضرورت ہے۔ لغت میں اِسکے معنے ہیں وَضْعُ الشَّيْءِ فِي غَيْرِ مَوْضِعِهٖ (قاموس ولسان العرب) یعنے کسی چیز کو مناسب جگہ سے ہٹا کر غیر جگہ پر رکھنا اِس کے مفہوم میں یہ سب معنے آجاتے ہیں ستم کرنا۔ ناحق کرنا۔ کسی کا حق مار لینا۔ کسی کو ستانا یا زد و کوب کرنا یا مالی نقصان پہنچانا۔ اور جان بوجھکر فیصلہ میں ایک کا حق دوسرے کو دیدینا۔ یہ سب مظالم حقوق العباد میں ہیں ؎

پھر یہ کہ انسان کبھی ایسا کام بھی کر بیٹھتا ہے۔ جس کا نقصان کسی دوسرے کو نہیں بلکہ خود اُسی کو ہوتا ہے۔ یہ اپنی جان پر ظلم ہے مثلاً سب اخلاقی بُرائیاں اور بدکاریاں جن کا اثر براہِ راست دوسرے پر نہیں پڑتا بلکہ سب کا بوجھ عمل کرنے والے کی جان پر ہے آیات مثل وَلٰكِنْ كَانُوْٓا اَنْفُسَهُمْ يَظْلِمُوْنَ میں یہ ہر دو قسم ملحوظ ہیں ؎

پھر یہ کہ کبھی انسان خدا کے حق میں ظلم کرتا ہے۔ یعنے خدا کے سوا کسی اَور کی عبادت کرتا ہے۔ اور اُسے خدا کی ذات یا صفات یا استحقاق (عبادت اور نذر و نیاز) میں شریک گردانتا ہے۔ اِسی نقطۂ خیال سے اسلام نے شرک کو بھی ایک ظلم بلکہ ظلمِ عظیم قرار دیا ہے۔ (سورت لقمان پ ۲۱)

پھر یہ کہ بعض انسان عام عادتوں میں راہِ راست کو چھوڑ کر کجروی اختیار کر لیتے ہیں اِس روش پر بھی ظلم کا اطلاق آیا ہے۔ چنانچہ اُم المومنین حضرت ام سلمہؓ کا قول ہے۔ اِنَّ اَبَا بَكْرٍ وَعُمَرَ ثَكَمَا الْاَمْرَ فَمَا ظَلَمَاهُ اَنْ لَمْ يَعْدِلَا عَنْهُ (لسان العرب زیر مادہ ظلم)

یعنے حضرت ابوبکرؓ اور عمرؓ راہِ راست پر چلتے رہے۔ اور اُس سے ہٹے نہیں ؎

حضرت ذوالقرنین نے اپنے آئین حکمرانی کے متعلق ایک ہی جامع لفظ کہدیا کہ میرے سزا دینے کا قانون یہ ہوگا۔ کہ جو ظلم کرے گا۔ اُسے سزا دونگا۔ خواہ وہ کوئی ہو۔ اِسی معنے میں قرآن شریف میں دوسرے مقام پر خدا تعالےٰ نے اپنا قانون فرمایا ہے:۔ (صفہ ۹۰ پر دیکھو)

لَيْسَ بِاَمَانِيِّكُمْ وَلَآ اَمَانِيِّ اَهْلِ الْكِتٰبِ مَنْ يَّعْمَلْ سُوْٓءًا يُّجْزَ بِهٖ الآیہ (النساء ع ۱۷) یعنے نجات نہ تمہاری آرزوؤں پر ہے اور نہ اہل کتاب کی آرزوؤں پر۔ جو بھی برا عمل کرے گا۔ اُسے اُسکی جزا ملیگی۔

یہی دستور آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کا تھا۔ چنانچہ صحیح بخاری اور صحیح مسلم میں ہے۔ کہ فتح مکہ پر ایک مخزومی عورت چوری میں گرفتار ہوئی۔ قریش کو اُسکی سفارش منظور تھی۔ حضرت اسامہ بن زید رضؓ کو جو آنحضرت صؐ کے بہت پیارے تھے اس کام کے لئے کہا گیا۔ اُنہوں نے سفارش کی۔ آنحضرت صؐ نے فرمایا (اسامہ!) تم خدا کی مقرر کردہ حد میں سفارش کرتے ہو۔ پھر خطبہ کر کے سب لوگوں کو سنایا کہ تم سے پہلے لوگوں کو اسی بات نے ہلاک کیا۔ کہ وہ چھوٹے درجے کے لوگوں پر حد قائم کرتے تھے۔ اور شرفا کو چھوڑ دیتے تھے۔ خدا کی قسم جس کے قبضے میں میری جان ہے۔ اگر میری بیٹی فاطمہؓ بھی چوری کرے (اور وہ چوری کرنے والی نہیں ہے) تو میں اُسکا بھی ہاتھ کاٹ دوں گا۔ (کتاب الحدود) سبحان اللہ کیسی عدل پروری ہے

سلہ کتب سابقہ میں یہ وصف یعنے عدالت آنحضرت صؐ کی نسبت بطور پیشگوئی خصوصیت سے مذکور ہے۔ چنانچہ کتاب یسعیاہ نبی مشمولہ بائبل میں مذکور ہے۔ "وہ عدالت کو جاری کرائیگا کہ دائم رہے" (۴۲: ۳)

یہ پیشگوئی خاص ذات اقدس آنحضرت صؐ کے متعلق ہے۔ وجہ یہ ہے کہ اسکے بعد جو امور قومی عروج کے متعلق مذکور ہیں۔ وہ صرف آپ کی ذات سے مخصوص ہیں۔ چنانچہ آیت نمبر ۱۱ سے ۱۲ تک یوں لکھا ہے۔ (۱) بیابان اور اُسکی بستیاں قیدار کے آباد دیہات اپنی آواز بلند کرینگے سلع کے بسنے والے ایک گیت گائینگے۔ پہاڑوں کی چوٹیوں پر سے للکارینگے۔ (۲) وہ خداوند کا جلال ظاہر کرینگے۔ اور بحری ممالک میں اُسکی ثناخوانی کرینگے اسکی تشریح یوں ہے۔ کہ قیدار حضرت اسماعیل کے دوسرے بیٹے کا نام ہے جسکی اولاد سے آنحضرت صؐ ہیں۔ دیکھو کتاب پیدائش باب ۲۵: ۱۳ (۱) اور سلع مدینہ شریف کے پہاڑوں میں سے ایک پہاڑ کا نام ہے۔ (دیکھو قاموس اور صراح) نیز صحیح بخاری میں جبل سلع کا ذکر کئی دفعہ آیا ہے۔ (دیکھو حدیث توبہ کعب بن مالک اور حدیث متعلق غزوہ احزاب) یہ دو ایسے نشان ہیں کہ ان کے بعد دوسرے الفاظ کی تشریح کی ضرورت نہیں۔ عیسائی بہت زور لگاتے ہیں۔ کہ اس پیشگوئی کو حضرت مسیح پر چسپاں کریں لیکن تین باتیں حضرت مسیح پر یا کسی دیگر پر سوائے آنحضرت صؐ کے چسپاں نہیں ہوسکتیں اوّل لفظ عدالت کیونکہ مسیح ع کی شان درویشی سے اوپر ہے۔ دوم بنی قیدار میں سے ہونا اور معلوم ہے کہ حضرت مسیح اولاد اسماعیل ع میں سے نہیں ہیں۔ بلکہ بنی اسرائیل سے ہیں۔ سوم سلع پہاڑ بھی مدینہ میں ہے۔ دیگر لفظ وصف عدالت کے متعلق خود مسیحی مفسرین بائبل سخت اضطراب میں ہیں چنانچہ مفسر جیل صاحب اپنی انگریزی تفسیر بائبل کی جلد ۳ مطبوعہ لندن میں لفظ Judgement یعنے عدالت کے متعلق لکھتے ہیں

ترجمہ:۔ "اسجگہ یہ لفظ (عدالت) بہت مشتبہ ہے۔ کیونکہ یہ لفظ جہاں کہیں مستعمل ہوا ہے۔ سزا کے لئے آیا ہے۔ جو اسجگہ مراد نہیں ہوسکتی۔ کیونکہ تمام مجموعہ اناجیل مسیح ع کی شفقت اور شیریں مزاجی کی گواہی دیتا ہے نہ کہ آپ کی شدت کی۔" (انتہیٰ مترجماً)

اس سے صاف ثابت ہوتا ہے۔ کہ جیل صاحب لفظ عدالت حضرت مسیح ع پر صادق آنا درست نہیں جانتے لیکن چونکہ اپنے ذہن میں ٹھانے ہوئے ہیں۔ کہ یہ پیشگوئی حضرت مسیح ع کی نسبت ہے۔ اسلئے الفاظ کو ان کے صحیح معداق سے ہٹا کر ساری دماغی طاقت تاویلات میں صرف کر دی ہے۔ حالانکہ صحیح طریق یہ ہے۔ کہ یہ اوصاف جس ذات میں پائے جائیں۔ اُسے اُن کا مصداق جانیں۔ نہ یہ کہ ایک شخص کو اپنے ذہن میں مقرر کر لیں۔ اور جب اوصاف مذکورہ جو اُس کے مصداق کی شناخت کے لئے بتلائے گئے تھے اُس میں نہ پائے جائیں۔ تو اُن اوصاف اور نشانات کی صورت مسخ کر کے اُن کے معانی تبدیل کر دیں یہ سراسر بے انصافی ہے سے لذیذ بود حکایت دراز تر گفتم چنانچہ حرف عصا گفت موسےٰ اندر طور ۱۲ منہ

(باقی حواشی صفحہ ۹۱ پر دیکھو)

ف۱۶۹ ثُمَّ يُرَدُّ إِلٰى رَبِّهٖ ایک قانون دنیا کا ہے۔ اور ایک قانون عاقبت کا ہے۔ دنیوی حکام کا اختیار اُن اُمور میں ہے جو دُنیا کے انتظام کے متعلق اُن کے سپرد ہیں۔ لیکن جو اُمور بندے اور خدا کے درمیان ہیں اُسکی سزا عالم عقبیٰ پر رکھی گئی ہے سو اُسکی نسبت فرمایا ثُمَّ يُرَدُّ إِلٰى رَبِّهٖ فَيُعَذِّبُهٗ عَذَابًا نُّكْرًا۔

ف۱۷۰ اَمَّا مَنْ اٰمَنَ جب ظالموں کے متعلق اپنا آئین ذکر کیا۔ تو اس کے مقابلہ میں ایمانداروں اور نیکو کاروں کی نسبت بھی کہدیا کہ اُن کیلئے نیک جزا ہے۔ اور ہم بھی اُس کے ساتھ نرم سلوک کرینگے۔ جب نیکوں کے ساتھ خدا کا سلوک نیک ہے۔ تو عادل بادشاہ جو دُنیا میں خدا کا سایہ ہے۔ اسکا بھی سلوک اُن سے نیک ہی چاہئے۔

ثُمَّ اَتْبَعَ سَبَبًا ﴿۹۰﴾ حَتّٰۤى اِذَا بَلَغَ مَطْلِعَ الشَّمْسِ ف۱۷۱ وَجَدَهَا

پھر وہ در پے ہوا سامان کے ۹۰ (اور چلتا رہا) حتے کہ جب پہنچا سورج چڑھنے کی جگہ پر پایا اُسے

تَطْلُعُ عَلٰى قَوْمٍ لَّمْ نَجْعَلْ لَّهُمْ مِّنْ دُوْنِهَا سِتْرًا ف۱۷۳ ﴿۹۱﴾

چڑھتے اوپر ایسی قوم کے کہ نہیں بنایا تھا ہمنے واسطے اُنکے اُس سے ورے کوئی پردہ ۹۱

ف۱۷۱ ثُمَّ اَتْبَعَ سَبَبًا۔ یہ ذوالقرنین کی دوسری مہم ہے جو مشرق کی طرف ہوئی۔ اور وہ بھی مغربی مہم کیطرح انتہائے مشرق تک ہوئی

ف۱۷۲ مَطْلِعَ الشَّمْسِ کے سمجھنے کے لئے مَغْرِبَ الشَّمْسِ کا حاشیہ پڑھیں۔ اسکے علاوہ یہ بھی سمجھ رکھیں کہ طلوع آفتاب کا نظارہ غروب کی نسبت زیادہ دلکش ہوتا ہے۔ دُنیا جہان کے لوگ آجتک کوہ دار جلنگ پر طلوع آفتاب کا نظارہ دیکھنے کو آتے ہیں جہاں سے یوں دکھائی دیتا ہے۔ کہ سورج اُچھل اُچھل کر اوپر کو آرہا ہے۔ اور یہ مقام انتہائے مشرق میں ہے۔

ف۱۷۳ سِتْرًا، پردہ، امام خطیب شربینی رح نے تفسیر سراج منیر میں کہا کہ اِس میں دو قول ہیں اول یہ کہ اُس قوم کے لئے نہ تو مُسقف مکان تھے اور نہ وہاں کوئی پہاڑ تھا کہ اُن کے لئے سورج کی دھوپ سے سایہ ہو سکے، دبلکہ وہ صاف چٹیل میدان میں آباد تھے۔ اور اُنکی زندگی جنگلی وحشیوں کی طرح تھی!

كَذٰلِكَ ف۱۷۴ وَقَدْ اَحَطْنَا بِمَا لَدَيْهِ خُبْرًا ﴿۹۲﴾ ف۱۷۵ ثُمَّ اَتْبَعَ سَبَبًا ف۱۷۶ ﴿۹۳﴾

(ایسے ہی اسیطرح کیا) اور ہمنے احاطہ کر لیا تھا اُسکا جو اُس کے پاس تھا پُوری خبر سے ۹۲ پھر وہ در پے ہوا سامان کے ۹۳

حَتّٰۤى اِذَا بَلَغَ بَيْنَ السَّدَّيْنِ ف۱۷۷ وَجَدَ مِنْ دُوْنِهِمَا قَوْمًا

حتے کہ جب پہنچا دو دیواروں کے درمیان تو اُس نے پائی اُن کے قریب ایک قوم پائی جو

لَّا يَكَادُوْنَ يَفْقَهُوْنَ قَوْلًا ف۱۷۸ ﴿۹۴﴾

قریب نہ تھے بات سمجھنے کے ۹۴

ف۱۷۴ كَذٰلِكَ مفسرین نے اسکی کئی وجہیں لکھی ہیں۔ ایک یہ ہے۔ کہ ذوالقرنین نے اِس مشرقی قوم میں بھی اُسی دستور سے عدل و انصاف سے حکمرانی کی جس طرح مغربی قوم نے لی تھی۔ (بغوی) { باقی حواشی متعلقہ صفحہ ہذا صفحہ ۹۲ پر دیکھو)

ش۱۷۵ بِمَا لَدَيْهِ، لفظی ترجمہ تو یہ ہے۔ کہ جو کچھ ذوالقرنین کے پاس تھا۔ اور مراد اِس سے وہ ساز و سامان ہے جو اُسکا تھا۔ سو اُسکی نسبت فرمایا کہ وہ سب کچھ ہمارے احاطہ علم و خبر میں تھا۔ کیونکہ وہ سب کچھ ہماری ہی دادتھی،

ش۱۷۶ ثُمَّ اَتْبَعَ سَبَبًا ، یہ تیسرے سفر کا بیان ہے۔ بعض مفسرین نے لکھا ہے۔ کہ یہ سفر شمال کی طرف تھا۔

ش۱۷۷ بَيْنَ السَّدَّيْنِ ، لفظ سدّ کے معنے ہیں "روک" خواہ صنعتی ہو خواہ قدرتی ، یعنے ذوالقرنین کا یہ سفر اُس مقام تک ہوا جہاں قدرتی طور پر دائیں بائیں دو پہاڑی دیواریں کھڑی تھیں۔ کہ سوائے اُس درہ کے اِدھر سے اُدھر اور اُدھر سے اِدھر جانے کیلئے کوئی رستہ نہ تھا۔ اس قرینہ سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ یہ سفر شمال کیطرف تھا۔ کیونکہ پہاڑوں کا ایسا سلسلہ شمال کی طرف ہے۔ اِسی لئے پنجابی زبان میں شمال کی طرف کا نام ہی پہاڑ ہے:

ش۱۷۸ لَا يَكَادُوْنَ يَفْقَهُوْنَ قَوْلًا مراد یہ ہے کہ بات مشکل سے سمجھتے تھے یا یوں کہئے کہ بات سمجھنے کی قابلیت نہیں رکھتے تھے۔ کیونکہ اُن کی رہائش پہاڑی علاقہ میں دُنیا کی میدانی آبادی سے بہت دُور تھی۔ باوجود اسکے کہ اب دُنیا اتنی ترقی کر گئی ہے لیکن پہاڑی لوگوں کی حالت و طبیعت عموماً ویسی کی ویسی ہے۔ اِلَّا مَا شَآءَ اللّٰہُ ؕ

حافظ ابن کثیرؒ اِسی مقام پر فرماتے ہیں:- لِاسْتِعْجَامِ كَلَامِهِمْ وَبُعْدِهِمْ عَنِ النَّاسِ یعنے اُنکے کلام کے غیر معروف ہونے اور لوگوں سے دُور رہنے کی وجہ سے (اُنکا فہم ناقص تھا)، (انتہی) آگے اُنکی جو گفتگو مذکور ہے۔ اُسکی نسبت مفسرین نے لکھا ہے۔ کہ یہ اُنہوں نے حضرت ذوالقرنین سے ترجمان کے ذریعے کی تھی۔ اور بعض نے کہا ہے۔ کہ خود حضرت ذوالقرنین کئی زبانیں جانتے تھے۔ وَاللّٰهُ اَعْلَمُ

قَالُوْا يٰذَا الْقَرْنَيْنِ[۱۷۹] اِنَّ يَاْجُوْجَ وَمَاْجُوْجَ[۱۸۰] مُفْسِدُوْنَ فِی الْاَرْضِ

کہا انہوں نے اے ذوالقرنین تحقیق یاجوج اور ماجوج فسادی ہیں اِس سرزمین میں

ش۱۷۹ يٰذَا الْقَرْنَيْنِ یہ دلیل ہے اِس بات کی کہ ذوالقرنین اُس نبی اللہ یا ولی اللہ عادل بادشاہ کا نام ہے۔ جیسا کہ ہم سابقاً ش۱۸۷ میں نوٹ کے ضمن میں بیان کر آئے ہیں ۔[۱]

ش۱۸۰ يَاْجُوْجَ وَمَاْجُوْجَ یہ دو اسم ہیں دو قوموں کے بعض اہل لغت کہتے ہیں یہ دونوں لفظ عربی ہیں۔ اور بعض کہتے ہیں عجمی ہیں والله پھر جو عربی کہتے ہیں۔ اکثر اُن میں سے اُنکو مہموز الفاء قرار دیتے ہیں چنانچہ محاورات ذیل اُنکی تائید کرتے ہیں۔ جیسے (۱) اَجَّتِ النَّارُ اَجِيْجًا وَ(۲) تَاَجَّجَتِ النَّارُ وَ(۳) اِئْتَجَّتِ النَّارُ اِئْتِجَاجًا سب کے معنے ہیں آگ نے شعلہ نکالا اور وہ بھڑکی۔ نیز (۴) اَجَّجْتُهَا (یعنے آگ روشن کی) اور (۵) تَاَجَّجَ النَّهَارُ و (۶) تَاَجَّ النَّهَارُ (بحذف یک جیم) یعنے خوب گرم ہوا دن اور (۷) اَجَّ (بترک الادغام شذوذاً) یعنے اُس نے دشمن پر حملہ کیا۔ ش اور منتہی الارب میں خاص يَاْجُوْجَ لفظ کے معنے لکھے ہیں "کسیکہ آتش برفروزد و فساد انگیزد" یعنے جو آگ بھڑکائے اور فساد مچائے[۲]، اور مفردات راغب میں زیر مادہ اَجَّ لکھا ہے۔ وَيَاْجُوْجُ وَمَاْجُوْجُ

[۱] حوالہ کیلئے دیکھو حاشیہ بین السطور جلالین تفسیر جامع البیان مطبوعہ مطبع فاروقی دہلی بر آیت ہذا بحوالہ تفسیر وجیز ۱۲ منہ
[۲] یہ سب محاورات اور اُنکے معانی منتہی الارب میں لکھے ہیں ۱۲ منہ

مِنۡهُ شُبِّهُوۡا بِالنَّارِ الْمُضْطَرِمَةِ وَالْمِيَاهِ الْمُتَمَوِّجَةِ لِكَثْرَةِ اِضْطِرَابِهِمْ یعنے یاجوج و ماجوج کو بوجہ اُنکے زیادہ جوش خروش کے جلتی ہوئی آگ اور ٹھاٹھیں مارتے ہوئے پانی سے تشبیہ دیگئی ہے۔ قرآن شریف میں اِن قوموں کا دو موقع پر ذکر ہے۔ ایک اسجگہ سورتِ کہف میں اور دیگر سورتِ انبیاء پ۱۷ میں، ہر دو جگہ اُن کے وحشی پن کا اظہار ہے۔ اِسلئے صاحب مفردات کی وجہ تسمیہ درست معلوم ہوتی ہے۔ اور محاورات مذکورہ بالا بھی اسکی تائید کرتے ہیں لیکن بعض ائمہ لغت اُن کے ہر دو الفاظ کو زائد قرار دیکر انکا اصل مَجّج اور مَجَجْ بتاتے ہیں (تفسیر السراج المنیر وغیرہ)

نشان ۵۱ انکی نسب اور پیدائش کی کیفیت اور انکی صفات و اشکال کے متعلق قِصّہ گو لوگوں کی نہایت عجیب و غریب روایات ہیں۔ انکی نسبت حافظ ابن کثیرؒ فرماتے ہیں:-

"اِس مقام پر اُن حکایتوں پر اعتماد جائز نہیں ہے۔ جو بعض اہل کتاب (یہود و نصاریٰ) بیان کرتے ہیں۔ کیونکہ انکی بعض احادیث جعلی اور بناوٹی" "بھی ہیں۔ (انتہیٰ مترجماً)

پھر اس کے بعد فرماتے ہیں:-

"ابن ابی حاتم نے اپنے باپ ابو حاتمؒ سے اس بارے میں کئی ایک احادیث روایت کی ہیں۔ جنکی سندیں صحیح نہیں۔ (انتہیٰ مترجماً)"

الغرض یاجوج و ماجوج کے متعلق سوائے اُن باتوں کے جو قرآن مجید اور صحیح مسلم وغیرہ کتب حدیث کی صحیح روایتوں سے ثابت ہیں۔ کچھ بھی قابل اعتماد نہیں ہے۔

یاجوج ماجوج کونسی قومیں ہیں؟ اکثر قدیم مفسرین کا قول ہے کہ وہ تُرک ہیں چنانچہ ذیل کی تفصیل کو ملاحظہ فرمائیں امام بغوی رحمۃ نے نقل کیا ہے۔ کہ وہ ترک ہیں۔ اور اُن کا نام ترک اسلئے پڑا کہ وہ اُس دیوار سے جو ذوالقرنین نے بنائی تھی باہر رہ گئے تھے" پس وہ اُسی حال پر چھوڑے گئے)

امام رازیؒ نے کہا۔ بعض نے کہا ہر دو (یاجوج اور ماجوج) تُرک ہیں اور بعض نے کہا کہ یاجوج تو ترک ہیں لیکن ماجوج جیل اور دیلم ہیں۔

حافظ ابن کثیرؒ فرماتے ہیں:- بعض علماء کا قول ہے کہ وہ تُرک ہیں۔

زمانہ حال کے اُردو نویس مصنفین اِن کے برخلاف دیگروں کے نام لکھتے ہیں۔

حکیم نور الدین صاحب قادیانی بحوالہ بائیبل کہتے ہیں کہ وہ روس و سانگریز ہیں۔ (تصدیق براہین احمدیہ ص۵۰۵ ص۵۰۶)

مرزا صاحب قادیانی بھی اپنے حکیم صاحب کی پیروی میں لکھتے ہیں۔ کہ وہ روس اور انگریز ہیں۔ (ازالہ اوہام طبع اول تقطیع خورد کلاں)

مولوی محمد علی صاحب لاہوری اپنے اُستاد حکیم صاحب موصوف کی اتباع میں روس اور انگریزوں کو یاجوج ماجوج قرار دیتے ہیں۔ لیکن انگریزوں کے نام کی تصریح نہیں کرتے۔

مولانا ابو الکلام آزاد صاحب کہتے ہیں کہ وہ روس اور منگولین ہیں (ترجمان القرآن)

اِن سب کی تحقیقات کا ماخذ بائیبل میں سے حزقیل نبی کا مکاشفہ ہے۔

"شبہ پریشاں خواب من از کثرتِ تعبیرہا" اِس کتاب کی نسبت حضرت حزقیلؑ کی طرف مفسرین بائبل کے نزدیک مشکوک ہے (دیکھو تفسیر بائبل مصنفہ ہول صاحب مطبوعہ لنڈن سنہ ۱۸۰۱ء)

پس مذہبی امور میں تحقیقات کی بنا ایسی مشکوک کتاب پر رکھنی قابلِ وثوق نہیں ہے۔

لیکن ہمارے سرور صاحب (مدظلہ) سب سے زیادہ عجیب بات فرماتے ہیں۔ وہ کسی خاص قوم کی تعیین نہیں بلکہ وہ ہر مفسد کو یاجوج وماجوج سمجھتے ہیں کیونکہ انکی صفت میں مفسدون فی الارض وارد ہے۔ تفسیر ثنائی اردو سورۂ کہف یاجوج وماجوج دو خاص قوموں کے نام ہیں سب اہل لغت کا اسپر اتفاق ہے۔ ستم رسیدہ قوم جو ذوالقرنین کے پاس انکے ہر ظلم فریاد کرتی ہے۔ اور انکو مفسدون فی الارض کہتی ہے۔ ان کے قول سے بھی یہی واضح ہوتا ہے۔ کہ وہ خاص لوگوں کے خلاف صدائے احتجاج بلند کر رہی ہے۔ قیامت کے نزدیک انکے خروج کا جو ذکر قرآن وحدیث میں وارد ہے۔ (جیسا کہ انشاءاللہ آگے مذکور ہوگا) اس سے بھی یہی معلوم ہوتا ہے۔ کہ وہ مخصوص اقوام ہیں۔ اگر انکی صفت میں کہا گیا ہے۔ کہ وہ مفسد ہیں تو اس سے ہر مفسد گروہ کو حقیقی طور پر یاجوج وماجوج سمجھنا جو قرآن وحدیث میں مذکور ہیں۔ درست نہیں۔ ظاہر ہے کہ آیت اِنَّ يَاْجُوْجَ وَمَاْجُوْجَ مُفْسِدُوْنَ فِي الْاَرْضِ میں مُفْسِدُوْنَ فِي الْاَرْضِ خبر ہے۔ تو آنجناب کی تحریر کے مطابق اس کا عکس یہ ہوا کہ كُلُّ مُفْسِدٍ يَاْجُوْجُ وَمَاْجُوْجُ اور یہ بموجب قواعد علمیہ درست نہیں۔ فَتَفَكَّرْ (عفا اللہ عنا وعنہ)

فَهَلْ نَجْعَلُ لَكَ خَرْجًا عَلٰٓى اَنْ تَجْعَلَ بَيْنَنَا وَبَيْنَهُمْ سَدًّا ﴿٩٥﴾

پس کیا بنادیں ہم واسطے تیرے کچھ خرچ اس بات پر کہ تو بنادے درمیان ہمارے اور درمیان ان کے ایک روک ٩٥

قَالَ مَا مَكَّنِّيْ فِيْهِ رَبِّيْ خَيْرٌ فَاَعِيْنُوْنِيْ بِقُوَّةٍ اَجْعَلْ بَيْنَكُمْ وَبَيْنَهُمْ رَدْمًا ﴿٩٦﴾

کہا اس نے جس مال (کی) مجھے میرے رب نے قدرت دی ہے وہ بہت بہتر ہے پس تم مدد دو مجھکو قوت سے بنادونگا میں درمیان تمہارے اور درمیان ان کے ایک بند ٩٦

مسئلہ: اس سے معلوم ہوا کہ بادشاہ کو اپنی رعیت کی آسائش کیلئے رفاہِ عام کے کام ضرور کرنے چاہئیں۔ اور اگر اسکو ان امروں میں رعیت سے روپیہ اور قوت یعنی کام کرنے والے آدمیوں کی ضرورت پڑے تو اُسکے لئے جائز ہے۔ کہ ان سے حاصل کرے۔ اور اُس کے پاس خزانہ کافی ہو۔ تو اُسے رفاہِ عام کے کاموں میں خرچ کرے۔ اور ذوالقرنین کی پیروی میں رعیت سے محض قوت حاصل کرنے پر اکتفا کرے۔ چنانچہ امام سیوطیؒ تفسیر اکلیل میں اسی آیت کے ذیل میں فرماتے ہیں:۔

قَالَ ابْنُ الْعَرَبِيِّ فِيْهَا جَوَازُ الْخَرَاجِ وَالْاَجْرِ عَلَى الْاَعْمَالِ وَاِنَّ عَلَى الْمَلِكِ الْقِيَامَ بِمَصَالِحِ الْخَلْقِ وَسَدِّ الْفُرَجِ وَاِصْلَاحِ الثُّغُوْرِ وَلَوْ بِاَنْ يَّاْخُذَ مِنْ اَمْوَالِهِمْ اِذَا احْتَاجَ (ص ٢٧٨ مطبوعہ مطبع فاروقی دہلی)

ابن عربیؒ نے کہا کہ اس آیت میں خراج کا اور کام کرانے پر اجرت دینے کا جواز ہے۔ اور نیز یہ کہ بادشاہ پر لازم ہے۔ خلقت کی مصلحتوں کے امور پر اور خوفناک شگافوں کے بند کرنے پر اور سرحدوں کی اصلاح پر قائم ہونا اگرچہ انکے مالوں سے کچھ لیوے جبکہ اُسے حاجت ہو۔

تنبیہ۔ میونسپلٹی اور ڈسٹرکٹ بورڈ کی سب جمع اور صیغہ مال میں معاملہ اراضی کے ساتھ حبوب وغیرہ کی رقوم رفاہِ عام کے کاموں یعنی سڑکوں اور رستوں کی تیاری، اور پلوں کے بنانے، اور روشنی اور پانی کی بہم رسانی، اور شفاخانوں کی ادویہ اور بیماروں کی دیگر ضروریات اور تعلیمی درسگاہوں اور صنعتی کارخانوں اور مسافروں کی خوراک، اور راہگذاروں کی آسائش کے لئے، سایہ دار درختوں کے لگانے کیلئے محصول یا ٹیکس کی صورت میں جو کچھ بادشاہ رعایا سے لیتا ہے۔ سب جائز ہیں۔ ان اہلکاروں کو جن کے اختیار میں یہ قوم دی جاتی ہیں (باقی ص ٩٥ پر دیکھو)

حضرتِ ذوالقرنینؑ کے اِس فیاضانہ کام سے سبق لینا چاہئیے۔ واللہ ولیّ التوفیق ۔ اور ادائیگی فرض کی ذمہ داری میں خدا تعالیٰ سے ڈرنا چاہئیے۔ حضور (علیہ الصلوٰۃ والسلام) نے فرمایا۔ اَلْخَلْقُ کُلُّھُمْ عِیَالُ اللّٰہِ وَاَحَبُّھُمْ اِلَیْہِ اَنْفَعُھُمْ لِعِیَالِہٖ (کنوز الحقائق) یعنی ساری خلقت خدا کا کنبہ ہے۔ اور خدا کو سب سے پیارا وہ ہے۔ جو اُسکے کنبہ کیلئے زیادہ نفع رساں ہے۔

بعض لوگ کہتے ہیں کہ مکاس یعنے درآمد مال پر چونگی کا محصول لینے والوں کو امام شافعیؒ نے سخت ناپسند کیا ہے۔ اور اسی طرح حضرت عیسےؑ بھی اِن سے راضی نظر نہیں آتے۔ جیساکہ انجیل متّٰی سے ثابت ہوتا ہے۔ اِسلئے یہ محصول لینا اور محصول لینے پر ملازمت کرنا درست نہیں۔ اسکا جواب یہ ہے۔ کہ محصول چونگی کی غرض وغایت شہر والوں کیلئے آسائش کے اسباب بہم پہنچانا ہے۔ اور یہ نیکی کا کام ہے۔ نہ کہ ناجائز۔ حضرت عیسےؑ اور امام شافعیؒ کے وقت میں خدا جانے کیا حال ہوگا۔ اور وہ لوگ کیا کرتے ہونگے۔ جن کو دیکھکر اُنہوں نے ناپسند کیا۔ بہرحال میونسپلٹی اور ڈسٹرکٹ بورڈ وغیرہ کے محکمے سراسر رفاہِ عام کے لئے ہیں۔ ہاں اگر اہل کار اپنے فرائض میں کوتاہی کریں۔ تو اُن کو توجہ دلانی چاہیئے۔ نہ کہ محکمہ ہی کو ناجائز کہنا چاہیئے۔ فافہم۔

اٰتُوْنِیْ زُبَرَ الْحَدِیْدِ ؕ حَتّٰۤی اِذَا سَاوٰی بَیْنَ الصَّدَفَیْنِ قَالَ انْفُخُوْا ؕ

لا دو مجھکو بڑے بڑے ٹکڑے لوہے کے (چنانچہ لاے گئے اور چنے گئے) حتّٰی کہ جب برابر کردیا درمیانی فاصلہ پہاڑ کی دونوں طرفوں کا تو اُن سے کہا کہ دھونکو۔

حَتّٰۤی اِذَا جَعَلَہٗ نَارًا ۙ قَالَ اٰتُوْنِیْۤ اُفْرِغْ عَلَیْہِ قِطْرًا ﴿٩٦﴾

حتّٰی کہ جب دھونک دھونک کر اُسکو آگ کر دیا تو کہا دو مجھکو ڈالوں میں اوپر اُس کے تانبا گلا ہوا۔

١٨٣ **حل لغات وترکیب**، زُبُر (جمع کا) جمع ہے زُبْرَۃٌ کی یعنے لوہے کے بڑے بڑے ٹکڑے (مفردات) سَاوٰی مصدر مُساواۃ سے ماضی کا صیغہ ہے۔ یعنے برابر کردیا۔ بَیْنَ دو چیزوں کا درمیانی فاصلہ (مفردات) صَدَفَیْنِ، دو کرانۂ راہ در کوہ (منتہی) تثنیہ صَدَفٌ کا یعنے برِیدگی کوہ (صراح) نَارًا لوہا گرم ہوکر پگھل جائے تو وہ صورت میں بھی اور صفت میں بھی آگ کی مثل ہوجاتا ہے۔ اِسلئے اُسے نَارًا کہا گویا کہ وہ آگ ہی ہوگیا تھا۔ حالانکہ ذات اُسکی لوہا ہی تھی۔ اُفْرِغْ، مصدر اِفْرَاغ سے مضارع معروف واحد متکلم کا صیغہ ہے۔ اور اِس پر جزم صیغہ امر اٰتُوْنِیْ کے جواب میں واقع ہونے کی وجہ سے ہے۔ اور اِفْرَاغ کہتے ہیں برتن یا ڈول میں سے پانی اُنڈیلنے کو، گویا کہ اُسے پانی سے فارغ یعنے خالی کیا جاتا ہے۔ (صراح وغیرہ) قِطْرًا تانبا گلا ہوا۔ اسجگہ تنازع فعلین واقع ہُوا ہے۔ یعنے اٰتُوْنِیْ بھی مفعول ثانی چاہتا ہے اسلئے بقاعدۂ علمِ نحو ایک کو عمل دلا کر دوسرے کا مفعول محذوف کیا جائیگا۔ صاحب جامع البیان نے کہا ہے۔ کہ اٰتُوْنِیْ کا مفعول ثانی محذوف کیا گیا ہے۔

حاصل مطلب یہ کہ ذوالقرنینؑ نے اُس قوم سے کہا۔ کہ تم مجھے لوہے کے بڑے بڑے ٹکڑے مہیا کردو۔ چنانچہ وہ لائے گئے۔ اور ایک دوسرے کے اوپر چنے گئے۔ حتّٰی کہ جب اُن ٹکڑوں کو چن چن کر پہاڑ کے دونوں کناروں کے برابر کردیا یعنے اُس راہ کو بند کردیا۔ جہاں سے یاجوج ماجوج اُس قوم کی سرزمین میں آکر غارتگری کرتے تھے۔ تو ذوالقرنین علیہ السلام نے کہا کہ اب تانبا لاؤ تاکہ میں اُسے گلا کر اُن لوہے کے ٹکڑوں پر ڈالدوں تاکہ اُن کی درزیں بند ہوجائیں۔ اور لوہا اور تانبا ایک جان ہوکر ایک ایسی دیوار بن جائے۔ کہ اُسکی صفائی کی وجہ سے وہ اُس پر چڑھ نہ سکیں۔ اور اُسکی پختگی کی وجہ سے اُس میں سوراخ نہ کرسکیں۔ چنانچہ اِسے بطور نتیجہ کے اگلی عبارت میں یوں فرمایا ہے:-

فَمَا اسْطَاعُوْا اَنْ يَّظْهَرُوْهُ وَمَا اسْتَطَاعُوْا لَهٗ نَقْبًا (۹۸)

پس نہ سکے کہ چڑھ جائیں اُس پر اور نہ سکے کہ اُس میں سوراخ کر لیں ۹۸

عل۵ اِسْطَاعُوْا پہلی دفعہ افتعال کی تؔ محذوف ہے۔ اور دوسری دفعہ ثابت ہے۔ علم صرف میں یہ ہر دو امر جائز ہیں ۱۲ منہ

ع۵۲ نَقْبًا۔ نقب۔ دیوار یا لکڑی یا چمڑے میں سوراخ کرنے کو کہتے ہیں۔ ۱۲ منہ

قَالَ هٰذَا رَحْمَةٌ مِّنْ رَّبِّيْ فَاِذَا جَآءَ وَعْدُ رَبِّيْ جَعَلَهٗ دَكَّآءَ وَكَانَ وَعْدُ رَبِّيْ حَقًّا (۹۹)

کہا یہ رحمت ہے میرے رب کی پس جب آ دیگا وعدہ میرے رب کا تو کردیگا اِسے زمین کے برابر اور ہے وعدہ میرے رب کا سچا ۹۹

ف۱۸۳ هٰذَا رَحْمَةٌ۔ ذوالقرنین نے اتنا بڑا کام کرکے اُسے اپنی طرف نسبت نہیں کیا۔ اور نہ شیخی ماری کہ میں نے یہ کام کیا ہے۔ بلکہ اُسے خدا کی طرف نسبت کیا ہے۔ کہ یہ اُسکی رحمت ہے۔ کہ اُس نے مجھے توفیق دی کہ یہ کام ہو سکا۔ ورنہ ہم کیا ہیں کہ کوئی کام ہم سے ہو گا۔ شہزادی بلقیس کا تخت جب آن واحد میں سلیمانؑ کے سامنے آگیا۔ تو آپ نے کہا هٰذَا مِنْ فَضْلِ رَبِّيْ (نمل پ۱۹) یعنے یہ میرے رب کے فضل سے ہوا ہے۔ فتح مکہ پر آنحضرت (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے جو خطبہ فرمایا تھا۔ اُسمیں یہ الفاظ بھی تھے۔ وَهَزَمَ الْاَحْزَابَ وَحْدَهٗ (بخاری کتاب الحج) یعنے اکیلے خداوند تعالےٰ نے کفار کے لشکروں کو شکست دی ہے۔ حالانکہ اُسوقت آپ کیساتھ دس ہزار قدوسی صحابہؓ کی فوج تھی۔

ف۱۸۴ دَكَّآءَ۔ زمین کے برابر ہموار۔ یہ اسلئے کہا۔ کہ وہ بند ہر چند کہ بہت سخت اور مضبوط بنایا گیا تھا لیکن ہر چیز کے بقا کی ایک میعاد ہے۔ دائمی اور حقیقی بقا صرف ذاتِ حق کے لئے ہے۔ وہ میعاد ختم ہونے پر ہر شے کیلئے فنا ہے۔ سو اسی طرح اس بند کا حال ہوگا یہ میعاد یا تو دنیا کے فنا اور قیام قیامت کی ہے۔ یا قیامت کے قریب یاجوج و ماجوج کے خروج کی (تفسیر جامع البیان وغیرہ) جیسا کہ اس سے آگے اور نیز سورت انبیاء پ۱۷ میں مذکور ہے۔ حَتّٰٓى اِذَا فُتِحَتْ يَاْجُوْجُ وَمَاْجُوْجُ وَهُمْ مِّنْ كُلِّ حَدَبٍ يَّنْسِلُوْنَ وَاقْتَرَبَ الْوَعْدُ الْحَقُّ۔ یعنے حتیٰ کہ جب کھولے جائینگے یاجوج و ماجوج۔ اور وہ ہر بلندی سے دوڑتے ہونگے۔ اور قریب آلگیگا سچا وعدہ یعنے قیامت کا قائم کرنا اور حدیث صحیحین میں اُم المؤمنین حضرت زینب بنت جحش سے روایت ہے۔ کہ ایک روز حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام گھبرا کر نیند سے اُٹھے آپ کا چہرہ مبارک سُرخ ہو رہا تھا۔ اور آپ کہتے تھے لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَيْلٌ لِّلْعَرَبِ مِنْ شَرٍّ قَدِ اقْتَرَبَ یعنے خدا کے سوا کوئی لائق عبادت نہیں۔ عرب کے لئے بوجہ اُس بُرائی کے جو قریب آرہی ہے ویل ہے۔ آج یاجوج ماجوج کے بند سے مثل اسکی سوراخ کھل گئی ہے۔ اور آپ نے (بحسابِ عقدِ انامل) انگشت مسبحہ کو انگوٹھے کے ساتھ ملا کر حلقہ بنا کر بتایا کہ اتنی۔

ف۱ بائبل میں ایک کتاب غزل الغزلات ہے۔ جو حضرت سلیمانؑ کی طرف منسوب ہے۔ اُس میں آنحضرتؐ کا حلیہ شریف مذکور ہے۔ اور اس کے ضمن میں فتح مکہ کی طرف اشارہ کرکے لکھا ہے۔ وہ خدا کا محبوب (دس ہزار قدوسیوں کے درمیان جھنڈے کی مانند کھڑا ہوتا ہے۔ (۵/۱۰) اور باتفاق مؤرخین (الیشیائی وغیرہ) فتح مکہ کے وقت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ دس ہزار قدوسی صحابہؓ کی جماعت تھی (تفسیر سیالکوٹی وغیرہ)

وَتَرَكْنَا بَعْضَهُمْ يَوْمَئِذٍ يَّمُوْجُ فِيْ بَعْضٍ ۱۸۵

اور چھوڑ دینگے ہم اُنکے بعض کو اُس روز (اِسطرح کہ) گھس جاوینگے وہ (دوسرے) بعض میں ۱۸۵

۱۸۵ سورت کہف کے اس مقام اور سورت انبیاء اور حدیث صحیحین کے بیان سے صاف ظاہر ہے۔ کہ یاجوج ماجوج کا خروج قیامت سے پیشتر قریب ہی ہوگا۔ اور یہ بھی کہ اُس وقت یہ بند ڈھے کر پیوست زمین ہوگیا ہوگا یعنے اُدھر سے اِدھر آنے کی جو روک بنائی گئی تھی۔ وہ قائم نہ رہی ہوگی، پس وہ بے روک ہو کر زمین پر پھیل جاوینگے اور اپنی کثرت کی وجہ سے ایک دوسرے میں اِسطرح ٹھاٹھیں مار مار کر گھسینگے، جیسے جھنور میں پانی ایک طرف سے دوسری طرف چڑھتا ہے۔ کیونکہ موج پانی کی لہر اور گرداب کو کہتے ہیں، اور یہ صورت یاجوج ماجوج کی کثرت اور سرعتِ نقل و حرکت بتانے کیلئے ہے۔ اِسی بات کو سورت انبیاء میں مِنْ كُلِّ حَدَبٍ يَّنْسِلُوْنَ سے بیان کیا گیا ہے۔ یعنے یاجوج و ماجوج ہر بلندی سے نہایت تیزی سے دوڑینگے۔ اور حدیث صحیح مسلم سے یہ بھی ظاہر ہے۔ کہ یاجوج ماجوج کی اس تیز روی اور گردابی گردش کے وقت حضرت عیسےٰ علیہ السلام کا نزول ہو چکا ہوگا۔ چنانچہ اسکی کیفیت دجال اکبر کے قتل کے ذکر کے بعد یوں مرقوم ہے۔

"پھر حضرت عیسےٰ کے پاس ایک ایسی قوم آئیگی، جنکو خداوند تعالےٰ نے دجال سے بچا لیا ہوگا۔ پس آپ اُن کے چہروں سے غبار"
"جھاڑینگے، اور اُنکو جنت میں اُنکے درجے بتائینگے۔ پس جب آپ اس حال میں ہونگے۔ اُس وقت اللہ تعالےٰ حضرت عیسےٰ"
"علیہ السلام کیطرف وحی کریگا۔ کہ میں نے اپنے ایسے بندے چھوڑے ہیں کہ کسی کو اُن سے جنگ کرنے کی طاقت نہیں، پس تم میرے"
"مومن بندوں کو کوہِ طور پر لیجا کر محفوظ کرلو۔ اور خدا تعالےٰ یاجوج و ماجوج کو ظاہر کریگا اور وہ ہر بلندی سے تیزی"
"سے دوڑینگے، الحدیث [۱] (انتہیٰ مترجماً)

یہ حدیث بہت لمبی ہے۔ اس میں ذکر بالا کے بعد یاجوج ماجوج کے فتنہ اور غرور و تکبر اور پھر اُن کی یکدم ہلاکت کا بھی ذکر ہے اور پھر اُنکی لاشوں کی بدبو سے اہل زمین کی تنگی اور حضرت عیسےٰ کا دُعا کرنا اور خدا تعالےٰ کا ایسے جانوروں کا بھیجنا اور اُن کا اُنکی لاشیں اُٹھا کر لیجانا اور ایک عام بارش سے خدا تعالےٰ کا زمین کو اُنکی بدبو سے پاک صاف کرنا اور عام نباتات اور ثمرات کا کثرت سے پیدا ہونا اور دنیا میں برکت کا پھیل جانا سب کچھ مذکور ہے۔ پھر خدا جانے کتنی مدت اسکے بعد خلقت کا نیکی پر قائم رہنا اور پھر ایک نہایت پاکیزہ ہوا کا چلنا جس سے ہر ایماندار شخص کی روح کا قبض ہو جانا اور دنیا جہان میں صرف بُرے لوگوں کا باقی رہجانا اور اُن پر قیامت کا قائم ہونا یعنے اُنکی اسی حالت پر دنیا کا فنا ہونا اور پھر اس کے بعد قیامت کا قائم ہونا بالصراحت مذکور ہے۔ چنانچہ خاتمۂ روایت یوں ہے۔ فَبَيْنَاهُمْ كَذٰلِكَ اِذْ بَعَثَ اللّٰهُ رِيْحًا طَيِّبَةً یعنے جب لوگ ایسی ایسی برکتوں میں جو حدیث میں مذکور ہیں زندگی گذار رہے ہونگے۔ اُس وقت اللہ تعالےٰ ایک نہایت پاکیزہ ہوا چھوڑیگا۔ فَتَأْخُذُهُمْ تَحْتَ اٰبَاطِهِمْ یعنے پس پکڑیگی اُن کو اُنکی بغلوں کے نیچے، یعنے وہاں پر لگیگی۔ فَتَقْبِضُ رُوْحَ كُلِّ مُؤْمِنٍ وَّكُلِّ مُسْلِمٍ یعنے پس قبض کریگی وہ ہوا روح ہر مومن اور ہر مسلم کی، وَيَبْقٰى شِرَارُ النَّاسِ یعنے تمام مومنوں کے فوت ہو جانے کے بعد صرف بُرے لوگ باقی رہجائینگے۔ يَتَهَارَجُوْنَ فِيْهَا تَهَارُجَ الْحُمُرِ یعنے شرم حیا دنیا سے ایسی اُٹھ جائیگی کہ وہ بُرے لوگ (نہایت بیشرمی سے) رستوں میں گدھوں کی طرح عورتوں

[۱] صحیح مسلم جلد ۲ صفحہ ۴۰۱، و مشکوٰۃ ۴۶۵/۴۷۳ ۱۲ منہ

سے جماع کرینگے۔ فَعَلَيْهِمْ تَقُوْمُ السَّاعَةُ یعنے پس اُن لوگوں پر قیامت قائم ہوگی، یعنے اُن لوگوں کے وقت میں دُنیا فنا کر دیجائیگی، جس کے بعد قیامت قائم ہوگی؟

اسکی تائید میں متبع مسلم کی وہ حدیثیں بھی پیش ہوسکتیں جو مشکوٰۃ شریف کے **بَابُ لَا تَقُوْمُ السَّاعَةُ اِلَّا عَلٰى شِرَارِ النَّاسِ**[۴۷۲] میں منقول ہیں۔ جن میں مذکور ہے کہ قرب قیامت میں دُنیا کی حالت ایسی ہو جائیگی۔ کہ واقعی وہ فنا کردی جائے۔ کیونکہ اُس وقت تمام جہان میں کوئی شخص بھی خدا کا نام لیوا نہ رہیگا۔ اِن احادیث کا خلاصہ یہ ہے:۔

(۱) لَا تَقُوْمُ السَّاعَةُ عَلٰى اَحَدٍ يَقُوْلُ اللّٰهُ اللّٰهُ (رواہ مسلم) یعنے قیامت قائم نہیں ہوگی اُس شخص پر جو کہیگا اللہ! اللہ!

(۲) لَا تَقُوْمُ السَّاعَةُ اِلَّا عَلٰى شِرَارِ الْخَلْقِ (رواہ مسلم) یعنے قیامت قائم نہیں ہوگی مگر اوپر سب خلقت سے بُرے لوگوں کے۔

(۳) اُم المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضہ کہتی ہیں، کہ میں نے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سُنا۔ لَا يَذْهَبُ اللَّيْلُ وَ النَّهَارُ حَتّٰى يُعْبَدَ اللَّاتُ وَ الْعُزّٰى الحدیث (رواہ مسلم) یعنے رات اور دن نہیں جائینگے (یعنے اِن کا دورہ ختم ہو کر فنا نہیں ہوگا) حتے کہ پھر لات اور عزّیٰ (بتوں) کی عبادت کی جائے۔ الحدیث،

اسی حدیث میں یہ بھی ہے کہ حضرت عائشہ رضہ کے سوال پر آنحضرت صلعم نے فرمایا:۔

"دین اسلام غالب رہیگا جبتک خدا چاہیگا۔ پھر بھیجے گا خدا تعالےٰ ایک پاک ہوا۔ پس قبض ہو جائیگا ہر وہ شخص جسکو دل میں"
"رائی کے برابر بھی ایمان ہوگا۔ اور باقی رہجائینگے وہ جنمیں کوئی خیر (نیکی) نہیں ہوگی۔ پس وہ لوگ اپنے آبائی دین کی طرف مرتد ہو جائینگے"

(۴) حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے خروجِ دجال اکبر کی خبر دی کہ وہ زمین میں چالیس رہیگا۔

"پس بھیجیگا اللہ تعالےٰ عیسےٰ بن مریم کو، × × × پس آپ دجال کو قتل کرینگے، پھر رہینگے آپ سات سال کہ دو شخصوں کے درمیان کوئی"
"عداوت نہیں ہوگی۔ پھر بھیجیگا اللہ تعالیٰ ٹھنڈی ہوا شام کی طرف سے پس نہ باقی رہیگا روئے زمین پر کوئی کہ جسکے دل میں ذرہ بھر بھی"
"ایمان ہوگا۔ مگر قبض کرلیگی وہ ہوا اسکو × × × پس باقی رہجائینگے شرار الناس یعنے سب سے بُرے لوگ جو (قضائے شہوت"
"میں پرندوں کی طرح تیز ہونگے) نہ نیکی کو نیک جانینگے اور نہ بُرائی کو بُرا مانینگے، پس شیطان انسانی صورت میں ہو کر اُنکے سامنے آئیگا"
"اور کہیگا؛ کیا تمکو شرم نہیں آتی؟ وہ لوگ کہینگے آپ کیا فرماتے ہیں؟ شیطان اُن کو بُتوں کی عبادت کا امر کریگا۔ اور وہ اُس بُت"
"پرستی کی) حالت میں رزق کی کثرت اور گذران کی خوبی میں ہونگے۔ پھر پھونکا جائیگا۔ قرنا میں، الحدیث (رواہ مسلم رضی تعالیٰ عنہ)"

[illegible]

احادیث کی تفصیل بالا کو ذہن میں رکھکر موجودہ زمانہ کے حالات پر نظر کریں۔ کہ کیا یہ اُمور بموجب بیانِ احادیث واقع ہوچکے ہیں؟ آپ کی بے لاگ ضمیر بھی شہادت دیگی۔ کہ ہرگز نہیں۔ لیکن پھر بھی مصنفین مدت سے چیخ رہے ہیں کہ یاجوج ماجوج کا خروج ہوچکا ہے[۵۱]۔

---

[۵۱] مولانا ابو الکلام آزاد صاحب علم صرف و نحو اور سیاق و سباق قرآن اور احادیث نبویہ صلی اللہ علیہ وسلم کی قیود سے آزاد ہو کر فرماتے ہیں: "چنانچہ قرآن نے سورۂ انبیاء میں اُن کے جس خروج کی خبر دی ہے۔ وہ منگولیا کے تاتاریوں کا آخری خروج تھا" (ترجمان جلد ۲ صفحہ ۴۳۳) مولانا صاحب کے لفظ "تھا" سے صاف ظاہر ہے کہ اُن کے نزدیک یہ واقعہ ہوچکا ہے حالانکہ ابھی نہیں ہوا بلکہ فنائے عالم کے قریب ہوگا۔

کیونکہ روس اور انگریز[۱] ایک دوسرے پر تغلب حاصل کرنے کے درپے ہیں کہ حکیم نورالدین صاحب قادیانی نے یہ تو لکھدیا کہ بہت ہی قریب ہے۔ کہ روس اور انگریز آپس میں اُلجھ پڑیں۔ لیکن ایک کسر رہگئی تھی کہ یاجوج و ماجوج کے خروج سے پیشتر حضرت عیسےٰ نبی اللہ علیہ السلام کا نزول ضروری تھا۔ جو واقع نہیں ہوا تھا۔ سو اسے مرزا جی نے خود عیسویت کا دعوےٰ کر کے پورا کر دیا۔ اور بغیر روس و انگریزوں کی لڑائی چھڑنے کے یاجوج و ماجوج کا خروج واقع ہو گیا۔ نہ ہینگ لگی نہ پھٹکڑی۔ حکیم صاحب کو یہ لکھے ہوئے نصف صدی سے زیادہ عرصہ گذرگیا ہے۔ اور وہ لڑائی ابتک نہیں ہوئی۔ اور مرزا صاحب مسیح بنکر ۴۲ سال ہوئے اس دُنیا سے رخصت بھی ہو چکے ہیں۔ اب چاہئے تو یہ تھا۔ کہ شام کی طرف سے ٹھنڈی اور پاک ہوا چلتی جس سے تمام احمدی (مرزائی) جو اکیلے مومن ہونیکے مدعی ہیں۔ زمین کی پشت سے اپنا بوجھ اُتار کر زیر زمین دفن ہو جاتے اور صرف دیگر لوگ جو اُنکے نزدیک شرار الناس ہیں باقی رہجاتے۔ لیکن یہ بھی نہیں ہوا۔ تو پھر احادیثِ صحیحہ کی تصریحات کہاں گئیں۔ ہم تو خدا لگتی ایک ہی کہتے ہیں۔ کہ اگر یہ احادیث صحیح ہیں۔ تو لازماً مرزا جی اپنے دعاوی مخصوصہ میں باطل ہیں۔ اور اگر معاذاللہ ہم مرزا جی کی تصدیق کریں۔ تو لازماً ان احادیث سے انکار کرنا پڑے گا۔ یا منافقانہ طور پر اقرار کر کے مرزا جی کی خاطر ان کے معانی کو بگاڑنا پڑے گا۔ اور یہ دونوں باتیں ملحدانہ روش کی ہیں واللہ الہادی۔ پس صحیح وہی ہے جو ائمہ محدثین کا مذہب ہے۔ رزقنا اللہ اتباعہم، آمین

بطریق دیگر آپ اِس بات کو اس طرح بھی سمجھ سکتے ہیں۔ کہ جملہ اہل عقل کے نزدیک مسلم ہے اِذَا ثَبَتَ الشَّیْءُ ثَبَتَ بِلَوَازِمِہٖ یعنی جب کوئی شے ثابت ہوتی ہے تو اپنے لوازمات کے ساتھ ثابت ہوتی ہے۔ ایسا نہیں ہو سکتا کہ کوئی شے ثابت ہو اور اس کے لوازمات و نتائج ضروریہ ثابت نہ ہوں۔ اور نہ ایسا ہو سکتا ہے۔ کہ کسی شے کے لوازمات و نتائج ضروریہ پائے تو نہ جائیں لیکن ہم اُس شے کو ثابت و محقق شمار کر لیں۔ اس بات کو ذہن میں رکھکر ذیل کی سطروں کو غور سے پڑھیں:۔

"اگر بحسبِ اِدّعائے خود جناب مرزا صاحب آنجہانی مسیح موعود ہیں، اور رُوس و انگریز یاجوج و ماجوج ہیں۔ تو 6

---

[۱] حکیم نورالدین صاحب قادیانی فرماتے ہیں "اب یہ دونوں قومیں یاجوج (رُوس) ماجوج (انگریز) کیسے نزدیک آپہونچے ہیں۔ اور بہت ہی قریب ہے کہ دونوں آپس میں اُلجھ پڑیں۔ اور قرآن کریم کا یہ فرمانا وَتَرَکْنَا بَعْضَهُمْ يَوْمَئِذٍ يَّمُوْجُ فِيْ بَعْضٍ جو ہمیشہ سے صادق ہے۔ تمام آنکھوں کو اپنی سچائی دکھا دے۔ (تصدیق براہین احمدیہ صـــــ)

اپنے علمی راہنما کی پیروی میں خود مرزا صاحب قادیانی یوں رقمطراز ہیں "لیکن خدا تعالےٰ فرماتا ہے۔ کہ آخری زمانہ میں یہ دونوں قومیں خروج کرینگی۔ یعنے اپنی جلالی قوت کے ساتھ ظاہر ہونگی۔ جیسا کہ سورت کہف میں فرماتا ہے۔ وَتَرَکْنَا بَعْضَهُمْ يَمُوْجُ فِيْ بَعْضٍ یعنی یہ قومیں دوسروں کو مغلوب کر کے پھر ایکدوسرے پر حملہ کریں گی۔ اور جس کو خدا تعالےٰ چاہے گا فتح دیگا چونکہ اِن دونوں قوموں سے مراد انگریز اور روس ہیں۔ اسلئے سعادتمند مسلمان کو دُعا کرنی چاہئے۔ کہ اس وقت انگریزوں کو فتح ہو۔ کیونکہ یہ لوگ ہمارے محسن ہیں۔ اور سلطنت برطانیہ کے ہمارے سر پر بہت احسان ہیں۔ سخت جاہل اور سخت نادان اور سخت نالائق وہ مسلمان ہے۔ جو اس گورنمنٹ سے کینہ رکھے۔ اگر ہم ان کا شکر نہ کریں۔ تو پھر ہم خدا تعالےٰ کے بھی ناشکر گذار ہیں کیونکہ ہمنے جو اس گورنمنٹ کے زیر سایہ آرام پایا اور پا رہے ہیں۔ وہ آرام ہم کسی اسلامی گورنمنٹ میں بھی نہیں پا سکتے۔ ہرگز نہیں پا سکتے" (ازالہ اوہام مصنفہ مرزا صاحب قادیانی جلد ۲ تقطیع کلاں صــ۲۵۵ مطبوعہ ۱۹۔ اپریل ۱۹۰۲ء مطبع انوار احمدیہ قادیان)

"اولاً یہ ضروری تھا۔ کہ اللہ تعالیٰ احمدیوں (مرزائیوں) کو یاجوج و ماجوج کے فتنہ سے محفوظ رکھنے کے لئے مرزا صاحب
"کو بموجب حدیث صحیح مسلم کے وحی کرتا کہ میرے (احمدی) بندوں کو کوہِ طور پر لیجائیے۔ لیکن مرزا صاحب کو ایسی وحی کوئی"
"نہیں ہوئی۔ بلکہ اس کے بالکل خلاف مرزا صاحب اپنے لئے اور اپنی جماعت کیلئے انہی یاجوج (انگریزوں) کی حمایت"
"و حفاظت طلب کرتے رہے۔ ملاحظہ ہو درخواست مرزا غلام احمد صاحب قادیانی بحضور نواب لفٹیننٹ گورنر بہادر پنجاب مندرجہ"
"تبلیغ رسالت جلد ہفتم صفحہ ۲۰)

"ثانیاً یہ کہ روسی افواجِ قاہرہ (یاجوج) مرزا جی کی بددعا سے مدت سے فنا ہو گئی ہوتیں۔ لیکن روسی اُلٹے زور پکڑ رہے ہیں"
"ثالثاً یہ کہ مرزا جی انگریزوں کے حق میں بھی بددعا کرتے اور وہ بھی یکدم ہلاک و تباہ ہو گئے ہوتے نہ یہ کہ مرزا جی انگریزوں کیلئے
"فتحمندی و ترقی اقبال و دولت و مال اور وسعتِ حکومت و سلطنت کیلئے دعائیں کرتے رہتے۔ بلکہ مرزا جی تو لکھتے ہیں کہ خدا تعالیٰ"
"مجھے الہام میں ارشاد فرمایا کہ اس گورنمنٹ کے اقبال اور شوکت میں تیرے وجود اور تیری دعا کا اثر ہے۔ اور اسکی فتوحات"
"تیرے سبب سے ہیں" سلہ

"اور مزید برآں فرماتے ہیں:"

"کیا آپ لوگ چاہتے نہیں کہ اس محسن گورنمنٹ کا ان تمام تعریفوں کے ساتھ دنیا میں نام پھیلے اور اسکی محبت دُور دُور تک دلوں
میں جاگزیں ہو۔ سلہ

جب واقعات و نتائج جو بموجب احادیثِ صحیحہ کے لازماً وقوع میں آنے چاہئے تھے۔ واقع نہیں ہوئے۔ تو کون کہہ سکتا ہے کہ مرزا
صاحب اپنے ادعائے مسیحیت اور شناختِ زمانۂ خروجِ یاجوج و ماجوج میں راستی پر تھے ؂

لذیذ بود حکایت دراز تر گفتم   چنانکہ حرفِ عصا گفت موسیٰ اندر طور   تمت والحمد للہ

وَنُفِخَ فِي الصُّورِ فَجَمَعْنَاهُمْ جَمْعًا ﴿۱۰۰﴾ وَعَرَضْنَا جَهَنَّمَ يَوْمَئِذٍ

اور پھونکا جائیگا قرنا میں پس ہم جمع کر لینگے ان سب کو ۱۸۶ اور سامنے لائینگے ہم جہنم کو اس روز

لِّلْكَافِرِينَ عَرْضًا ﴿۱۰۱﴾

کافروں کے گئے سچ مچ سامنے لانا ۱۰۱

۱۸۶ اس مقام پر تین امر ذکر کئے گئے ہیں۔ نفخ صور۔ جمع خلقت، اور جہنم کا سامنے لانا۔ یہ تینوں باتیں قیامت کے متعلق ہیں۔ پہلی بات یعنی نفخہ صور کا بیان اس طرح ہے۔ کہ نفخے چار ہیں۔ اول فنائے عالم کا، دوسرا قیام قیامت کا تیسرا عرصات (محشر) میں بیہوشی کا اور چوتھا اس بیہوشی سے افاقہ کا بعد ازاں محاسبۂ اعمال اور دخول جنت

سلہ اشتہار مرزا صاحب قادیانی مورخہ ۲۲ مارچ ۱۸۹۷ء مندرجہ تبلیغ رسالت جلد ہشتم صفحہ ۶۹ ۱۲ منہ سلہ فریاد درد مصنفہ مرزا صاحب قادیانی صفحہ ۳۳ ۱۲ منہ

و دوزخ کا فیصلہ ہے۔ اَللّٰھُمَّ حَاسِبْنَا حِسَابًا یَّسِیْرًا وَّ اَدْخِلْنَا بِفَضْلِکَ جَنّٰتِکَ جَنَّۃَ الْفِرْدَوْسِ، آمِیْن،

اِن سب کا ذکر قرآن و حدیث میں متفرق مقامات پہ وارد ہے۔ لیکن اس مقام پر یعنے سورتِ کہف میں نفخہ ثانیہ یعنے قیامِ قیامت کا نفخہ مُراد ہے۔ کیونکہ اس کے بعد فَجَمَعْنٰھُمْ وارد ہے جس سے مُراد محشر میں حساب کے لئے جمع کرنا ہے۔ چنانچہ تفسیر جامع البیان میں ہے۔ وَنُفِخَ فِي الصُّوْرِ قَرْنٌ یَنْفُخُ فِیْہِ اِسْرَافِیْلُ لِقِیَامِ السَّاعَۃِ فَجَمَعْنٰھُمْ جَمْعًا لِلْحِسَابِ ١٢ یعنے پھونکا جائیگا قرنا میں سنگا نرسنگا ہے۔ جس میں حضرت اسرافیل (فرشتہ) قیامِ قیامت کیلئے پھونکیگا۔ پس ہم ان کو حساب کے لئے جمع کرینگے۔ لوگوں کو جمع کرنے کیلئے بگل یا نرسنگا بجایا جاتا ہے۔ اِسی طرح یہ بھی ہوگا۔ لوگوں کے نرسنگے اور خدا کے اس نرسنگے یا بگل میں فرق ہے۔ کہ لوگ صرف زندہ اور باہوش لوگوں کو جمع کرسکتے ہیں۔ لیکن خدا کے نزدیک مُردہ اور زندہ ایک جیسے ہیں۔ اسلئے مُردے زندہ ہوکر اُدھر کو جدھر سے آواز آتی ہوگی۔ دوڑتے چلے جائینگے۔ جیسا کہ سورتِ یٰسٓ ٢٣ میں فرمایا وَنُفِخَ فِي الصُّوْرِ فَاِذَا ھُمْ مِّنَ الْاَجْدَاثِ اِلٰی رَبِّھِمْ یَنْسِلُوْنَ (پ ٢٣) یعنے اور پھونکا جائیگا قرنا میں پس لوگ فوراً قبروں سے نکلکر اپنے رب کی طرف دوڑتے چلے جائینگے۔ اس طرح کی اور آیات بھی ہیں۔ لیکن ہم بنظرِ اختصار نقل نہیں کرسکتے۔ اور اِس نفخہ سے مُردوں میں جو جان پڑ جائیگی۔ تو یہ اُسی طرح ہے۔ جیسے حضرت عیسٰے علیٰ نبینا و علیہ الصلوٰۃ والسّلام کے نفخے سے مٹی کے جانوروں میں جان پڑ جاتی تھی۔ جو تیسرے اور ساتویں پارے میں مذکور ہے۔ پس اِن باتوں میں جو قرآن شریف کی آیات اور احادیث صحیحہ کی تصریحات سے ثابت ہوں۔ شک نہیں کرنا چاہئے۔ اور نہ اُن میں تاویلات کی گنجائش ہے نہ کوئی حاجت ہے۔ ورنہ خود قیامت بھی تو منکرین کیلئے ہمیشہ موجب تعجب ہی ہے۔ اور اب تک ہے۔ پس اگر اُن کے لئے روزِ قیامت کے احوال و اہوال بھی تعجبناک ہوں۔ تو ایک مومن کیلئے تعجبناک نہیں ہیں۔ بلکہ مومن کو منکرین کی عقل پر تعجب کرنا چاہئے۔ کہ وہ خدائے قدیر کی قُدرت کے سامنے کوئی بات انہونی کیوں سمجھتے ہیں جیسا کہ فرمایا۔ وَاِنْ تَعْجَبْ فَعَجَبٌ قَوْلُھُمْ ءَاِذَا کُنَّا تُرٰبًا ءَاِنَّا لَفِیْ خَلْقٍ جَدِیْدٍ ۵ (رعد پ ١٣) یعنے اے پیغمبر اگر تو تعجب کرے۔ تو واقعی اُنکی یہ بات قابلِ تعجب ہے۔ جو وہ کہتے ہیں کہ کیا جب ہم (مرکر) مٹی ہو جائینگے تو کیا ہم ضرور ضرور نئی پیدائش میں (زندہ) ہونگے ؟ ١٢

اِسیطرح اِسکے بعد جو عَرَضْنَا جَھَنَّمَ وارد ہے۔ وہ بھی اُسی طرح حق کائن ہے۔ جس طرح خدا تعالٰے اور اُس کے رسول پاکؐ نے فرمایا۔ کہ دوزخ سامنے لایا جائیگا۔ یہ امر قرآن و حدیث میں صاف صاف مذکور ہے۔ چنانچہ فرمایا وَجِایْٓءَ یَوْمَئِذٍۢ بِجَھَنَّمَ (الفجر پ ٣٠) یعنے لایا جائیگا جہنم کو، اور صحیح مسلم میں اُسکی کیفیت مفصل مذکور ہے وَکَانَ الْاِنْسَانُ اَکْثَرَ شَیْءٍ جَدَلًا (کہف پ ١٥)

اَلَّذِیْنَ کَانَتْ اَعْیُنُھُمْ فِیْ غِطَآءٍ عَنْ ذِکْرِیْ

وہ (کافر) کہ تھیں آنکھیں اُنکی پردے میں میرے ذکر سے اور

وَکَانُوْا لَا یَسْتَطِیْعُوْنَ سَمْعًا ﴿١٠١﴾

اور نہ طاقت رکھتے تھے سننے کی مثلاً حاشیہ متعلق نمبر ١٨١ صفحہ ہذا ١٠٢ پر دیکھو

کیونکہ آدمی کے ظاہری حواسِ خمسہ میں سے دو حِسّیں علم حاصل کرنے میں نہایت مفید و کار آمد ہیں۔ اوّل باصرہ یعنے دیکھنے کی حِس، جو آنکھوں کے متعلق ہے۔ دوسری سامِعہ یعنے سُننے کی، جو کانوں کے متعلق ہے۔ یہ دونوں بیکار ہو جائیں، تو انسان حیوان لایعقل بلکہ اُن سے بھی بدتر ہو جاتا ہے۔ چنانچہ فرمایا لَهُمْ قُلُوبٌ لَّا يَفْقَهُونَ بِهَا وَلَهُمْ أَعْيُنٌ لَّا يُبْصِرُونَ بِهَا وَلَهُمْ آذَانٌ لَّا يَسْمَعُونَ بِهَا ۚ أُولَٰئِكَ كَالْأَنْعَامِ بَلْ هُمْ أَضَلُّ ۚ أُولَٰئِكَ هُمُ الْغَافِلُونَ (اعراف پ ۹) یعنے اُنکے دل تو ہیں (لیکن) اُن سے سمجھتے نہیں اور اُنکی آنکھیں بھی ہیں (لیکن) اُن سے دیکھتے نہیں۔ اور اُن کے کان بھی ہیں (لیکن) اُن سے سُنتے نہیں۔ وہ مثل چوپائیوں کے ہیں بلکہ وہ (اُنسے بھی) گمراہ تر ہیں۔ یہی وہ ہیں جو غافل ہیں۔

توضیح انسان یا تو اپنی آنکھ سے دیکھ کر سمجھتا ہے۔ سو اسکے لئے بصارت (بینائی) کی ضرورت ہے۔ اور یا دوسرے سے سُنکر نصیحت حاصل کرتا ہے۔ اِسکے لئے سماعت (شنوائی) کی حاجت ہے۔ جس میں یہ دونوں باتیں نہ ہوں۔ اُسکے راہ پر آنے کی کیا صورت؟ چنانچہ ایسے لوگ قیامت کے دن جب دوزخ میں ڈالے جائینگے۔ تو حسرت کھائینگے۔ وَقَالُوا لَوْ كُنَّا نَسْمَعُ أَوْ نَعْقِلُ مَا كُنَّا فِي أَصْحَابِ السَّعِيرِ (مُلک پ ۲۹) یعنے اور وہ کہینگے کہ اگر ہم (انبیاء کی) سُنتے یا ہم (خود ہی) عقل کرتے تو (آج) ہم دوزخ والوں میں نہ ہوتے۔

اِس مضمون کو دیگر مقامات پر بھی بیان کیا گیا ہے۔ کہ ضدی منکر نہ دیکھتے ہیں نہ سُنتے ہیں۔ چنانچہ سورت ھُود میں فرمایا:- مَا كَانُوا يَسْتَطِيعُونَ السَّمْعَ وَمَا كَانُوا يُبْصِرُونَ (ھود پ ۱۲) یعنے نہ سُن سکتے تھے اور نہ (خود) دیکھتے تھے۔

اسیطرح آیات ذیل میں فرمایا:-

(۱) صُمٌّ بُكْمٌ عُمْيٌ فَهُمْ لَا يَرْجِعُونَ (بقرہ پ ۱) (وہ) بہرے، گونگے (اور) اندھے (ہیں) پس وہ رجوع نہیں کرینگے۔

(۲) صُمٌّ بُكْمٌ عُمْيٌ فَهُمْ لَا يَعْقِلُونَ (بقرہ پ ۲) (وہ) بہرے، گونگے (اور) اندھے (ہیں) پس وہ سمجھتے نہیں۔

(۳) وَالَّذِينَ كَذَّبُوا بِآيَاتِنَا صُمٌّ وَبُكْمٌ فِي الظُّلُمَاتِ (انعام پ ۷) اور جنہوں نے جھٹلایا ہماری آیات کو (وہ) بہرے اور گونگے (کئی قسم کے) اندھیروں میں (ڈوبے ہوئے) ہیں۔

تنبیہ اِن آیات میں منکرین کو جو اندھا اور بہرہ اور گونگا کہا گیا ہے۔ تو باطنی و قلبی صفات کے لحاظ سے کہا گیا ہے نہ کہ ظاہری بینائی اور شنوائی اور گویائی کے لحاظ سے کیونکہ ہر سہ مقامات پر اِن آیات سے پہلے **ہدایتِ الٰہی** کا ذکر ہے۔ جسے اُنہوں نے قبول نہ کیا تو اُنکے حال کو اِن مسلوب الحواس اشخاص سے تشبیہ دیگئی، جیسا کہ سورۂ اعراف کی آیت میں جو اوپر مذکور ہو چکی ہے۔ لَا يَفْقَهُونَ بِهَا اور لَا يُبْصِرُونَ بِهَا اور لَا يَسْمَعُونَ بِهَا صریحاً مرقوم ہیں۔

سوال: سورت کہف کی اِس آیت میں جسکی تفسیر ہو رہی ہے۔ فرمایا كَانُوا لَا يَسْتَطِيعُونَ سَمْعًا اور اسی طرح سورت ھُود کی آیت میں بھی فرمایا:- مَا كَانُوا يَسْتَطِيعُونَ السَّمْعَ یعنے وہ سُننے کی طاقت نہیں رکھتے تھے۔ جب اُنہیں سُننے کی طاقت ہی نہیں تو پھر اُنپر الزام کیسا؟ کیونکہ احکام شریعت کے متعلق خدا تعالےٰ کا عام قانون ہے۔ لَا يُكَلِّفُ اللَّهُ نَفْسًا إِلَّا وُسْعَهَا

جواب: عدم استطاعت کی تین صورتیں ہیں۔ ایک وہ جس کے رُو سے سائل کا سوال وارد ہوتا ہے۔ یعنی ناقابلیت

کہتے ہیں۔ یعنے خداتعالےٰ نے اُن میں قابلیت پیدا ہی نہ کی ہو۔ ایسی ہی صورت کیلئے فرمایا ہے۔ لَا يُكَلِّفُ اللّٰهُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَا۔ کہ خداتعالےٰ کسی کو اُسکی وُسعت سے بڑھکر (شرعی حکم کی) تکلیف نہیں دیتا، کیونکہ طاقت و قابلیت ہی کی بنا پر خدا کی حجت پوری ہوتی ہے اور یہ صورت سورت کہف اور سورت ہُود کی آیات میں مُراد نہیں ہے۔

دوسری صورت یہ کہ خداتعالےٰ نے تو قابلیت بخشی تھی۔ لیکن انہوں نے نافرمانی اور بُری روش سے اُسے ضائع کر دیا، ایسی صورت میں اتمام حجت کے بعد وہ ضرور ضرور ملزم ہیں۔

تیسری صورت یہ ہے۔ کہ قابلیت بحال ہے۔ لیکن ضد اور تعصب کی وجہ سے انبیاء علیہم السلام اور اُن کے خلفائے صالحین کی موعظت و تذکیر سننے کو برداشت نہیں کرتے۔ بلکہ اُلٹے اُن پر موذیانہ و قاتلانہ حملے کرتے ہیں۔ چنانچہ ایسے لوگوں کے حال میں فرمایا:۔ وَاِذَا تُتْلٰى عَلَيْهِمْ اٰيٰتُنَا بَيِّنٰتٍ تَعْرِفُ فِيْ وُجُوْهِ الَّذِيْنَ كَفَرُوا الْمُنْكَرَ ؕ يَكَادُوْنَ يَسْطُوْنَ بِالَّذِيْنَ يَتْلُوْنَ عَلَيْهِمْ اٰيٰتِنَا الآیہ (ا کع پ۱۷) یعنے اور جب پڑھی جاتی ہیں اور پران کے ہماری آیاتِ بیّنات تو (اے پیغمبر) تم پہچان لیتا ہے۔ ان کفار کے چہروں پر ناخوشی قریب ہو جاتے ہیں کہ حملہ کر دیں اُن پر جو پڑھتے ہیں اُن پر ہماری آیتیں۔ الآیۃ

اِس تفصیل سے صاف طور پر سمجھ میں آسکتا ہے۔ کہ سورتِ کہف اور سورتِ ہُود اور اس قسم کی دیگر آیات میں یہی دو صورتیں مراد ہیں جنکے رُو سے خداتعالےٰ انکو ملزم گردان رہا ہے۔ اور اِن صورتوں پر سوال مذکور وارد نہیں ہو سکتا۔ چنانچہ تفسیر سراج منیر میں سورت کہف کی آیت زیر تفسیر وَكَانُوْا لَا يَسْتَطِيْعُوْنَ سَمْعًا کی تفسیر یوں کی ہے۔ اَيْ لَا يَقْدِرُوْنَ اَنْ يَسْمَعُوْا مِنَ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَا يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ بُغْضًا لَهٗ فَلَا يُؤْمِنُوْنَ بِهٖ یعنے نہیں برداشت کر سکتے اسکو جو کچھ کہ سُنتے ہیں اُن پر نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم بوجہ آپ سے بُغض رکھنے کے پس وہ آپ پر ایمان بھی نہیں لاتے (اَللّٰهُمَّ وَفِّقْنَا لِقُبُوْلِ الْهِدَايَةِ)

۱۰۲ اَفَحَسِبَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اَنْ يَّتَّخِذُوْا عِبَادِيْ مِنْ دُوْنِيْٓ اَوْلِيَآءَ ؕ

تو کیا گمان کر رکھا ہے اُن لوگوں نے جنہوں نے کفر اختیار کر لیا کہ پکڑ لینگے وہ میرے بندوں کو سوا میرے کارساز

۵۱۸۸ حل ترکیب :۔ اَفَحَسِبَ کا ہمزہ استفہام انکار کیلئے ہے یعنے ایسا گمان غلط ہے۔ اور عِبَادِیْ مفعول اوّل ہے يَتَّخِذُوْا کا، اور اَوْلِيَآءَ اِس کا مفعول ثانی ہے۔ اور مِنْ دُوْنِيْ یا تو عِبَادِيْ کی صفت ہے یا يَتَّخِذُوْا کے متعلق ظرف ہے۔ اور حَسِبَ کا مفعول اوّل جملہ اَنْ يَّتَّخِذُوْا عِبَادِيْ ہے۔ اور اس کا مفعول ثانی بنا بر قرینہ نَافِعًا وغیرہ محذوف ہے۔ (تفسیر جامع البیان وغیرہ) یا جملہ اَنْ يَّتَّخِذُوْا عِبَادِيْ ہی قائم مقام دو مفعول کے ہے۔ (حاشیہ جلالین) اور اسکا اَنْ مصدریہ ہے۔ (دیکھو حاشیہ متعلقہ نمبر ۱۰۲ ۱ پ ۲)

لہ جیسا کہ ۹ شعبان ۱۳۵۶ھ مطابق ۱۴ نومبر ۱۹۳۷ء کو ایک بدعتی نے حضرت مولانا ثناء اللہ صاحب فاضل امرتسری دامت برکاتہم پر جبکہ آپ غزنوں کی رسوم شرکیہ و بدعیہ کی تردید اور توحید و سنت کی تائید کیلئے وعظ فرمانے جا رہے تھے، اچانک قاتلانہ حملہ کر دیا۔ اور اللہ تعالےٰ نے اپنے فضل و کرم سے آنجناب کو اُسکے ارادہ بد سے بچا لیا۔ اَللّٰهُمَّ احْفَظْهُ بِالْاِسْلَامِ قَاعِدًا وَّقَائِمًا ۱۲ میر سیالکوٹی عفی عنہ

توضیح حاصل مطلب اِس آیت کا یہ ہے۔ کہ کیا ان کُفّار نے یہ سمجھ رکھا ہے۔ کہ اِن کا میرے سوا میرے بندوں کو معبود و مددگار بنا لینا اُن کیلئے کچھ مفید و نافع ہوگا۔ اور وہ اِس طریق سے میرے عذاب سے بچ جائینگے؟ سو اِن کا یہ گمان غلط ہے۔ ایسا ہرگز نہیں ہوگا۔ اِسی طرح سورۂ مریم پ۱۶ میں فرمایا:-

وَاتَّخَذُوا مِنْ دُونِ اللّٰهِ اٰلِهَةً لِّيَكُونُوا لَهُمْ عِزًّا ۝ كَلَّا ۚ سَيَكْفُرُونَ بِعِبَادَتِهِمْ وَيَكُونُونَ عَلَيْهِمْ ضِدًّا ۝ (مریم پ۱۶)	اور پکڑ لئے انہوں نے سوائے خدا کے کئی معبود تاکہ ہوں وہ اُنکے لئے باعث عزت ہرگز نہیں ہوگا عنقریب (قیامت کو) وہ اُن کے عبادت کرنے سے انکار کر دینگے۔ اور اُن کے مخالف ہو جائینگے)

تفسیر اسجگہ عِبَادِیْ سے مُراد وہ بندگانِ خدا مُراد ہیں۔ جنکو مشرکوں نے از خود اپنے اُمور میں متصرف جانکر اپنے حامی و مددگار اور مشکل کشا و حاجت روا سمجھ رکھا ہے۔ اور اِسی خیالِ باطل سے وہ اُنکی عبادت کرتے۔ اُن کے نام کے وِرد و وظیفے کرتے اُن سے حاجتیں طلب کرتے۔ بمشکلات میں اُنکو پکارتے۔ اور اُن کے نام کی نذریں نیازیں چڑھاتے ہیں، چاہے وہ بندگانِ خدا انبیآء ہیں۔ چاہے اولیآء و صُلحاء، چاہے فرشتے، چاہے جنّات، چاہے شیاطین، چاہے کوئی اور، چاہے وہ زمین میں ہیں چاہے آسمان پر، چاہے زندہ ہیں، چاہے مُردہ، چاہے جاندار ہیں۔ چاہے بیجان، سب اِس میں داخل ہیں۔ کیونکہ سب زندہ و مُردہ، اور سب فرشی و فلکی، اور سب خاکی و نوری و ناری، اور سب انبیآء و اولیآء، اور سب فرشتے و شیاطین تمام کے تمام خدا کے بندے ہیں جیسا کہ فرمایا:-

اِنْ كُلُّ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ اِلَّآ اٰتِي الرَّحْمٰنِ عَبْدًا (مریم پ۱۶)	نہیں کوئی جو آسمان میں اور زمین میں ہے۔ مگر آنیوالا ہے خدائے رحمٰن کے سامنے بندہ ہو کر)

تفسیر جامع البیان وغیرہ میں سورت کہف کی اِسی آیت اَفَحَسِبَ الَّذِیْنَ کے ذیل میں عِبَادِیْ کی تفسیر میں کہا ہے۔ کَالْمَلٰٓئِكَةِ وَعِيْسٰى وَالشَّيَاطِيْنِ، یعنے مثل فرشتوں کی اور حضرت عیسٰےؑ کی اور شیاطین کی)

نکتہ مشرک لوگ انبیآء، و صُلحآء، اور ملائکہ کے متعلق جو کچھ شرک کرتے ہیں وہ تو اُن کے تقدس و بزرگی اور خدا رسی کے خیال سے کرتے ہیں۔ لیکن جو جنّات کے متعلق کرتے ہیں، سو اُنکے شر سے بچنے کیلئے کرتے ہیں۔ جیسا کہ سورہ جنّ پ۲۹ میں فرمایا:- وَاَنَّهٗ كَانَ رِجَالٌ مِّنَ الْاِنْسِ يَعُوْذُوْنَ بِرِجَالٍ مِّنَ الْجِنِّ یعنے یہ کہ انسانوں میں سے بعض لوگ بعض جنّ کی پناہ پکڑا کرتے تھے)

سو خدا تعالےٰ نے ہر ایک کے متعلقہ شرک کی تردید کیلئے قرآن شریف میں ایک ایک مستقل سورت نازل کی، مثلاً جو لوگ انبیآء و صُلحاء کے متعلق شرکی توہمات رکھتے ہیں، اُن کی تفہیم و اصلاح کے لئے سورتِ انبیآء (پ۱۷ میں) نازل کی۔ اور اس میں اوّل تو یہ فرمایا:-

وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ مِنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا نُوْحِيْٓ اِلَيْهِ اَنَّهٗ لَآ اِلٰهَ اِلَّآ اَنَا فَاعْبُدُوْنِ (انبیاء پ۱۷)	اور اے پیغمبر! نہیں بھیجا ہمنے تجھسے پہلے کوئی رسول مگر ہم اُسکی طرف یہی وحی کرتے رہے ہیں کہ میرے سوا کوئی بھی لائق عبادت نہیں پس میری ہی عبادت کرو)

اور اُس کے بعد متواتر حضرات موسےٰ و ہارون علیہما السّلام اور حضرات ابراہیم و لوط علیہما السّلام اور حضرت نوح علیہ السلام

اور حضرات داؤد و سلیمان علیہما السلام، اور حضرات ایوب و یونس (ذوالنون) علیہما السلام اور حضرات زکریا و یحیٰی علیہما السلام کا ذکر کر کے اخیر میں فرمایا۔

اِنَّهُمْ كَانُوْا يُسٰرِعُوْنَ فِي الْخَيْرٰتِ وَيَدْعُوْنَنَا رَغَبًا وَّرَهَبًا ۭ وَكَانُوْا لَنَا خٰشِعِيْنَ (انبیاء پ۱۷)

بیشک یہ سب نیکیوں میں جلدی کرتے تھے اور ہمکو پکارتے تھے رغبت سے اور ڈر سے، اور ہمارے لئے متواضع (وفرمانبردار) تھے

اُن میں سے بعض انبیاء علیہم السلام کے جزوی واقعات و مصائب بھی ذکر کئے ہیں جنمیں انہوں نے حصولِ مطلب اور دفعِ مصیبت کے لئے صرف خدائے واحد کو پکارا، گویا کہ انبیاء علیہم السلام کے عملیات سے بتا دیا کہ اُن کا مذہب کیا تھا پس جب انبیاء علیہم السلام کا مذہب توحید الٰہی ٹھیرا، اور مشکلات کے وقت صرف خدا کو پکارنا ثابت ہوا، تو مشکلات و حاجات میں خدا کے سوا کسی اَور کو پکارنا دینِ انبیاء کے خلاف ہوا مثلاً اِسی سورت میں مذکور ہے۔ کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام آگ میں ڈالے گئے۔ تو خدا تعالےٰ نے اُن پر آگ کو سرد کر دیا، اور وہ اُس سے صاف صاف بچ گئے۔ اسکی نسبت اللہ تعالیٰ نے سورت عنکبوت پ۲۰ میں فرمایا:۔

فَاَنْجٰىهُ اللّٰهُ مِنَ النَّارِ ۭ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ (عنکبوت پ۲۰)

"پس بچا لیا اُسکو خدا نے اُس آگ سے، بیشک اُس میں مومن لوگوں کے لئے البتہ (خدا کی مدد اور قدرت کے) کئی ایک نشانات ہیں"

اسیطرح حضرت ایوب علیہ السلام سخت بیمار ہوئے تو انہوں نے بھی خدا تعالےٰ ہی کو پکار کر کہا۔

اَنِّىْ مَسَّنِيَ الضُّرُّ وَاَنْتَ اَرْحَمُ الرّٰحِمِيْنَ (انبیاء پ۱۷)

بیشک مجھے پہنچی ہے سخت تکلیف (سخت بیماری) اور تو سب سے زیادہ رحم کرنیوالا ہے

خدا تعالےٰ نے ان کی پکار (دعا) سنی، اور اُنکو بیماری سے شفا دیدی، اِس قبولیت کی نسبت خدا تعالےٰ نے فرمایا۔ رَحْمَةً مِّنْ عِنْدِنَا وَذِكْرٰي لِلْعٰبِدِيْنَ (انبیاء پ۱۷) یعنی یہ سب کچھ اپنی رحمت سے کیا۔ اور اپنے پرستاروں (عابدوں) کی یاد کے لئے کیا گیا۔ (کہ وہ بھی اپنی ایسی مشکلات میں ہم ہی کو پکارا کریں اور اُمید رکھیں کہ ہم اُنکی پکار (دعا) کو اپنی مہربانی سے قبول فرمایا کرینگے)

اسیطرح حضرت ذوالنون (یونس) علیہ السلام نے مچھلی کے پیٹ میں پڑے ہوئے یوں دعا کی:۔

لَّآ اِلٰهَ اِلَّآ اَنْتَ سُبْحٰنَكَ ڰ اِنِّىْ كُنْتُ مِنَ الظّٰلِمِيْنَ (انبیاء پ۱۷)

(خداوندا! تیرے سوا کوئی الٰہ (معبود و عبادت کے لائق) نہیں تو پاک ہے بیشک میں ظالموں میں سے ہوں)

خدا تعالےٰ نے اپنی مہربانی سے اُنکی دعا قبول کی، اور اُن کو مچھلی کے پیٹ سے باہر کنارے پر لا پھینکا، اُسکی نسبت بھی فرمایا وَكَذٰلِكَ نُـنْجِي الْمُؤْمِنِيْنَ یعنے جس طرح یونس علیہ السلام نے ہمکو پکارا تو ہمنے اُسکو اس مصیبت سے نجات دی۔ اِسی طرح دیگر مومن بھی اپنی مشکلات و بلیات میں ہمکو پکاریں۔ تو ہم اُنکو بھی نجات دینگے۔

ان دعاؤں کی قبولیت کے متعلق جو خدا تعالےٰ ساتھ ساتھ یہ باتیں فرماتا ہے۔ تو اُن سے صاف صاف سمجھا جا سکتا ہے۔ کہ اللہ تعالےٰ دیگر لوگوں کو بھی یہی تعلیم کرتا ہے۔ کہ تم بھی حاجات میں مجھ ہی کو پکارو، میرا مقرر کردہ دین اور میرے انبیاء علیہم السلام کا طریقِ عمل یہی ہے کہ

(۲) عرب کے مشرک لوگ ملائکہ کو خدا تعالےٰ کی بیٹیاں قرار دیکر اُنکی بھی عبادت کرتے تھے۔ سو اُن کے متعلق بھی خاص سورت نازل کی جس کا نام سورۂ فاطر اور سورۃ الملائکہ ہے (دیکھو پ۲۲) اِن کی نسبت اِس سورت کے شروع ہی میں فرمایا۔

جَاعِلِ الْمَلٰٓئِكَةِ رُسُلًا (پ ۲۲ فاطر) یعنے خدا تعالٰے (اپنے اور اپنے انبیآء کے درمیان) فرشتوں کو پیغام رساں بنانیوالا ہے۔ کہ خدا تعالٰے اُنکی طرف اُنکی معرفت وحی کرتا ہے) اس سے یہ سمجھایا کہ فرشتے معبود نہیں ہو سکتے۔ کیونکہ وُہ خدا تعالٰے اور اُس کے بشری پیغمبروں کے درمیان قاصد و رسول ہیں۔ نیز سورہ سبا میں فرمایا:۔

وَيَوْمَ يَحْشُرُهُمْ جَمِيعًا ثُمَّ يَقُولُ لِلْمَلٰٓئِكَةِ أَهٰٓؤُلَآءِ إِيَّاكُمْ كَانُوا يَعْبُدُونَ ○ قَالُوا سُبْحَانَكَ أَنْتَ وَلِيُّنَا مِنْ دُونِهِمْ ۚ بَلْ كَانُوا يَعْبُدُونَ الْجِنَّ ۚ أَكْثَرُهُمْ بِهِمْ مُؤْمِنُونَ (سبا پ ۲۲)

اور جس دن (خدا) اِن سب کو جمع کرے گا۔ پھر ملائکہ سے فرمائیگا۔ کیا یہ لوگ تم کو پوجتے تھے؟ وہ کہینگے (خداوندا!) تو پاک ہے۔ ہمارا دوست تو تُو ہی ہے یہ نہیں ہیں۔ بلکہ (اصل بات یہ ہے کہ) یہ جنّات کی پرستش کرتے تھے۔ اِن میں کے اکثر اُنہی پر ایمان رکھنے والے ہیں ؎

(۳) تیسری قسم کے مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ معبود **جنّات** ہیں۔ اِن کے متعلق بھی خاص سُورت نازل کی، جس کا نام سُورت الجن ہے۔ اِس میں صاف صاف مذکور ہے کہ جنّات شرک سے تائب ہوکر قرآن و پیغمبر قرآن (صلے اللہ علیہ وسلم) پر ایمان لائے، اور بعض بلسان جو خطرات سے بچنے کے لئے سفر میں اُن کی پناہ چاہتے تھے۔ اُسکا ذکر مذمت سے کیا۔ اور اُنہوں نے صاف صاف کہہ دیا۔

إِنَّا سَمِعْنَا قُرْآنًا عَجَبًا ۙ يَهْدِي إِلَى الرُّشْدِ فَآمَنَّا بِهِ ۖ وَلَنْ نُشْرِكَ بِرَبِّنَا أَحَدًا ۙ (الجن پ ۲۹)

بیشک سُنا ہمنے قرآن عجب (شان والا) جو راہ دکھاتا ہے بھلائی کی۔ پس ہم اُسپر ایمان لے آئے ہیں۔ بعد (ابتو) ہم ہرگز ہرگز اپنے پروردگار کیساتھ کسی کو بھی شریک نہیں بنائینگے

بس قرآن پر ایمان رکھتے ہوئے آدمی شرک کے بھنور میں مبتلا نہیں ہو سکتا، إِلَّا مَنْ سَفِهَ نَفْسَهُ۔ مگر وہ جو ظلم کرے اپنی جان پر۔ اِس ساری تفصیل سے واضح ہو گیا۔ کہ خدا تعالٰے نے اپنے پاک کلام اور آخری پیغام قرآن شریف میں اُن تمام ہستیوں کے متعلق جنکو لوگ اپنے باطل خیالات سے معبودیت کا درجہ دیتے ہیں۔ الگ الگ سورتیں نازل کرکے شرک کی جڑھ کھود ڈالی ہے۔ اور قیامت کے دِن کی بابت خبر دیدی ہے۔ کہ وہ اُن سے بیزار ہو کر اپنی برارت ظاہر کر دینگے۔ چاہے وُہ خیالی معبود بنی آدم میں سے یعنے بزرگ و صلحاء ہیں چاہے نُوری یعنے فرشتے ہیں۔ چاہے ناری یعنی جنّات کی جنس سے ہیں۔ چنانچہ عام طور پر سب ایسے معبودوں کی بابت فرمایا

وَيَوْمَ يَحْشُرُهُمْ وَمَا يَعْبُدُونَ مِنْ دُونِ اللّٰهِ فَيَقُولُ ءَأَنْتُمْ أَضْلَلْتُمْ عِبَادِي هٰٓؤُلَآءِ أَمْ هُمْ ضَلُّوا السَّبِيلَ ○ قَالُوا سُبْحَانَكَ مَا كَانَ يَنْبَغِي لَنَا أَنْ نَتَّخِذَ مِنْ دُونِكَ مِنْ أَوْلِيَاءَ (فرقان پ ۱۸)

اور جس دن جمع کرے گا اِن کو اور اُنکو جنکی خدا کے سوا عبادت کرتے ہیں پس فرمائیگا کیا میرے اِن بندوں کو تمنے گمراہی میں ڈالا تھا۔ یا وہ خود رستہ بھول گئے تھے وہ کہینگے (خداوندا!) تو (شریک سے) پاک ہے۔ ہمیں تو لائق نہیں تھا کہ تیرے سوا کسی کو حامی و کارساز سمجھتے ؎ (حاشیہ ۱۸۹ ختم ہوا)

إِنَّا أَعْتَدْنَا جَهَنَّمَ لِلْكٰفِرِينَ نُزُلًا (۱۰۲)

تحقیق تیار رکھا ہے ہمنے دوزخ واسطے کافروں کے بطور مہمانی کے ۱۰۲

۱۹۰ **حلِ لغات** جَهَنَّمَ بعض اہل لغت اِسے مُعرب کہتے ہیں یعنے عجمی زبان (فارسی یا عبرانی) سے لیکر عربی صورت میں ڈھالا ہوا ہے۔ اور اکثر یہ کہتے ہیں۔ کہ نہیں یہ اصل ہی میں عربی ہے۔ مثلًا بولتے ہیں بِئْرٌ جِهِنَّامٌ یعنے کنواں جو بہت گہرا ہو۔ اور دوزخ کو بھی اُسکے نہایت گہرا ہونے

ف ۱ جیسا کہ اوپر کی آیت میں فرشتوں کی زبانی مذکور ہے ۱۲ منہ؛

کی وجہ سے جَهَنَّمْ کہتے ہیں اور یہ لفظ بوجہ مؤنث (سماعی) اور معرفہ ہونے کے غیر منصرف ہے۔ اور جو اِسے عجمی کہتے ہیں وہ بوجہ تانیث اور عجمیت کے غیر منصرف کہتے ہیں۔ (لسان العرب)

۱۹۱ نُزُلًا۔ نَزِیل مہمان کو کہتے ہیں، اور نُزُل اور نُزْل اُس شئے کو جو مہمان کی ضیافت کے لئے تیار کیجائے، "یعنے مہمانی" یعنے کفار کی مہمانی جہنم سے کیجائیگی، اور بعض ائمہ لغت نے اسے بمعنے مَنْزِل بھی کہا ہے۔ یعنے کفار کا آثار جہنم میں ہوگا۔ (لسان العرب)

قُلْ هَلْ نُنَبِّئُكُمْ بِالْأَخْسَرِينَ أَعْمَالًا ﴿۱۰۴﴾ ۱۹۲ الَّذِينَ ضَلَّ سَعْيُهُمْ

(اے پیغمبر! لوگوں سے) کہو کیا بتائیں ہم تمکو وہ لوگ جو بہت خسارے میں ہیں (اپنے اعمال میں) وہ لوگ کہ گم ہوگئی کوشش انکی

فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا وَهُمْ يَحْسَبُونَ أَنَّهُمْ يُحْسِنُونَ صُنْعًا ﴿۱۰۵﴾ ۱۹۳

(ہی) دنیوی زندگی میں اور وہ خیال کرتے ہیں کہ وہ کر رہے ہیں اچھے کام ۔ ۱۰۵

۱۹۲ اَلْأَخْسَرِينَ أَعْمَالًا۔ بیوپار سے مقصود نفع کمانا ہوتا ہے۔ لیکن اگر نفع کی بجائے اصل راس المال میں کمی آجائے تو اسے خُسْران اور خسارہ کہتے ہیں۔ اور کل راس المال ہلاک ہوجائے تو بہت خسارہ ہوا۔ اسی لفظ خیال سے دنیا داروں کو جو عاقبت سے غافل و بے پروا ہو کر دنیائے دُون کے پیچھے مارے مارے پھرتے اور اپنی دماغی توجہ اور جسمانی قوت کو ہمہ تن دنیوی مقاصد ہی کی تحصیل میں لگائے رکھتے ہیں۔ اَلْأَخْسَرِينَ بصیغۂ اسم تفضیل کہا ہے کہ ایسے لوگ عالم عقبےٰ میں سب سے زیادہ خسارے میں رہینگے کیونکہ انہوں نے عاقبت کے لئے تو کوئی کام کیا نہیں۔ جو کچھ کیا وہ سب دنیا کے لئے کیا اور دنیا کی نیت کی محنت اور اُس محنت کی کمائی ہوئی دولت و حشمت عقبےٰ میں کچھ بھی کام آنیوالی نہیں پس بقاعدہ "ازیں سو راندہ و ازاں سو درماندہ" دونوں جہانوں میں خائب و خاسر رہے۔ اعاذنا اللہ من ذالک)

یہ زندگی عاقبت کمانے کے لئے عطا ہوئی ہے۔ اور اِس میں اس زندگی کیلئے جو سعی و عمل کیا جاتا ہے۔ وہ صرف اسلئے ہے۔ کہ ہم گوشت پوست میں بہائم کی مثل ہیں پس ہمیں اِسکی پرورش کی بھی ضرورت ہے چنانچہ حدیث میں فرمایا۔ اَجْمِلُوْا فِي طَلَبِ الدُّنْيَا الحدیث ۱۲ (۷) (کنوز الحقائق) یعنی دنیا کی طلب میں اختصار کرو۔ اِسی کا حاصل مطلب یوں کہا گیا ہے (ع)

ہر چہ گیرید مختصر گیرید، پس اِسے بقدر ضرورت حاصل کرکے اصل نظر اسبابِ پر رکھنی چاہیئے۔ کہ آخر ایک دن یہاں سے بستر گول کرنا ہے پس جس سامان کی وہاں ضرورت ہے۔ اُسے یہاں سے تیار کرکے لیجانا چاہیئے۔ ورنہ حسرت کھائینگے۔ اور وہ حسرت کام نہیں آئیگی۔ يَقُوْلُ يٰلَيْتَنِيْ قَدَّمْتُ لِحَيَاتِيْ (الفجر) یعنے اُسدن انسان کہیگا کاش! میں (کچھ) آگے بھیج لیتا اپنی زندگی کے لئے ۔ (ربنی ۳۰ پ)

ے اِس دنیا کی زندگی عارضی و فانی ہے۔ اور اُسدن یعنے قیامت کے روز گذر چکی ہوگی۔ اسلئے انسان اِسے نظر انداز کردیگا۔ اور عاقبت کی زندگی چونکہ جاودانی ہے۔ اور اُسوقت موجود و حاصل ہوگی، اسلئے صرف اُسی کو شمار میں رکھیگا۔ لِحَيَاتِيْ یعنے واسطے اپنی زندگی کے۔ چنانچہ اِسی نقطۂ خیال سے کہ زندگی اصل میں وہی عاقبت کی زندگی ہے جو جاودانی ہے۔ حدیث پاک میں ہے۔ کہ غزوۂ احزاب میں خندق کھودتے ہوئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم یہ رجز پڑھتے تھے اَللّٰهُمَّ لَا عَيْشَ اِلَّا عَيْشُ الْاٰخِرَةِ (بخاری شریف) یعنے بارخدایا! کوئی زندگی نہیں مگر آخرت کی زندگی ۱۲ منہ

عبرت کونسل واسمبلی اور میونسپلٹی و ڈسٹرکٹ بورڈ کی ممبری کیلئے مارے مارے پھرنے والوں حکام کی کوٹھیوں کا طواف کرنے والوں۔ درباری کرسی نشینی اور سرکاری ممبری اور آنریری مجسٹریٹی کیلئے محنت سے کمایا ہوا مال پارٹیوں میں لٹانیوالوں عیاشی اور نفس امارہ کی خواہشوں میں مال کو بے دریغ اڑانیوالوں، اور خدا کی یاد سے غافل ہوکر وزارت تجارت کی ترقی کے خیال واشغال میں منہمک رہنے والوں اور شاہی تغلب و تفوق حاصل کرنے کے لئے لاکھوں انسانوں کی جانیں ضائع کرنیوالے اور لاکھوں ضعیف جنس عورتوں کو بیوہ اور کروڑوں بچوں کو یتیم و بیکس بنادینے والے گرگ صفت بادشاہوں اور تصوف و فقر اور درویشی کی بھوری کملی، اور سادھوؤں کے گیری رنگے لباس اور مولانائی جبہ و دستار سے دنیائے دوں کمانے والے مشائخ وسادھوؤں اور علماؤں کو دنیا کی زندگی اور اسکے مال ومتاع اور دولت وحشمت اور عزت وجاہ کے انجام اور بستر مرگ پر اپنے آخری سانس کو مدنظر رکھتے ہوئے قرآن شریف کی اس آیت سے نصیحت پکڑنی چاہیے کہ "مرد آخر بین مبارک بندہ ایست" نیز "دنیا روزے چند آخر کار با خداوند" کو ہمیشہ خیال میں رکھنا چاہئے۔

۱۹۳ وَهُمْ يَحْسَبُونَ أَنَّهُمْ يُحْسِنُونَ صُنْعًا، دنیادار اپنی کرتوتوں اور کوششوں کی بابت یہی کہتے ہیں۔ کہ ہم یہ سب کچھ اچھا کرتے ہیں۔ شدت انہماک سے ذہنیت الٹ جاتی ہے اور مذاق بگڑ جاتا ہے۔ بری باتوں اور لایعنی حرکتوں کی برائی سوجھتی نہیں۔ اور نیک عادتوں اور عاقبت میں کام آنیوالے اعمال سے غفلت بلکہ نفرت ہوجاتی ہے پھر نوبت یہاں تک پہنچ جاتی ہے۔ کہ انسان نفسانی خواہشوں کے تقاضے سے ان برائیوں کی نیک وجہیں گھڑنے لگتا ہے جنسے ان کا نفس مانوس ہوچکا ہوتا ہے۔ یا اسے ان کی لذت پڑ چکی ہوتی ہے۔ گویا کہ وہ اپنے اندر ہی اندر اپنے آپ کو الزام سے بری کرنے لگتا ہے۔ اور پھر ایسا سمجھنے بھی لگتا ہے، پھر رہتے ہوتے اس برائی پر دلیر ہوجاتا ہے اور اسے اس بیباکی سے کرتا ہے جس طرح کوئی شخص کسی نیک کام کو بے کھٹکا ہوکر کرتا ہے۔ اور یہ محض اس کا اپنا "حسبان" (گمان) ہوتا ہے جس کا سبق اسنے نفس یا شیطان کے وسوسے سے سیکھا ہے۔ اس آیت میں خدا تعالے ایسے ہی لوگوں کی ایسی ہی حالت کا ذکر کرتا ہے اور فرماتا ہے۔ وَهُمْ يَحْسَبُونَ أَنَّهُمْ يُحْسِنُونَ صُنْعًا، یا شیطان خصلت برے مشیر اسکے ہم صحبت ہوکر اسکو اس برائی پر اکساتے ہیں اور اس برائی کی منگھڑت اور خیالی ووہمی خوبیاں اور فائدے بیان کرکرکے اسے رغبت دلاتے ہیں، پس اسکی قوت متخیلہ خاصکر قوت واہمہ جو سلطان القویٰ ہے، اس سے متاثر ہوجاتی ہے۔ اور شیطان اثر اسپر پورے طور پر قابض ومتسلط ہوجاتا ہے۔ انسان اس وقت بالکل اندھا اور بہرا ہوجاتا ہے۔ نہ تو اسے خود کچھ سوجھتا ہے۔ اور نہ وہ کسی اور کی سنتا ہے۔ بلکہ نصیحت کرنے والوں اور راہ راست سمجھانے والوں کو برا اور اپنا دشمن سمجھنے لگتا ہے۔ ان آیتوں میں أَعْيُنُهُمْ فِي غِطَاءٍ اور لَا يَسْتَطِيعُونَ سَمْعًا، اور يُحْسِنُونَ صُنْعًا میں ایسے ہی لوگوں کی ایسی ہی حالت کا ذکر ہو رہا ہے۔ اور آیت أَفَكُلَّمَا جَاءَكُمْ رَسُولٌ بِمَا لَا تَهْوَىٰ أَنْفُسُكُمُ اسْتَكْبَرْتُمْ فَفَرِيقًا كَذَّبْتُمْ وَفَرِيقًا تَقْتُلُونَ (بقرہ پ۱) یعنے تمہارے پاس جب کبھی کوئی پیغمبر ایسی باتیں لیکر آیا جنکو تمہارے نفس نہیں چاہتے تھے۔ تو (اے قوم یہود!) بعض (انبیاء) کو تو تمنے جھٹلا دیا اور بعض کو (لگتے ہاتھ) قتل (ہی) کردیا، اور آیت يَكَادُونَ يَسْطُونَ بِالَّذِينَ يَتْلُونَ عَلَيْهِمْ آيَاتِنَا (حج پ۱۷) یعنے قریب ہے کہ حملہ کردیں ان لوگوں پر جو پڑھکر سناتے ہیں ان کو ہماری آیات، اور صُمٌّ بُكْمٌ عُمْيٌ (بقرہ پ۱ و پ۲) یعنے (یہ لوگ) بہرے (اور) گونگے (اور) اندھے (ہو رہے ہیں)، اور اس قسم کی دیگر آیات جو قرآن شریف میں بکثرت ہیں ان سب میں اسی طبقے کے لوگوں کا بیان ہے۔

تزیینِ شیطان | قرآن شریف میں آیت وَزَيَّنَ لَهُمُ الشَّيْطٰنُ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ (انعام پ) یعنے زینت دیدی شیطان نے اُن کیلئے اُن عملوں کو جو وہ کرتے تھے۔ اور آیت وَاِذْ زَيَّنَ لَهُمُ الشَّيْطٰنُ اَعْمَالَهُمْ (انفال پ) یعنے زینت دی شیطان نے واسطے اُن کے، اُن کے اعمال کو'' اور آیت اَفَمَنْ زُيِّنَ لَهٗ سُوْٓءُ عَمَلِهٖ فَرَاٰهُ حَسَنًا (فاطر پ) یعنے تو کیا وہ شخص جسکے لئے زینت دی گئی اُسکی بدعملی پس وہ اُسے (اپنے خیال میں) نیک کام سمجھا۔ اور آیت كَذٰلِكَ زُيِّنَ لِلْمُسْرِفِيْنَ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ (یونس پ) یعنے اسیطرح زینت دئے گئے حد سے بڑھنے والوں کیلئے وہ کام جو وہ کیا کرتے تھے'' اور آیت كَذٰلِكَ زُيِّنَ لِفِرْعَوْنَ سُوْٓءُ عَمَلِهٖ وَصُدَّ عَنِ السَّبِيْلِ (مومن پ) یعنے اسی طرح زینت دیگئی واسطے فرعون کے اُس کے عمل کی برائی پس وہ روکا گیا خدا کی راہ سے''

اور اس قسم کی دیگر آیات جسقدر بھی قرآن شریف میں وارد ہیں اُن سب میں اسی حقیقت کا بیان ہے۔[۱]

تنبیہ | یہ تزیین و حسبان یعنے اپنے خیال میں اپنی بدی کو بھی نیکی گمان کرنا اور بمقتضائے نفس اُسکے لئے کوئی نہ کوئی اچھی توجیہ گھڑ لینا۔ لوگوں کی زندگی کے ہر شعبے میں ہوجاتا ہے۔ سیاسی میں بھی، تمدنی میں بھی، معاشرتی (و سوشل) میں بھی۔ اخلاقی میں بھی، اور مذہبی میں بھی۔ حتےٰ کہ فقر اور درویشی میں بھی جسکی بنیاد ہی خلوصِ نیت پر ہے۔ اور اُسکا طریق عمل صلاحیت اور ترکِ خواہشات نفسانیہ ہے۔ اسمیں بھی بعض صوفی قلتِ علم کی وجہ سے دھوکا کھاجاتے ہیں۔ اور جو لوگ جان بوجھکر نفسانی خواہشوں کو پورا کرنے کے لئے فقر و درویشی کا جامہ پہن لیتے ہیں۔ وہ ملحد و مکار ہوتے ہیں۔ وہ تو قابل ذکر ہی نہیں ہیں''

یہ تزیین و حسبان سیاسی امور میں ہو تو از روئے حقیقت اُسکا صحیح نام ظلم و تعدی ہے۔ اور تمدنی و معاشرتی میں ہو تو اُسکا نام خیانت و بدمعاملگی ہے۔ اور اخلاقی میں ہو تو اُسکا نام بدچلنی ہے اور مذہبی میں ہو تو اُسکا نام بدعت ہے۔ چاہے یہ بدعت طریق ظاہر یعنے مولویانہ مجلس میں ہو۔ اور چاہے طریق باطن یعنے صوفیانہ حلقہ میں ہو''

---

[۱] قرآن شریف میں بعض جگہ اس تزیین کی نسبت خدا تعالےٰ نے اپنی طرف بھی کی ہے۔ مثلاً سورۂ انعام ہی میں یہ آیت بھی ہے كَذٰلِكَ زَيَّنَّا لِكُلِّ اُمَّةٍ عَمَلَهُمْ (اخیر پارہ ۷)، اور سورۂ نمل پ۱۹ میں ہے۔ زَيَّنَّا لَهُمْ اَعْمَالَهُمْ تو اسکی دو وجہیں ہیں۔ ایک تو وہ جو ہم صفحہ پر نوٹ نمبر کے ضمن میں ذکر کرآئے ہیں۔ اور دوسری یہ کہ خدا تعالےٰ بوجہ ہر شئے کا خالق ہونے کے ہر شئے کی علّت العلل ہے۔ پس بوجہ خالق ہونے کے اس تزیین کی نسبت اپنی طرف بھی کی۔ کیونکہ وہ خدا کے اہمال اور خلق سے پیدا ہوئی۔ پس خدا کی طرف نسبتِ خلق ہے نہ کہ نسبت سعی و عمل، نیکی بدی کا عمل وارتکاب اور بات ہے اور انکی خلق و پیدائش اور بات ہے۔ جیسا کہ کتب کلامیہ میں مصرح ہے۔ نیکی پر خدا کے سلوک کو توفیق کہتے ہیں۔ چنانچہ سورت انعام ہی میں ہے لَهُمْ دَارُ السَّلٰمِ عِنْدَ رَبِّهِمْ وَهُوَ وَلِيُّهُمْ بِمَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ (پ ۸)، اور اصحاب کہف کے ذکر میں سابقاً صفحہ ۱۴/۱۵ پر گذر چکا ہے۔ اِنَّهُمْ فِتْيَةٌ اٰمَنُوْا بِرَبِّهِمْ وَزِدْنٰهُمْ هُدًى وَّرَبَطْنَا عَلٰى قُلُوْبِهِمْ اِذْ قَامُوْا الآیہ لیکن بدی پر خدا کا جو سلوک ہے اُسے اہمال کہتے ہیں۔ چنانچہ سورۂ آل عمران پ۴ میں ہے۔ اِنَّمَا نُمْلِيْ لَهُمْ لِيَزْدَادُوْٓا اِثْمًا اور اس بات کے سمجھنے اور تسلیم کرنے میں کوئی بھی وقت نہیں کہ بندوں پر خدا تعالیٰ کی حجت اسی صورت میں پوری ہوسکتی ہے کہ انبیاء یا خلفائے انبیاء کے ذریعے اُسکا پیغام پہنچنے کے ساتھ دو امر بالتعمیم بھی اُسکو عطا کیگئی ہوں۔ اوّل عقل و حواس کی سلامتی اور پھر اسباب خیر و شر کا اُس کے سامنے موجود ہونا اور ان ہر دو کے فعل و ترک کی استطاعت تا کہ وہ اپنے حواس سے کام لیکر اپنی ذمہ داری پر جانب فعل کو یا جانب ترک کو اختیار کرسکے۔ اسی کا نام اختیارِ فعل اور ابتلا ہے۔ اور اسی کی وجہ سے انسان کو فاعلِ مختار کہتے ہیں۔ اسی بناء پر سورۂ دہر پ۲۹ میں فرمایا اِنَّا خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ مِنْ نُّطْفَةٍ اَمْشَاجٍ نَّبْتَلِيْهِ فَجَعَلْنٰهُ سَمِيْعًا بَصِيْرًا اِنَّا هَدَيْنٰهُ السَّبِيْلَ اِمَّا شَاكِرًا وَّاِمَّا كَفُوْرًا قرآن شریف میں اس مضمون کے متعلق سب سے جامع مقام یہی آیات ہیں کہ ان میں نہایت اختصار سے انسان کا مکلف خواص والے

أُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِاٰيٰتِ رَبِّهِمْ ۱۹۴ف وَلِقَآئِهٖ ۱۹۵ف فَحَبِطَتْ ۱۹۶ف

یہ وہ لوگ ہیں، جنہوں نے کفر کیا اپنے رب کی آیتوں سے اور اُسکی ملاقات سے پس ضائع ہوگئے

اَعْمَالُهُمْ فَلَا نُقِيْمُ لَهُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ وَزْنًا ۱۹۷ف (۱۰۶)

اُن کے اعمال پس ہم نہیں قائم کرینگے واسطے اُنکے دن قیامت کے کوئی وزن ۱۰۶

ف۱۹۴ بِاٰيٰتِ رَبِّهِمْ - لفظ آیت کے معنے ہیں" نشان "، قرآن مجید میں اسکا اطلاق تین امروں پر آیا ہے۔ اوّل قرآن مجید کی آیات جنمیں خداوند تعالےٰ کے احکام مذکور ہیں جیسے يَتْلُوْنَ اٰيٰتِ اللّٰهِ اٰنَآءَ الَّيْلِ (آل عمران پ۴) اور آنحضرت صلعم کی بابت فرمایا يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِهٖ (آل عمران پ۴) و (جمعہ پ۲۸) اور حضرت ابراہیم علیہ السّلام نے جو دُعا مکہ شریف میں ایک رسول پیدا ہونے کی بابت مانگی تھی۔ اور مراد اُس سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذات گرامی ہے۔ اُس دُعا میں اُس رسول کا ایک وصف یہ بھی مذکور ہے۔ يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِكَ (البقرہ پ۱)

دوم، انبیا علیہم السلام کے معجزات، چنانچہ سورۂ اعراف پ۹ میں مذکور ہے۔ کہ فرعون نے حضرت موسےٰ علیہ السلام سے کہا اِنْ كُنْتَ جِئْتَ بِاٰيَةٍ فَاْتِ بِهَا یعنے اگر تو (اپنی صداقتِ نبوت پر) کوئی آیت یعنے نشان لایا ہے۔ تو اُسے پیش کر، اسپر حضرت موسےٰ علیہ السلام نے عصا اور یدِ بیضا کا معجزہ دکھایا،

سوم، کسی شَے کا خداوند تعالےٰ کی ذات و صفاتِ جمالیہ و جلالیہ کے لئے نشان ہونا۔ جیسے کہ سورۂ یوسف پ۱۳ میں فرمایا:۔ وَكَاَيِّنْ مِّنْ اٰيَةٍ فِى السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ يَمُرُّوْنَ عَلَيْهَا وَهُمْ عَنْهَا مُعْرِضُوْنَ ۝ یعنے زمین اور آسمان میں بہت سے نشانات ہیں۔ کہ یہ لوگ (اُنکی طرف مطلقاً توجہ نہیں کرتے بلکہ) اُن سے منہ پھیر کر گذر جاتے ہیں۔ نیز فرمایا وَمِنْ اٰيٰتِهِ الَّيْلُ وَالنَّهَارُ وَالشَّمْسُ وَالْقَمَرُ (حٰم سجدہ پ۲۴) یعنے اُس (خدا) کے "نشانات" میں سے رات بھی ہے۔ اور دن بھی اور سورج بھی اور چاند بھی، اسیطرح کی بیسیوں دیگر آیات ہیں جنمیں آیات سے توحید باری اور اُس کے صفاتِ کمال کے دلائل مراد ہیں۔ جنسے مشرکین و ملحدین کو انکار تھا۔

ف۱۹۵ وَلِقَآئِهٖ لقاء سے مراد یا تو دیدار الٰہی ہے۔ جو مومنوں کو قیامت کے دن ہوگا۔ اور جسکی خبر قرآن شریف کی دیگر آیات میں اور صحیحین کی احادیثِ صحیحہ میں وارد ہے۔ اور جمیع صحابہ و خیارِ تابعین اور تمام ائمہ اہل سُنّت و حدیث کا اسپر اجماع ہے۔ اور منکر اُس کا ملحد و بیدین ہے۔ اور یا اِسجگہ لِقَاء سے مُراد قیامت کے دن خدا کے سامنے اعمال کی بازپرس کے لئے حاضری ہے۔ سو اسکا انکار بھی کفر ہے۔

ف۱۹۶ فَحَبِطَتْ اَعْمَالُهُمْ اِس سے معلوم ہوا کہ کفر کی وجہ سے اعمال ضائع ہو جاتے ہیں۔ اِسی طرح شرک کے سبب سے بھی ضائع ہوجاتے ہیں۔ جیساکہ سورت انعام پ۷ میں کئی ایک انبیاء علیہم السّلام کا ذکر کرکے فرمایا وَلَوْ اَشْرَكُوْا لَحَبِطَ عَنْهُمْ مَّا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ (انعام پ۷) یعنے یہ (ہمارے مقرب انبیاء) بھی شرک کرتے تو اِن کے سب اعمال ضائع ہو جاتے۔ (باقی صفحہ ۱۱۱ پر دیکھو)

نیز آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو مخاطب کر کے فرمایا:- وَلَقَدْ اُوْحِیَ اِلَیْکَ وَاِلَی الَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِکَ لَئِنْ اَشْرَکْتَ لَیَحْبَطَنَّ عَمَلُکَ وَلَتَکُوْنَنَّ مِنَ الْخٰسِرِیْنَ ۝ (زمر پ۲۴) یعنے (اے پیغمبر) ضرور ضرور تیری طرف بھی اور اُن پیغمبروں کی طرف بھی جو تجھ سے پیشتر تھے وحی کیا جا چکا ہے۔ کہ اگر تُو نے شرک کیا تو تو ضرور خسارہ پانے والوں میں سے ہو جائیگا۔

۱۹۷ فَلَا نُقِیْمُ لَهُمْ یَوْمَ الْقِیٰمَةِ وَزْنًا ، مفسرین رح نے اِسکی تین صورتیں لکھی ہیں۔ اوّل یہ کہ خدا کے نزدیک اُن کے اعمال کی کوئی قدر و منزلت نہ ہوگی۔ عربوں میں محاورہ ہے۔ مَالِفُلَانٍ عِنْدَنَا وَزْنٌ اَیْ قَدْرٌ لِخِسَّتِهٖ (تفسیر فتح البیان) یعنے ہمارے نزدیک فلاں شخص کا اُسکی خِسّت و کمینگی کی وجہ سے کوئی وزن یعنے قدر نہیں۔ اِسی معنے میں حضرت ابوہریرہؓ سے مرفوع حدیث ہے۔ کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا کہ "قیامت کے دن (خدا کے سامنے) ایک عَظِیْمٌ (بڑا) اور سَمِیْنٌ (موٹا) آدمی پیش ہوگا۔ جو خدا کے نزدیک مچھر کے پَر برابر بھی وزن (قدر) نہیں رکھیگا"۔ اور کہا کہ اگر چاہو تو پڑھو یہ آیت فَلَا نُقِیْمُ لَهُمْ یَوْمَ الْقِیٰمَةِ وَزْنًا (تفسیر معالم وغیرہ) اِس معنے کے رُو سے لفظ وزن مجازی معنے میں ہوگا۔

دوم - یہ کہ وزن اعمال کی ضرورت تو اسلئے ہے کہ کسی کی نیکیوں اور بدیوں کا موازنہ و مقابلہ کیا جائے۔ لیکن جب اِن لوگوں کی حسنات (نیکیاں) اُن کے کفر کے سبب ضائع کر دی گئیں تو محض برائیوں کیلئے وزن کرنے کی ضرورت ہی نہ رہی (فتح البیان)[۱] اِس معنے کے رُو سے وزن حقیقی معنے میں ہوگا۔ اور اُسکی دو صورتیں ہیں۔ اوّل صحائفِ اعمال (اعمالنامہ) کا تُلنا جیسا کہ حدیث میں آچکا ہے۔ (تفسیر کبیر و اقتصاد غزالی) دوم یہ کہ نیکیاں نورانی اجسام میں اور بدیاں ظلمانی اجسام میں متجسد ہونگی اور وہ اجسام تولے جائینگے (شرح مقاصد)[۲]

ذٰلِکَ جَزَآؤُهُمْ جَهَنَّمُ بِمَا کَفَرُوْا وَاتَّخَذُوْٓا اٰیٰتِیْ وَرُسُلِیْ هُزُوًا (۱۰۶)

یہ جزا ہے اُن کی جہنم بسبب اسکے کہ اُنہوں نے کفر کیا اور پکڑا میری آیتوں اور میرے پیغمبروں کو ٹھٹھا ۱۹۸

۱۹۸ هُزُوًا (ٹھٹھا - ہنسی - مسخری) کفر کے تین درجے ہیں۔ محض انکار۔ خواہ ضد و عناد اور جحود سے ہو خواہ کسی اور طرح پر۔ دوم انکار کیساتھ کلام اللہ اور انبیاء اللہ کی تکذیب، یعنے اُن کو یہ کہنا کہ تم دعوئے نبوت میں جھوٹے ہو اور جو کلام اور احکام تم پیش کرتے ہو وہ خدا کی طرف سے نہیں۔ سوم استہزاء یعنے تکذیب کے ساتھ انبیاء اللہ کو ٹھٹھا مخول بھی کرنا اور انکی تحقیر و ہتک کرنا۔ اور اُن کی تعلیم کو

[۱] اِسی طرح جسکی محض نیکیاں ہونگی اور اُسکی سب خطائیں معاف ہو چکی ہونگی اُس کے لئے بھی حساب کی ضرورت نہ ہوگی۔ چنانچہ غزوۂ تبوک کی تیاری میں جب حضرت عثمان رضؓ نے ایک ہزار پونڈ (دینار سرخ) اور صدہا[۵] اونٹ مع اُن کے پالانوں اور دیگر سامانوں کے آنحضرت صؐ کی خدمت میں پیش کئے۔ تو آنحضرتؐ نے دو دفعہ فرمایا مَا ضَرَّ عُثْمَانَ مَا عَمِلَ بَعْدَ الْیَوْمِ (مشکوٰۃ صفحہ ۵۴۶) یعنے آج کے بعد عثمانؓ جو کچھ بھی کریگا۔ اُسپر اُسکا بوجھ اور ضرر نہیں پڑیگا۔ اور جیسا کہ حدیث صحیحین میں ہے۔ کہ آنحضرت صؐ نے فرمایا کہ میری اُمّت میں سے ستّر ہزار آدمی بغیر حساب کے جنت میں جائینگے (مشکوٰۃ صفحہ ۴۴۲)

[۵] بعض علماء نے صدہا اسلئے لکھا ہے۔ کہ اونٹوں کی تعداد میں مختلف روایتیں ہیں زاد المعاد اور ترمذی میں تین سو ہے اور استیعاب میں ساڑھے نو سو اونٹ اور پچاس گھوڑے اور اسی کی دیگر روایت میں ایک ہزار اونٹ اور ستّر گھوڑے مذکور ہیں۔ یہ خاکسار کہتا ہے یہ روایتیں اس طرح جمع ہو سکتی ہیں جیسا کہ امام ترمذیؒ کی روایت سے پتہ چلتا ہے۔ کہ آنحضرتؐ عام مجلس میں تیاری سامان کی تحریک فرما رہے تھے۔ جوں جوں آنحضرتؐ تحریک فرماتے تھے حضرت عثمانؓ اپنی خدمات زیادہ پیش کرتے جاتے تھے حتّےٰ کہ آخیر پر اس تعداد پر پہنچ گئے۔ جو زیادہ سے زیادہ یعنے ایک ہزار اونٹ اور ستّر گھوڑے ہے۔ واللہ اعلم ۔ ۱۲ منہ ۔

[۲] وزن اعمال کا بیان ہم تفسیر واضح البیان میں صفحہ ۱۸۶ سے صفحہ ۱۹۲ تک مفصلاً کر چکے ہیں۔ ۱۲ منہ

مسخرہ پن میں اڑانا یہ سب سے سخت ہے۔ یہ تینوں درجے سورت انعام کے شروع میں بترتیب مذکور ہیں۔ چنانچہ پہلے فرمایا ثُمَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِرَبِّهِمْ يَعْدِلُوْنَ ، اس کے دو آیت بعد فرمایا:۔ وَمَا تَأْتِيْهِمْ مِّنْ اٰيَةٍ مِّنْ اٰيٰتِ رَبِّهِمْ اِلَّا كَانُوْا عَنْهَا مُعْرِضِيْنَ ۝ فَقَدْ كَذَّبُوْا بِالْحَقِّ لَمَّا جَآءَهُمْ فَسَوْفَ يَاْتِيْهِمْ اَنْۢبٰٓؤُا مَا كَانُوْا بِهٖ يَسْتَهْزِءُوْنَ (انعام پ۷) (یعنے ، اور نہیں آتی اِن کو کوئی نشانی رب کی نشانیوں میں سے مگر وہ اُس سے رُوگردان ہو جاتے ہیں۔ پس تحقیق وہ جُھٹلا چکے ہیں حق کو جب وہ اُنکو آچکا۔ پس عنقریب اُن کو آئیگی خبریں اُسکی جس سے وہ ٹھٹھا کرتے رہے ؛

اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ[۱۹۹] كَانَتْ لَهُمْ جَنّٰتُ الْفِرْدَوْسِ[۲۰۰]

بیشک جو لوگ ایمان لے آئے اور کئے اُنہوں نے نیک کام ، ہوگی واسطے اُن کے جنت الفردوس

نُزُلًا ۝۱۰۸ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا لَا يَبْغُوْنَ عَنْهَا حِوَلًا ۝۱۰۹ [۲۰۱]

کی مہمانی ۱۰۸ وہ اُنمیں ہمیشہ رہینگے نہ چاہینگے وہ اُس سے تبدیلی ۱۰۹

۱۹۹ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ ۔ شروع سورت میں فرمایا تھا۔ وَيُبَشِّرَ الْمُؤْمِنِيْنَ الَّذِيْنَ يَعْمَلُوْنَ الصّٰلِحٰتِ اَنَّ لَهُمْ اَجْرًا حَسَنًا یعنے خداوند تعالٰی نے یہ قرآن شریف اپنے کامل بندے محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) پر اسلئے نازل کیا ہے کہ تاکہ وہ بشارت سنادے اُن مومنوں کو جو کرتے ہیں نیک کام کہ بیشک واسطے اُن کے ہے اجر بہت اچھا۔ اب خاتمہ سورت کے قریب اسی بشارت کا ذکر کیا ہے۔ کہ وہ اجرِ حسن جنت الفردوس ہے۔ اور اِن دونوں آیتوں کے درمیان جس قدر آیات ہیں اُن میں ایمانیات اور اعمال صالحہ اور اخلاقِ فاضلہ اور علوم حقہ اور عبرت و موعظت اور تذکیر و انذار کی تفصیلات ہیں۔ سبحان اللہ کیا اچھی ابتدا ہے۔ اور کیا ہی خوب انتہا ہے۔ اور کیسی احسن تفصیلات ہیں۔ نیز یہ کہ اوپر کی آیات میں کفار کے بُرے انجام کا ذکر ہے۔ جو قرآن کا انذاری منصب ہے اب مومنوں کے نیک انجام کا ذکر ہے۔ جو اپنے ذہنی اور قلبی اور عملی قوی کو خدا کی اطاعت و رضا میں لگائے رکھتے ہیں ؛

۲۰۰ جَنّٰتُ الْفِرْدَوْسِ لفظ فِرْدَوْس کی تحقیق میں قاموس میں کہا ہے :۔

(اَلْفِرْدَوْسُ) بِالْكَسْرِ اَلْاَوْدِيَةُ الَّتِيْ تُنْبِتُ ضُرُوْبًا مِّنَ النَّبْتِ وَالْبُسْتَانُ يَجْمَعُ كُلَّ مَا يَكُوْنُ فِي الْبَسَاتِيْنِ تَكُوْنُ فِيْهِ الْكُرُوْمُ وَقَدْ يُؤَنَّثُ عَرَبِيَّةٌ اَوْ رُوْمِيَّةٌ نُقِلَتْ اَوْ سُرْيَانِيَّةٌ ؛

فردوس (ف کے کسرہ سے) اُن وادیوں کو کہتے ہیں جنمیں کئی قسم کی نباتات ہو اور اُس باغ کو بھی جس میں وہ سب کچھ جمع ہو جو باغوں میں ہوا کرتا ہے۔ (اور) اُسمیں انگور بھی ہو، اور (یہ لفظ) کبھی مذکر اور کبھی مؤنث آتا ہے (یہ لفظ) عربی ہے۔ یا رومی ہے جو عربی میں نقل کیا گیا ہے یا سُریانی ہے ؛ نمبر ۱۰۱ کا حاشیہ صفحہ ۱۳۵ پر دیکھو ۱۲

فضائل فردوس تفسیر فتح البیان وغیرہ میں کہا ہے کہ صحیحین میں حضرت ابوہریرہؓ کی حدیث سے مرفوعاً ہے۔ کہ رسول اللہ (صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا جب تم خدا تعالٰے سے جنت مانگو تو فردوس مانگو، کیونکہ وہ سب سے اعلےٰ و اشرف درجے کی جنت ہے، اُس کے اوپر خدا ئے رحمٰن کا عرش ہے۔ اور جنت کی نہریں اُسی سے نکلتی ہیں اسی طرح بروایت امام ترمذی و امام احمد وغیرہما عبادہ بن صامت کی حدیث مرفوع میں ہے حضرت کعب احبار کہتے ہیں کہ بہشت میں جنت الفردوس سے اعلےٰ جنت کوئی نہیں ہے۔ اُس میں وہ لوگ ہونگے جو امر بالمعروف اور نہی عن المنکر (کا فرض ادا) کرتے ہیں (اَللّٰھُمَّ ارْزُقْنَاھَا وَاجْعَلْنَا مِنْ اَھْلِھَا)

٢٠١ حِوَلًا سے مراد مکان کی تبدیلی ہے۔ تفسیر خازن وغیرہ میں ہے۔ کہ حضرت ابن عباسؓ نے کہا وہ اُس (جنت) سے دوسری جگہ جانا نہیں چاہینگے۔ جیسے کوئی شخص جب اُسے ایک مکان موافق نہ آئے تو دوسرا مکان تبدیل کرتا ہے۔ (سو جنتی ایسا نہیں کرینگے)

تذکیر حضرت مولٰنا المعظم رحمۃ اللہ علیہ[1] فرمایا کرتے تھے کہ جنت کی رہائش کے متعلق دو کھٹکے گذر سکتے ہیں۔ اوّل مالک کی طرف سے کہ خدا تعالٰے کسی بہانہ کے بعد وہاں سے نکل جانے کا حکم کرے۔ دوم یہ کہ جنتی لوگ ملالِ خاطر کی وجہ سے کبھی وہاں سے نکل جانا چاہیں۔ سو اِس مقام پر خٰلِدِیْنَ فِیْھَا لَا یَبْغُوْنَ عَنْھَا حِوَلًا فرما کر دونوں کھٹکے دُور کر دیئے۔ نہ مالکِ جنت خداوند تعالےٰ نکالے گا۔ اور نہ وُہ خود نکلنا چاہینگے۔ والحمدُ للہ،

قُلْ لَّوْ كَانَ الْبَحْرُ مِدَادًا لِّكَلِمٰتِ رَبِّيْ لَنَفِدَ الْبَحْرُ قَبْلَ اَنْ

(اے پیغمبر! انسے) کہدو کہ اگر ہو جائے سمندر (کا پانی) سیاہی واسطے (لکھنے) میرے رب کے کلمات کے تو ضرور ہے کہ ختم ہو جائے سمندر پیشتر اس کے کہ ختم

تَنْفَدَ كَلِمٰتُ رَبِّيْ وَلَوْ جِئْنَا بِمِثْلِهٖ مَدَدًا ﴿١١٠﴾

ہوں میرے رب کے کلمات، اگرچہ ہم لائیں مثل اُسکی (ایک اور سمندر) مدد کو ملا

٢٠٢ مِدَادًا، مَدّ سے مشتق ہے۔ بمعنے پھیلانا، اور مراد اِس سے سیاہی ہے۔ کیونکہ وہ لکھنے کے وقت پھیلتی اور بڑھتی جاتی ہے۔ یا اسلئے کہ کاتب لکھنے میں اُس سے امداد حاصل کرتا ہے۔ یا اسلئے کہ اُس میں پانی ڈالکر اُسے بڑھا لیا جاتا ہے۔ اور عرصہ تک چلتی ہے۔ تفسیر خازن میں کہا ہے۔ اَیْ مَا یُسْتَمَدُّ بِہٖ الْکَاتِبُ وَیَکْتُبُ بِہٖ وَاَصْلُہُ الزِّیَادَۃُ یعنے یاد وہ ہے۔ جس سے کاتب امداد لیتا اور کتابت کرتا ہے۔ اور اِس لفظ کے اصلی معنے زیادۃ کے ہیں۔

٢٠٣ شانِ نزول تفسیر خازن وغیرہ میں کہا ہے کہ یہودیوں نے کہا کہ اے محمد (صلے اللہ علیہ وسلم) آپ کا خیال ہے۔ کہ ہمیں حکمت ملی ہے۔ اور آپ کی کتاب میں یہ بھی مذکور ہے۔ وَمَنْ یُّؤْتَ الْحِکْمَۃَ فَقَدْ اُوْتِیَ خَیْرًا کَثِیْرًا (البقرہ پ٣) یعنے جسے حکمت دیگئی تو اُسے کثرت سے بھلائی دیگئی۔ پھر آپ کہتے ہیں وَمَآ اُوْتِیْتُمْ مِّنَ الْعِلْمِ اِلَّا قَلِیْلًا (بنی اسرائیل پ١٥) یعنے نہیں دیا گیا تمکو علم میں سے مگر تھوڑا سا (حصہ)، اِسپر اللہ تعالےٰ نے یہ آیت اُتاری یعنے قُلْ لَّوْ کَانَ الْبَحْرُ الآیہ

٢٠٤ اِرتباط بظاہر یہ آیت مضمون سابق سے اجنبی معلوم ہوتی ہے۔ لیکن اِس کے شانِ نزول سے جو حضرت ابن عباسؓ سے اوپر مذکور ہو چکا ہے ارتباط و مناسبت واضح ہو جاتی ہے۔ کیونکہ قریشِ مکہ کو امتحانی سوالات کے سکھانے والے یہود تھے۔ جیسا کہ اِس تفسیر کے شروع میں صہ١ - پر گذر چکا ہے۔ پس اُنکی زبان بندی کیلئے فرمایا کہ تم ہمارے رسول محمدؐ کے امتحان کے لئے کیا سوال کرو گے۔ جنہے تمکو جو قرآن دیا ہے۔ وہ علم کا ایسا بحر

[1] مراد میرے اُستاد علوم شریعت و مرشد طریقت صاحب الہامِ صالحہ و اخلاقِ حسنہ حضرت مولانا مولوی ابو عبید اللہ غلام حسن صاحب سیالکوٹی ہیں، منہ

ناپید اکنار ہے۔ کہ اگر اس کے مفہومات کے بیان کے لئے سمندر سیاہی بنا دیئے جائیں تو وہ ختم ہو جائینگے۔ لیکن قرآن (کلام خدا) کے مفہومات ختم نہ ہونگے۔ جیسا کہ سورہ لقمان میں بھی فرمایا:-

وَلَوْ اَنَّ مَا فِی الْاَرْضِ مِنْ شَجَرَۃٍ اَقْلَامٌ وَّالْبَحْرُ یَمُدُّہٗ مِنْ بَعْدِہٖ سَبْعَۃُ اَبْحُرٍ مَّا نَفِدَتْ کَلِمٰتُ اللّٰہِ ط اِنَّ اللّٰہَ عَزِیْزٌ حَکِیْمٌ (لقمان پ۲۱)

اور زمین میں جو بھی درخت کی قسم سے ہے۔ اگر ان سب کی قلمیں بنائیں اور سمندر سیاہی بنجائے (جسکی امداد اسکے بعد سات سمندر اور کیجائے) تو خدا کے کلمات کبھی بھی ختم نہ ہوں۔ کیونکہ اللہ تو عزیز (باقدرت) اور حکیم (باحکمت) ہے۔

اس کی وجہ یہ ہے کہ خدا کے علوم غیر متناہی ہیں اور سمندر کا پانی چاہے کتنا ہی کثیر المقدار ہو پھر بھی متناہی ہے۔ اور دیگر سمندر جو اسکی امداد میں لائے جائینگے۔ وہ بھی اپنی ذات میں متناہی ہونگے۔ اور ایک متناہی دوسرے متناہی کو غیر متناہی نہیں بنا سکتا۔ اسلئے سات کل سمندر جو زمین کا حصہ بنائے ہوئے ہیں ختم ہو جائینگے۔ لیکن کلام خدا کا اختتام نہ ہوگا؛

دیگر یہ کہ سابقا جنت الفردوس کا ذکر ہے جس میں نعمار و مراتب کرامات کا انتہا نہیں تو اسکی مثال میں اپنے کلام کو پیش کیا کہ اس کلام کے کمالات بھی غیر متناہی ہیں۔ چنانچہ تفسیر **رحمانی** میں کہا ہے:-

(لَا یَبْغُوْنَ عَنْهَا حِوَلًا) لِاِشْتِمَالِهَا عَلٰی مَا لَا یَتَنَاهٰی مِنْ مَرَاتِبِ الْکَرَامَاتِ فَاِنْ طَلَبُوْا لِهٰذَا الْعَطَآءِ الْمُشْتَمِلِ عَلٰی مَا لَا یَتَنَاهٰی مِنَ الْفَضَائِلِ مِثَالًا (قُلْ) مِثَالُهُ الْقُرْاٰنُ الْمُشْتَمِلُ عَلٰی مَا لَا یَتَنَاهٰی مِنَ الْعُلُوْمِ (جلد اول ۴۹۴)

(وہ) جنتی جنت الفردوس میں رہتے ہوئے مکان کی تبدیلی نہیں چاہینگے کیونکہ وہ شامل ہے سب مراتب کرامات پر جنکی انتہا نہیں ہے۔ پس اگر یہ (کفار مکہ) اس عطایہ جو غیر متناہی فضائل پر مشتمل ہے کوئی مثال طلب کریں تو اے پیغمبر تو کہہ اسکی مثال قرآن ہے جو غیر متناہی علوم پر مشتمل ہے۔

قرآن شریف کے معارف ولطائف کے بے نہایت ہونے کی ایک ہی جامع وجہ یہ ہے۔ کہ قرآن شریف کلام خدا ہے۔ خدا کے علم سے اس کا نزول ہے۔ جیسا کہ فرمایا فَاعْلَمُوْٓا اَنَّمَآ اُنْزِلَ بِعِلْمِ اللّٰہِ (ھود پ۱۲) اور خدا کے علم کی کوئی انتہا نہیں [واللہ اعلم]

۲۰۵ **تتمۂ تفسیر آیت ھذا** خداوند تعالیٰ نے اس سورت کو قرآن مجید کے ذکر سے شروع کیا تھا۔ اسکے بعد بڑے بڑے اہم مضامین جو اسمیں بیان کرنے مقصود تھے مناسب ترتیب سے بیان فرمائے۔ اب اخیر پر پھر قرآن مجید کا ذکر کیا کہ اسکے کمالات کا انتہا نہیں کیونکہ یہ **کلام خدا** ہے اور ایسا اسلئے کیا کہ سورت کے شروع اور خاتمہ میں مناسبت قائم رہے۔ اور مضامین کو احسن ترتیب میں رکھنے والے اور شروع اور خاتمہ کی مناسبت کو ملحوظ رکھنے والے مقررین و مصنفین سمجھ سکتے ہیں۔ کہ یہ بات بیان کی خوبی پر نہایت اونچے درجے پر ہوتی ہے؛

قُلْ اِنَّمَآ اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُکُمْ یُوْحٰٓی اِلَیَّ ۲۰۷ اَنَّمَآ اِلٰـھُکُمْ ۲۰۸ اِلٰہٌ وَّاحِدٌ ۲۰۹

(اے پیغمبر اپنے) کہدو کہ سوائے اس کے نہیں کہ میں تمہاری طرح کا ایک آدمی ہوں۔ میری طرف وحی کیا جاتا ہے کہ تمہارا معبود برحق صرف ایک ہی ہے

فَمَنْ کَانَ یَرْجُوْا لِقَآءَ رَبِّہٖ ۲۱۰ فَلْیَعْمَلْ عَمَلًا صَالِحًا

پس جس کسی کو امید ہو اپنے رب کی ملاقات کی۔ پس چاہیئے کہ وہ کرے نیک کام، ۲۱۱

۲۰۷ تا ۲۱۱ کی تشریح آئندہ صفحات پر ملاحظہ فرمائیے

وَلَا يُشْرِكْ بِعِبَادَةِ رَبِّهٖٓ اَحَدًا ﴿۱۱۱﴾ ع ۱۲

اور نہ شریک بناوے اپنے رب کے ساتھ کسی کو بھی ۱۱۱

۲۰۶ ارتباط وخلاصہ یہ اِس سُورت کی آخری آیت ہے۔ اور اِس میں ساری سُورت بلکہ سارے دینِ اسلام کا خلاصہ ہے۔ جو آدم علیہ السّلام سے فخرِ اولادِ آدم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تک جملہ انبیاء کا دین ہے۔ درمیان میں جو کچھ بیان ہُوا وہ مضامین اسی کی تفصیلات وتفریعات ہیں۔ شروع سُورت میں آنحضرت ﷺ کو اپنا عبد کہا تھا۔ اسجگہ آپ کی زبانی اُس عبدیت کا اقرار کروایا ہے۔ کہ اے پیغمبر! اِن سے کہدو کہ میں تمہاری طرح کا ایک آدمی ہُوں تمہارے جیسا گوشت پوست رکھتا ہُوں دیگر قوموں نے اپنے بزرگوں اور خدا کے پیغمبروں اور فرشتوں کو عبدیت سے اونچا تصوّر کرکے خُدا کے بیٹے اور بیٹیاں قرار دیدیا۔ اور خدا کا ہم جنس بنادیا۔ جو بالکل جھُوٹ اور سراسر باطل ہے۔ میں اس عقیدہ باطل سے بیزار ہوں۔ اپنے لئے بھی اور دیگروں کے لئے بھی اِس سچے دل سے خُدا کی عبدیت کا اقرار کرتا ہوں۔ اور صاف الفاظ میں کہتا ہُوں کہ میں تمہاری ہی طرح کا ایک آدمی ہوں۔ ہاں مجھ میں اور تم میں امتیاز رُتبہ کا ہے۔ جنسیت کا نہیں۔ اور وہ یہ ہے کہ میری طرف خدا کی وحی آتی ہے۔ اور میں خدا کا نبی ہوں تم نبی نہیں ہو۔ اور تمہاری طرف وحی نہیں آتی۔ یہ وحی ایک انسان کیلئے خدا کی سب سے بڑی بخشش ہے۔ اور اُس وحی کا اصل اُصول یہ ہے۔ کہ لائقِ عبادت صرف ذاتِ خداوندی ہے۔ دیگر سب زمین وآسمان کے رہنے والے اُس کے بندے اور پرستار ہیں۔ ف۵۱ اِسی وحی کے ذریعے میری طرف یہ قرآن نازل کیا گیا ہے۔ جو تمہاری زبان میں ہے۔ ف۵۲ اِسکے حروف اِسکے الفاظ تمہاری اپنی زبان کے ہیں۔ باوجود اِس کے اِسکے کمالات کی انتہا نہیں۔ کیونکہ وہ کلامِ خدا ہے۔ اِسی طرح میں بھی تمہاری جنس کا آدمی ہوں تمہاری قوم عرب میں سے معزز قبیلہ قریش کا ایک فرد ہوں۔ ف۵۳ لیکن باوجود اِس کے شانِ نبوّت کی وجہ سے مُمتاز ہوں اور اِس وجہ سے مجھ پر خدا کی بخششیں بیحد ہیں۔ میری تعلیم کا خلاصہ بس دو باتیں ہیں۔ اوّل خُدا کی توحید کا صحیح اعتقاد۔ دوم اعمالِ صالحہ بشرطِ خلوصِ نیّت۔ محض اِدّعا نہیں کہ عمل اُسکا گواہ نہ ہو۔ اور نرا عمل نہیں کہ صورت ہو اور اُس میں جان یعنے خلوص اور صحیح اعتقاد نہ ہو۔ کیونکہ اُنکے بغیر نہ تو دل زندگی پاسکتا ہے۔ اور نہ روشنی حاصل کرسکتا ہے۔ بلکہ میری تعلیم میں ایمان کے ساتھ عمل پیوستہ ہے اور وہ عمل خلوص کیساتھ وابستہ ہے۔ بس جسے خُدا کی رحمت کی اُمید ہو یا اُسکے عذاب کا ڈر ہو وہ اِس حالت پر زندگی گذارے اور اِس رستے پر گامزن ہوکر اپنے رب کے پاس چلا جاوے۔ وہاں وہ اُسکے عذاب سے محفوظ رہکر بقدر اپنی سعی وعمل اور خلوص وہمّت کے اُسکی رحمت سے حصّہ پائیگا اور درجاتِ قرب حاصل کرے گا۔ اور ہمیشہ کے لئے جنّت کی نعیمِ مقیم میں رہے گا۔ ف۵۴

ف۵۱ اِنْ كُلُّ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ اِلَّآ اٰتِي الرَّحْمٰنِ عَبْدًا (مریم پ۱۶) ۱۲ منہ
ف۵۲ فَاِنَّمَا يَسَّرْنٰهُ بِلِسَانِكَ لَعَلَّهُمْ يَتَذَكَّرُوْنَ (دخان پ۲۵) ۱۲ منہ ف۵۳ لَقَدْ جَآءَكُمْ رَسُوْلٌ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ (توبہ پ۱۱) ۱۲ منہ ف۵۴ جیسا کہ فرمایا يُبَشِّرُهُمْ رَبُّهُمْ بِرَحْمَةٍ مِّنْهُ وَرِضْوَانٍ وَّجَنّٰتٍ لَّهُمْ فِيْهَا نَعِيْمٌ مُّقِيْمٌ ۝ خٰلِدِيْنَ فِيْهَآ اَبَدًا ۭ اِنَّ اللّٰهَ عِنْدَهٗٓ اَجْرٌ عَظِيْمٌ (توبہ پ۱۰) یعنے بشارت دیتا ہے۔ اُنکو رب اُنکا اپنی رحمت اور خوشنودی کی اور جنّتوں کی اُن میں اُنکے لئے نعیمِ مقیم (ہمیشہ کی نعمتیں) ہونگی۔ وہاں (جنّتوں اور نعمتوں میں) ہمیشہ در ہمیشہ رہینگے۔ بیشک خدا کے پاس

تفسیر و مسائل

اگرچہ اوپر کی تقریر میں اس آیت کا ماحصل مطلب دیگر آیات کا مضمون بھی ساتھ رکھکر پورا پورا آگیا ہے لیکن مناسب ہے کہ اس آیت کا تجزیہ کر کے اُس کے ہر حصے کی الگ الگ تفسیر بھی کی جائے۔ اور مسائلِ متعلقہ بھی بیان کئے جائیں؛

۲۰۷ قُلْ اِنَّمَآ اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُکُمْ اللہ تعالیٰ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو فرماتا ہے۔ کہ اے پیغمبر! تم ان لوگوں سے کہدو کہ اس کے سوا کوئی بات نہیں کہ میں تمہارے ہی جیسا ایک آدمی ہوں؛ اس موقع پر آپ سے اس اقرار کے کروانے کی یہ وجہ ہے کہ شروع سورت میں گذر چکا ہے۔ کہ اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ الَّذِیْٓ اَنْزَلَ عَلٰی عَبْدِہِ الْکِتٰبَ اور یہ بھی کہ وَّیُنْذِرَ الَّذِیْنَ قَالُوا اتَّخَذَ اللہُ وَلَدًا ط یعنے اللہ تعالے نے یہ قرآن شریف اپنے بندے (محمدؐ) پر اسلئے بھی نازل کیا ہے کہ اُن لوگوں کو جو کہتے ہیں کہ خدائے تعالے نے کسی کو اپنا فرزند بنالیا یعنے متبنےٰ گردان لیا ڈرائے اور اُسکے وبال سے آگاہ کرے؛ آنحضرتؐ کے وقت میں عرب کی یہ حالت تھی کہ یہود کہتے تھے کہ حضرت عزیز علیہ السلام خدا کے بیٹے ہیں۔ عیسائی کہتے تھے کہ حضرت عیسٰے علیہ السلام خدا کے بیٹے ہیں چنانچہ فرمایا :-

وَقَالَتِ الْیَهُوْدُ عُزَیْرُ ابْنُ اللہِ وَقَالَتِ النَّصٰرَی الْمَسِیْحُ ابْنُ اللہِ ط یُضَاهِئُوْنَ قَوْلَ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا مِنْ قَبْلُ (توبہ پ۱۰)	اور کہا یہود نے کہ عزیر بیٹا اللہ کا ہے اور کہا نصاریٰ نے کہ مسیح بیٹا اللہ کا ہے یہ مشابہت کرتے ہیں اُن کے قول کی جنہوں نے کفر کیا اس سے پیشتر

عرب کے مشرک علاوہ بت پرستی کے فرشتوں کو خدا کی بیٹیاں قرار دیتے تھے۔ جیسا کہ فرمایا وَیَجْعَلُوْنَ لِلّٰہِ الْبَنٰتِ سُبْحٰنَہٗ ط یعنے "یہ مشرک مقرر کرتے ہیں واسطے اللہ کے بیٹیاں حالانکہ وہ اس سے پاک ہے"؛

خیر یہ تو عرب کا حال تھا عرب سے باہر ہمارے ملک ہندوستان میں یہود و نصاریٰ کے اس اعتقاد سے پیشتر ہندوؤں اور بدھوں کا بھی اسی قسم کا مذہب تھا۔ ہندو کرشن جی کو اور بدھ گوتم بدھ کو خدا اور خدا کا اوتار بنا چکے تھے؛ غرض دنیا جہان اسی جہالت میں مبتلا تھا۔ حقیقت کو سب چھوڑے ہوئے تھے؛ پس جس طرح یہ ضروری تھا۔ کہ لوگوں کو اس ظلمت سے نکالا جائے اسی طرح یہ بھی ضروری تھا کہ اس مصلحِ اعظم اور سلسلۂ نبوت کی آخری زریں کڑی[1] کی زبانی یہ اقرار شائع کیا جائے کہ میں خدا کا ایک بندہ ہوں۔ دیگر انسانوں کی طرح ایک انسان ہوں۔ فرق صرف یہ ہے۔ کہ دیگر انبیاء کی طرح مجھپر خدا کی وحی آتی ہے۔ سو میں خود بھی اور دیگر انبیاء بھی اور سب فرشتے بھی غرض سب فرشی و عرشی خدا کے بندے ہیں۔ اور خدا تعالے نسبتِ فرزندی سے پاک ہے۔ اور اُسکی ذات اس سے بہت اونچی ہے۔ کہ وہ کسی انسان یا دیگر شے میں حلول کرے یا اُسکی صورت میں ظاہر ہو۔ چنانچہ فرمایا :-

(۱) اِنْ کُلُّ مَنْ فِی السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ اِلَّآ اٰتِی الرَّحْمٰنِ عَبْدًا ۝ (مریم پ۱۶)	(۱) نہیں کوئی آسمانوں میں اور زمین میں مگر آیگا الا ہے خدا کے سامنے بندہ ہوکر؛
(۲) وَقَالُوا اتَّخَذَ الرَّحْمٰنُ وَلَدًا سُبْحٰنَہٗ ط بَلْ عِبَادٌ مُّکْرَمُوْنَ (انبیاء پ۱۷)	(۲) اور کہتے ہیں کہ قرار دیا خدا تعالے نے فرزند وہ پاک ہے بلکہ وہ خدا کے بندے ہیں عزت دیئے گئے؛

[1] اور عمارت رسالت کی آخری خشت زریں؛

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اِس حکم کی تعمیل میں یہانتک اہتمام کیا کہ عبادات میں بھی اور عادات میں بھی، غرض ہر پہلو میں اس اقرارِ عبودیت وبشریت کو ملحوظ رکھا۔ چنانچہ ذیل کی احادیث اِس حقیقت کو پورے طور پر نمایاں کرتی ہیں:

پہلی حدیث مشکوٰۃ شریف کے کتاب الایمان میں حضرت عُبادہ بن صامت انصاری رضی کی روایت مرقوم ہے۔ کہ:-

"رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ جسنے شہادت دی کہ سوائے خدا کے کوئی بھی لائق عبادت نہیں۔ (یہ "جانتے ہوئے) کہ وہ یکتا ہے۔ اُسکا کوئی بھی شریک نہیں اور یہ بھی (شہادت دی) کہ **محمد خدا کا بندہ ہے اور** "**اُس کا رسول ہے**۔ اور یہ بھی (شہادت دی) کہ عیسےٰؑ خدا کا بندہ اور اُسکا رسول ہے۔ اور اُسکا کلمہ ہے۔ جو اُسنے "مریمؑ کی طرف ڈالا اور اُسکی (عزت دی ہوئی) روح ہے۔ اور جنت بھی اور دوزخ بھی حق ہے۔ خدا تعالےٰ اُس شخص کو "جنت میں داخل کرے گا۔ جس عمل پر بھی کہ وہ ہو" (مشکوٰۃ ص ۱) یعنے اُس کے لئے صحیح ایمان کے ساتھ تھوڑے اعمالِ صالحہ "بھی موجب جنت ہو جاینگے"

دُوسری حدیث مشکوٰۃ شریف کے باب التشہد میں حضرت عبد اللہ بن مسعودؓ کی ایک لمبی روایت ہے۔ جس میں وہ کہتے ہیں کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:-

"جب تم میں سے کوئی شخص نماز میں (تشہد) بیٹھے تو یہ کہے اَلتَّحِیَّاتُ لِلّٰہِ الخ یعنے سب زبان کے اوراد واذکار اور "بدن کی حرکات اور مال کے صدقات وخیرات اللہ تعالیٰ (کی رضا) کے لئے (مخصوص) ہیں۔ اے نبی! تجھپر سلام ہو اور "رحمت خدا کی اور اُسکی برکتیں۔ ہمپر بھی سلام ہو۔ اور خدا کے دیگر صالحین بندوں پر بھی۔ پس بیشک بات یہی ہے۔ کہ جب "کوئی نمازی یہ کہتا ہے۔ تو یہ (سلام) ہر صالح بندے کو جو آسمان اور زمین میں ہے۔ پہنچتا ہے۔ (پھر کہے) اَشْهَدُ الخ" یعنے مَیں گواہی دیتا (دیتی) ہوں کہ خدا کے سوا کوئی بھی لائقِ عبادت نہیں ہے۔ اور یہ بھی (گواہی دیتا (دیتی) ہوں کہ **محمدؐ خدا کے** "**بندے** اور اُس کے رسول ہیں الخ" (مشکوٰۃ ص ۸۵)

تیسری حدیث مشکوٰۃ شریف کے باب المفاخرۃ میں حضرت عمرؓ کی روایت ہے۔ کہ:-

"رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ میری تعریف میں حد سے نہ بڑھو جس طرح کہ نصاریٰ (مسیحؑ) ابن مریم کی تعریف میں" حد سے بڑھ گئے۔ پس سوائے اِس کے نہیں کہ مَیں اُسکا بندہ ہوں۔ پس (مجھے) **خدا کا بندہ** اور اُسکا **رسول** کہا کرو" (متفق علیہ)

چوتھی حدیث مشکوٰۃ شریف کے باب مناقب اہلِ البیت میں حضرت زید بن ارقمؓ کی طویل روایت ہے۔ جسکی تفصیل یوں ہے۔ کہ جب آنحضرتؐ حجۃ الوداع سے لوٹے تو رستے میں پانی کا ایک جوہڑ (چھپڑ) بنام خُم تھا۔ وہاں کھڑے ہو کر آپ نے خُطبہ سنایا جس میں حسبِ عادت شریف پہلے خدا کی حمد وثنا کہی اور وعظ وتذکیر کی۔ پھر فرمایا:-

"اے لوگو! سُن رکھو سوائے اسکے نہیں کہ مَیں ایک بشر ہوں (قریب ہے کہ میرے پاس خدا کا فرشتہ (ملک الموت) "آئے۔ پس مَیں اُسکو قبول کرلوں" الحدیث (مشکوٰۃ ص ۵۵۳ بروایت مسلم)

پانچویں حدیث قاضی عیاض رحؒ نے شفا میں بسندِ خود بطریق امام ابو داؤد حضرت ابوامامہؓ سے روایت کیا:-

"(ایام بیماری میں) **رسول اللہ** صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم عصا ٹیکتے ہوئے باہر تشریف لائے۔ پس ہم آپ (کی تعظیم کے لئے) اُٹھ"

لہ یعنے کہ یہ موحدانہ طریق عبادت ہمکو آپ ہی نے سکھایا۔ ورنہ دنیا جہان مشرکانہ طریق عبادت میں مبتلا ہوا تھا۔ اگر آپ کی ذات بابرکات نہ ہوتی۔ تو ہم بھی گمراہی میں رہتے۔ گویا یہ سلام اور اُسکے جمعہ وخریف آپ کے اِس احسان کے شکریہ میں بطور تحفہ پیش کیا جاتا ہے۔ اَللّٰھُمَّ تَقَبَّلْهُ مِنَّا وَاَوْصِلْهُ اِلٰی جَنَابِهِ الْمُقَدَّسِ (۱۲ منہ)

"کھڑے ہوئے تو آپ نے فرمایا نہ کھڑے ہو جس طرح عجمی لوگ بعض انکے بعض کی تعظیم کو کھڑے ہوتے ہیں اِنَّمَا اَنَا عَبْدٌ"
"یعنے میں ایک بندہ ہوں اٰکُلُ کَمَا یَاْکُلُ الْعَبْدُ یعنے میں کھاتا ہوں جسطرح کوئی بندہ کھاتا ہے۔ وَاَجْلِسُ"
"کَمَا یَجْلِسُ الْعَبْدُ اور میں بیٹھتا ہوں جس طرح **ایک بندہ** بیٹھتا ہے۔ (شفا جلد اوّل مصری ص۱۰۱ فصل تواضعہ"

چھٹی حدیث

قاضی عیاض رحمۃ اللہ علیہ نے شفا میں نقل کیا کہ:۔

"آپ کی خدمت میں ایک شخص آیا تو وہ آپ کی ہیبت (وجلال) سے کانپنے لگا۔ آپ نے اُسے فرمایا ھَوِّنْ عَلَیْکَ یعنے آرام کر"
"فَاِنِّیْ لَسْتُ بِمَلِکٍ یعنے میں کوئی (دنیا کا) بادشاہ نہیں ہوں اِنَّمَا اَنَا ابْنُ اِمْرَاَۃٍ مِّنْ قُرَیْشٍ الحدیث یعنے"
سوائے اسکے نہیں کہ میں تو ایک قریشی خاتون (آمنہ رض) کا بیٹا ہوں" (شفا فصل تواضعہ جلد اوّل ص۱۰۳ مطبوعہ مصر)

ساتویں حدیث

حدیث مذکورہ بالا کے آگے قاضی عیاض رح نے حضرت ابوہریرہ رض سے نقل کیا۔ کہ میں (ایکدفعہ) آنحضرت صلعم"
کی معیت میں بازار گیا۔ × × × × × × تو وہ تولنے والا (دکاندار) کود کر اُٹھا کہ آنحضرت صلعم کا ہاتھ (مبارک) چوم لے۔ آپ نے اپنا"
"ہاتھ کھینچ لیا۔ اور فرمایا کہ یہ (کام) عجمی لوگ اپنے بادشاہوں سے کیا کرتے ہیں اور میں تو (ویسا) بادشاہ نہیں ہوں اِنَّمَا اَنَا"
"رَجُلٌ مِّنْکُمْ یعنے سوائے اسکے نہیں کہ میں تو تم ہی میں سے **ایک آدمی ہوں**" الحدیث (شفا بحوالہ مذکورہ بالا ص۱۰۳)

آٹھویں حدیث

حضرت عائشہ رض کو ہماری نسبت آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم سے محبت بھی زیادہ تھی۔ اور وہ آپ"
کی قدر بھی ہماری نسبت زیادہ پہچانتی تھیں۔ اور وہ آپ کے حالات و عادات بھی ہم سے زیادہ جانتی تھیں۔ اور سب سے زیادہ بڑھکر یہ کہ آپ کی حقیقت و جنسیت کو کہ آپ کون ہیں اور کس جنس سے ہیں سب سے زیادہ جانتی تھیں۔ کیونکہ وہ آپ کی زوجہ مطہرہ تھیں۔

وہ فرماتی ہیں کہ:۔

"رسولِ خدا (صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم) اپنی جوتیاں خود ہی گانٹھ لیتے تھے۔ اور کپڑا بھی خود ہی ٹانک لیتے تھے۔ اور اپنے گھر"
"میں اسی طرح کام کرتے تھے۔ جس طرح کہ تمہارا کوئی اپنے گھر میں کام کرتا ہے۔ حضرت عائشہ رض نے کہا کَانَ بَشَرًا مِّنَ الْبَشَرِ"
"الحدیث بروایت ترمذی رح (مشکوٰۃ ص۵۰۱)" یعنے آنحضرت صلعم جنس بنی آدم میں سے ایک آدمی تھے"

اِن آٹھوں احادیث سے صاف صاف عیاں ہے۔ کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ہر مناسب موقع پر اپنی بشریت و عبودیت کا اظہار کیا ہے حتےٰ کہ ایمانیات میں اسے جزو ایمان قرار دیا ہے۔ عبادت (نماز) میں بھی اِسے جزو لازم ٹھیرایا ہے۔ خطبہ میں۔ مجلس میں۔ مجمع میں۔ مسجد میں، بازار میں۔ خلا میں۔ ملا میں غرض ہر موقع پر اسکا اعلان کیا۔ وجہ صرف یہ تھی۔ کہ سابقہ امتوں کی گمراہی آپ کی نظر میں تھی۔ آپ کو بڑا بھاری اندیشہ تھا کہ میری امت بھی میری ذات کے متعلق سابقہ امتوں کی طرح گمراہی میں نہ پڑ جائے۔ لیکن باوجود اِن تصریحات و اعلانات کے آج ساڑھے تیرہ سو برس کے بعد اس ملک ہندوستان و پنجاب میں ایک شخص ہندوؤں اور نصاریٰ کی ذہنیت لے کر یہ آواز اٹھاتا ہے۔ کہ آنحضرت صلعم جنس بشر سے نہیں تھے۔ اور جو کوئی آپ کو بشر جانے اور کہے وہ معاذ اللہ کافر ہے۔ "اُلٹا چور کوتوال کو ڈانٹے" کفر کا کلمہ کہیں خود اور کافر ہو جائیں قرآن و حدیث کے تابعدار سبحان اللہ! چہ خوش با

آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے تغیراتِ زمانہ کے متعلق یعنے اِس اُمّت مرحومہ میں سے بعض کا گذشتہ اُمتوں کے نقشِ قدم پر چلنا اور یہود و نصاریٰ کی روِش کی پیروی کرنا[1]۔ اور مسلمانوں میں سے بعض کا مشرکین سے ملجانا اور ایک جماعت کا بُت پرستی بھی کرنے لگ جانا[2]۔ جو کچھ فرمایا تھا وہ سب اپنے وقت پر پورا ہو رہا ہے۔

جس قسم کا اعتقاد ہندوؤں نے کرشن بھگوان کے متعلق اور عیسائیوں نے حضرت عیسےٰؑ کے متعلق تراشا تھا۔ اور اُسے کرشن جی اور حضرت عیسےٰؑ کی تعظیم و محبت قرار دیا تھا۔ اُسی قسم کا اعتقاد اب اِس اُمّتِ مرحومہ میں بھی آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے متعلق پیدا کیا جا رہا ہے۔ اور جو روِش اُنکے غلط رَو علما اور نفس پرور مشائخ و فقرا نے عوام کی ذہنیت کے بگاڑنے اور غلط طریقِ استدلال سے انکو مشرکانہ اُلجھنوں میں پھنسائے رکھنے میں اختیار کی تھی، وہی روِش اِس زمانہ کے غلط رَو علما اور نفس پرور مشائخ و فقرا نے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی محبت و تعظیم کے نام پر اختیار کر لی ہے۔ اور حنفی۔ سُنّی۔ مجدّدی کہلاتے ہوئے غلط طریقِ استدلال اور عامیانہ اوہام سے عوام کی ذہنیت کو بگاڑ دیا ہے۔ اور غضب تو یہ ہے۔ کہ اِس مغالطہ کو صحیح کرنے کے لئے قرآن شریف کے الفاظ کے معانی کے تبدیل کرنے سے بھی خوف نہیں کیا۔ چنانچہ اِس آیت قُلْ اِنَّمَآ اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ کے معنے خلافِ لغتِ عرب، خلافِ مرادِ الٰہی۔ خلافِ دینِ انبیاء ؑ اور خلافِ تصریحاتِ ائمہ دین یہ کئے جا رہے ہیں:-

"کہ تُو (اے پیغمبر! ص) کہ تحقیق نہیں ہُوں میں بشر مثل تمہاری"

معاذ اللہ، توبہ، استغفر اللہ، گویا اِنَّمَا کے معنے ہیں "تحقیق نہیں" یعنے مَا نے یہاں پر نفی کا کام دیا۔ حالانکہ لفظ اِنَّ حرف نفی پر نہیں آسکتا۔ اور جب اِنَّ وغیرہ حروفِ مُشبّہ بالفعل کے ساتھ کلمہ مَا آتا ہے تو وہ نفی کا نہیں ہوتا۔ بلکہ زائدہ ہوتا ہے۔ اور اُسکے معنے کچھ نہیں ہوتے۔ اور اِنَّ وغیرہ کو اُسکے عمل نصب سے روک دیتا ہے۔ چنانچہ صُراح میں ہے:-

ومَا زائدہ و بُود بمعنے نیست و آں بر دو وجہ آید کافّہ یعنے مانع از عمل کقولہ اِنَّمَا اللّٰهُ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ (لغت مَا۔ جلد ۲۔ صفحہ ۵۳۶)	اور مَا زائدہ بھی ہوتا ہے۔ اور اُسکے معنے کچھ بھی نہیں ہوتے اور وہ دو وجہ پر ہوتا ہے۔ کافہ یعنے عمل سے روکنے والا۔ جیسے خدا تعالےٰ کا قول ہے۔ اِنَّمَا اللّٰهُ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ یعنی سوا اِسکے نہیں کہ اللہ تعالےٰ ہی معبود اکیلا ہے۔

اِسی طرح فخرِ سیالکوٹ بلکہ فخرِ ہندوستان مولانا مولوی عبد الحکیم صاحب فاضل سیالکوٹی تکملہ عبد الغفور میں فرماتے ہیں:-

وَمَا الْكَافَّةُ قِسْمٌ مِّنَ الزَّائِدَةِ (صفحہ ۴۹۸) یعنے مَا کافہ زائدہ کی ایک قسم ہے۔ اِسی طرح دیگر کتبِ نحو و لغت و بلاغت میں بالتصریح مذکور ہے۔

علاوہ اِسکے جملہ مسلّم کُل مترجمین فارسی و اردو نے اِسکے معنے وہی کئے ہیں جو ہم کرتے ہیں۔ کسی نے بھی اِس غالی نئے فرقے کے موافق نہیں کئے۔ چنانچہ حضرت شاہ ولی اللہ صاحب رح اِس کا ترجمہ یُوں کرتے ہیں "بگو جز ایں نیست کہ من آدمی ام مانندِ شما" اور حضرت شاہ رفیع الدین صاحب یُوں کرتے ہیں "کہ سوائے اِسکے نہیں کہ میں آدمی ہوں مانند تمہاری"

علاوہ اِسکے تمام اہل لغت و اہل تفسیر اِنَّمَا (مرکب) کو حصر کے لئے لکھتے ہیں یعنے یہ کلمہ اِسبات کا فائدہ دیتا ہے۔ کہ حقیقتِ امر اِس سے باہر نہیں ہے جو اِسکے بعد ذکر کی گئی ہے۔ چنانچہ قاموس میں ہے:-

[1] مشکوٰۃ صفحہ ۴۵۸ بروایت صحیحین ۱۲ منہ ؛ [2] مشکوٰۃ صفحہ ۴۶۵ بروایت ابی داؤد و ترمذی رح ۱۲ منہ

وَالْمَفْتُوحَةُ فَرْعٌ عَنِ الْمَكْسُورَةِ فَصَحَّ اَنَّ اَنَّمَا تُفِيْدُ الْحَصْرَ كَاِنَّمَا وَاجْتَمَعَتَا فِي قَوْلِهٖ تَعَالٰى اِنَّمَا يُوْحٰى اِلَيَّ اَنَّمَا اِلٰهُكُمْ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ ۝ (انبیاء پ۱۷) (قاموس جلد اول ص۔ مطبوعہ مصر)

اور اَنَّ مفتوحہ اِنَّ مکسورہ ہی کی شاخ ہے۔ پس ثابت ہو گیا کہ اَنَّمَا (مفتوحہ) حصر کا فائدہ دیتا ہے۔ مثل اِنَّمَا (مکسورہ) کے اور یہ دونوں خدا تعالےٰ کے اس قول میں جمع ہیں۔ قُلْ اِنَّمَا يُوْحٰى اِلَيَّ یعنے سوائے اسکے نہیں کہ میری طرف یہی وحی کیا جاتا ہے۔ کہ تمہارا معبود برحق ایک ہے۔

اسی طرح امام رازی رح سورتِ کہف کی خاص اسی آیت کے ذیل میں لکھتے ہیں:۔

وَالْاٰيَةُ تَدُلُّ عَلٰى مَطْلُوْبَيْنِ الْاَوَّلُ اَنَّ كَلِمَةَ اِنَّمَا تُفِيْدُ الْحَصْرَ (تفسیر کبیر جلد ۵ ص۵۳۲)

یہ آیت دو امور پر دلالت کرتی ہے۔ اوّل یہ کہ کلمہ اِنَّمَا حصر کا فائدہ دیتا ہے۔

پس بموجب تصریحاتِ ائمہ لغت و ائمہ تفسیر کے حاصل اس آیت قُلْ اِنَّمَا اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ کا یہ ہوا کہ اے پیغمبر! ان سے کہدے کہ میری حقیقت اور میری ذات اس سے باہر نہیں کہ میں مثل تمہاری ایک بشر (آدمی) ہوں۔ باقی رہی میری نبوت سو وہ بشریت کے منافی نہیں۔ بلکہ وہ اسی میں داخل ہے۔ کیونکہ خدا تعالےٰ ہمیشہ آدمیوں ہی کو نبی بنا کر بھیجتا رہا ہے چنانچہ فرمایا۔

وَمَآ اَرْسَلْنَا قَبْلَكَ اِلَّا رِجَالًا نُّوْحِيْٓ اِلَيْهِمْ (انبیاء پ۱۷) اور نہیں رسول بنایا ہم نے تجھ سے پہلے اے پیغمبر! مگر مردوں کو جنکی طرف

رَدِّ مُغالطات

ان غالی حنفیوں کے بعض ناقص العلم واعظین جہلا کو بہکانے کے لئے اپنے وعظوں میں کہا کرتے ہیں۔ کہ قرآن شریف میں لکھا ہے کہ رسول خدا (صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم) کو بشر کہنے سے آدمی کافر ہو جاتا ہے۔ چنانچہ خدا تعالےٰ فرماتا ہے۔ فَقَالُوْٓا اَبَشَرٌ يَّهْدُوْنَنَا فَكَفَرُوْا (سورت تغابن پ۲۸) یعنے کہا ان کفار نے آیا بشر ہم کو ہدایت کرتے ہیں۔ پس وہ کافر ہو گئے۔ یعنے رسولوں کو بشر کہنے کی وجہ سے وہ لوگ عند اللہ کافر بن گئے۔

اس کا جواب دو طرح پر ہے۔ اوّل اسطرح کہ یہ آیت آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے پیشتر کے انبیاء علیہم السلام اور انکی قوموں کے متعلق حکایۃً مذکور ہوئی ہے۔ اگر اس آیت سے خدا تعالےٰ کی مراد یہی ہے جو یہ مغالطہ دینے والے کہتے ہیں تو اسکا نتیجہ لازماً یہ ماننا پڑیگا کہ سب انبیاء جو آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم سے پیشتر ہوئے بشر اور اولاد آدم سے نہیں تھے۔ حالانکہ یہ خلافِ قرآن و حدیث اور سراسر باطل ہے۔ اور کوئی بھی اس کا قائل نہیں ہے۔ پھر تو عیسائی بھی کہینگے کہ حضرت عیسےٰ کو بشر نہ کہو پھر آپ کیا کرینگے؟

دوم یہ کہ اس طرح اس آیت کے یہ معنے بالکل غلط اور خلافِ تصریحاتِ مفسرین ہیں۔ اور قرآن شریف کی **تحریف معنوی** ہے۔ کیونکہ پوری آیت کو سامنے رکھکر اور اس سے پہلی آیت کو ساتھ ملا کر اور دیگر آیات کو ملحوظ رکھتے ہوئے اس کا صحیح مفہوم یہ ہے۔ کہ جب انبیاء علیہم السلام نے اپنے اپنے وقت میں اپنی قوم کو **تبلیغ رسالت** کی تو ان قوموں نے تعجب و انکار کی راہ سے کہا کیا یہ لوگ بشر ہو کر ہمارے ہادی بنتے ہیں! پس اسوجہ سے انہوں نے ان رسولوں کی رسالت سے **انکار** کر دیا۔ اور ان سے منہ موڑ لیا۔ چنانچہ پوری آیت مع پہلی آیت کے یوں ہے:۔

اَلَمْ یَاْتِکُمْ نَبَؤُا الَّذِیْنَ کَفَرُوْا مِنْ قَبْلُ فَذَاقُوْا وَبَالَ اَمْرِهِمْ وَلَهُمْ عَذَابٌ اَلِیْمٌ ○ ذٰلِکَ بِاَنَّهٗ کَانَتْ تَّاْتِیْهِمْ رُسُلُهُمْ بِالْبَیِّنٰتِ فَقَالُوْا اَبَشَرٌ یَّهْدُوْنَنَا فَکَفَرُوْا وَتَوَلَّوْا وَّاسْتَغْنَی اللّٰهُ ؕ وَاللّٰهُ غَنِیٌّ حَمِیْدٌ ○ (تغابن پ ۲۸)

کیا نہیں آئی تمکو خبر اُن لوگوں کی جنھوں نے کفر کیا اِن سے پہلے پس چکھا انہوں نے وبال اپنے کام کا اور اُنکے لئے (قیامت میں بھی) دُکھ والا عذاب ہے۔ یہ اس سبب سے ہُوا کہ اُنکے پاس اُنکے پیغمبر لائے تھے روشن دلائل پس کہا اُنہوں نے کیا بشر ہی دکھلاتے ہیں ہمکو؟ پس اُنہوں نے اِنکار کر دیا اور مُنہ موڑ لیا اور خُدا نے بھی اُن سے بے پروا ہی کا سلوک کیا۔ اور اللہ (بے پرواہ (اور) حمد والا ہے)

اِس آیت کے آگے پیچھے کو ملانے سے صاف واضح ہوگیا۔ کہ اِن سب قوموں نے حسب دستور اپنے اپنے وقت کے رسُولوں کی رسالت سے اسلئے اِنکار کیا کہ وہ بشر (آدمی) کیلئے خُدا کی رسالت جائز نہیں جانتے تھے۔

علاوہ اِسکے ہم **حنفی مفسرین** کی تصریحات سے دکھلاتے ہیں کہ سب نے خُدا کے فضل سے اِس آیت کی تفسیر ہمارے ہی موافق کی ہے۔ اور کسی نے بھی اِن نام کے حنفی غالیوں کے موافق نہیں کی چنانچہ **علامہ نسفی** رح جنپر حنفیوں کے نزدیک اجتہاد فی المذہب ختم شُدہ سمجھا جاتا ہے۔ **تفسیر مدارک** میں فرماتے ہیں:-

(فَقَالُوْٓا اَبَشَرٌ یَّهْدُوْنَنَا) انکروا الرسالة للبشر ولم ینکروا العبادة للحجر (فَکَفَرُوْا) بالرسل
(مدارک جلد ۴ صـ ۲۷۵ برحاشیہ خازن)

(پس کہا اُنہوں نے کیا بشر ہدایت کرتے ہیں ہمکو؟ انہوں نے بشر کی رسالت سے تو انکار کیا لیکن پتھروں کی عبادت سے انکار نہ کیا۔ پس اُنہوں نے پیغمبروں کا اِنکار کر دیا)

اِسیطرح **علامہ ابو السعود** حنفی رح جنکی مربیت پر حنفیوں کو فخر کرنا چاہیئے۔ آیت کی تفسیر یوں کرتے ہیں:-

(اَبَشَرٌ یَّهْدُوْنَنَا) ای قال کل قوم من المذکورین فی حق رسولهم الذی اتٰهم بالمعجزات منکرین لکون الرسول من جنس البشر متعجبین من ذالک اَبَشَرٌ یَّهْدِیْنَا کما قالت ثمود اَبَشَرًا مِّنَّا وَاحِدًا نَّتَّبِعُهٗ وقد اجمل فی الحکایة فاسند القول الی جمیع الاقوام وارید بالبشر الجنس فوصف بالجمع کما اجمل الخطاب والامر فی قوله تعالٰی یٰٓاَیُّهَا الرُّسُلُ کُلُوْا مِنَ الطَّیِّبٰتِ وَاعْمَلُوْا صَالِحًا (فَکَفَرُوْا) ای بالرسل جلد ہشتم صـ ۵ برحاشیہ تفسیر کبیر)

"کیا بشر ہمکو ہدایت کرتے ہیں؟" یعنے مذکورہ اقوام میں سے ہر قوم نے اپنے اُس رسول کے حق میں جو اُنکے پاس معجزات لیکر آیا اُس رسول کے **جنس بشر** سے ہونے کی وجہ سے منکر ہوکر تعجب سے کہا، "کیا ہمکو بشر ہدایت کرتا ہے۔؟" جسطرح کہ قوم ثمود نے کہا تھا۔ کیا ہم اپنے میں سے ایک بشر کی پیروی کر لیں؟ اور اِس حکایت کو مجملاً ذکر کیا اور اِس قول کو سب اقوام کی طرف نسبت کیا اور بشر سے مراد جنس بشر ہے پس جمع کے لفظ سے ذکر کیا جس طرح کہ امر اور خطاب کو اِس آیت میں بھی بالاجمال ذکر کیا۔ "اَے تمام پیغمبرو! حلال اور طیب کھاؤ۔ اور نیک کام کرو۔ پس اُن (کفار) نے انکار کیا۔ یعنے رسولوں (کی رسالت) سے"

سورہ قمر پ ۲۷) ۱۲ منہ

اِن حوالجات سے صاف طور پر واضح ہوگیا کہ حنفی مفسرین جن کا علمی تبحر و قابلیت اور صلاحیتِ عقیدہ و عمل دُنیا جہان میں مُسلم ہے اِس آیت کی تفسیر اُسی طرح کرتے ہیں جسطرح ہم اہلحدیث کرتے ہیں؛

دوسرا مغالطہ جب یہ غالی لوگ قرآن و حدیث اور ائمہ دین کی تصریحات سے ہر طرف سے گھر جاتے ہیں۔ تو یہ عذر پیش کر دیتے ہیں کہ خدا تعالیٰ کا حق ہے کہ کسی کو بشر بھی کہے اور عبد بھی کہے۔ اور آنحضرت صلعم بھی اپنے آپ کو بطور تواضع عبد اور بشر کہ سکتے ہیں لیکن ہمکو ادب چاہیئے جس طرح کہ کوئی شخص ہر چند کہ کتنا ہی معزز و عہدہ دار ہو جائے لیکن اُسکا باپ اُسکو اُسکے نام سے پکار سکتا ہے۔ اور وہ خود بھی دریافت کرنے پر اپنا نام ہی بتاتا ہے لیکن اُسکے ماتحت اور اُسکی اولاد اُس کو نام سے نہیں بلکہ رشتے یا عہدہ یا لقب سے پکاریں؛

اِس کا جواب یہ ہے کہ اِعتقاد کہتے ہیں دِل میں کسی بات کی راستی کے جاننے کو اور شہادت کہتے ہیں زبان سے اُس اعتقاد کا اقرار کرنے کو، اور حنفی مذہب کے عقائد کی سب کتابوں میں ایمان انہی دو باتوں کو کہا گیا ہے۔ یعنے دِل سے تصدیق کرنا اور زبان سے اُسکا اقرار کرنا۔ پس جب دِل میں مانتے ہیں اور اس امر کی تصدیق کرتے ہیں کہ آنحضرت عبد ہیں اور جنس بشر سے ہیں تو جب تک آپ زبان سے بھی اسکی شہادت نہ دینگے۔ اور اسکا اقرار نہ کرینگے۔ آپ کا ایمان کس طرح صحیح ثابت ہوگا۔ دیگر یہ کہ پھر تو آپ کو کلمۂ شہادت میں بھی عبدُہٗ نہ کہنا چاہیئے۔ کیونکہ اُسمیں بھی بے ادبی ہو جائیگی پس آپ کلمۂ شہادت کے اقرار سے بھی رہجائینگے۔ اور نیز آپ کو کلمہ طیبہ اور کلمۂ شہادت میں حضور صلے اللہ علیہ وآلہ وسلّم کا نام پاک محمد بھی نہ بولنا چاہیئے۔ کیونکہ نام لینے میں بھی بے ادبی ہو جائیگی۔ پس آپ پختہ . . . . . ہو جائینگے۔ صاحب من! غور کیجئے بے علمی کے مغالطات آپ کو کہاں سے کہاں تک پہنچاوینگے۔ پس خدا را اُن سب عقائد کو جو خدا و رسولِ خدا صلعم نے فرمائے ہیں دل سے سچ مانکر اور زبان سے اُن کی شہادت دیکر اور اقرار کر کے اپنے ایمان کو صحیح کرلیں۔ قرآن و حدیث میں ایمان و عمل صالح کی تعلیم ہے، نہ کہ بے ادبی کی، فافہم ولا تکن من المبتدعین۵۲؛

ف۲۰۸ یُوْحٰۤی اِلَیَّ الخ جب پہلے جملہ میں بشریت میں لوگوں سے مثل اور ہم جنس ہونیکا ذکر کیا تو اب امتیاز کی وجہ بتانی بھی ضروری تھی، سو ساتھ ہی فرما دیا کہ اے پیغمبر اِنکو یہ بھی سمجھا دو کہ میرا تمہارا امتیاز صرف وحی خدا میں ہے۔ کہ میری طرف خدا کی وحی آتی ہے۔ جس کے رُو سے تم کو حکم ہے کہ تم میری اطاعت کرو۔ جیسا کہ دوسری جگہ فرمایا۔ وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا لِیُطَاعَ بِاِذْنِ اللّٰهِ (النساء پ۵) یعنے نہیں بھیجا ہمنے کوئی رسول مگر اسلئے کہ اُسکی اطاعت کی جائے ہمارے حکم سے، نیز فرمایا مَنْ یُّطِعِ الرَّسُوْلَ فَقَدْ اَطَاعَ اللّٰهَ (النساء پ۵) یعنے جو فرمانبرداری کریگا اِس رسول (صلے اللہ علیہ وآلہ وسلّم) کی پس تحقیق اُس نے فرمانبرداری کی خدا کی؛

ف۲۰۹ اَنَّمَآ اِلٰهُكُمْ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ۔ اسجگہ حصر کا مطلب یہ ہے۔ کہ سب سے بڑا اور اہم مسئلہ جو میری طرف وحی کیا جاتا ہے وہ یہ ہے۔ کہ تمہارا معبود برحق صرف خدائے یگانہ ہے۔ کوئی اُسکا شریک نہیں ہے۔ بس دین اسلام کی بُنیاد یہی مسئلہ توحید ہے؛

ف۵۲ ہمنے حال ہی میں پیغمبروں کی بشریت کے متعلق ایک مفصل رسالہ طبع کرایا ہے۔ جس میں رسولوں کو جنس بشر میں سے مبعوث کرنے کی حکمت اور کفار کے جملہ شبہات اور اِس غالی فرقہ بریلوی کے جملہ مغالطات کی تردید نہایت احسن طریق پر کی گئی ہے۔ اِس سے قبل اِس مضمون میں ایسا رسالہ کوئی نہیں دیکھا گیا۔ قیمت مع محصولڈاک (۸) پیشگی بھیجنے سے دفتر اہلحدیث امرتسر سے یا دفتر تبلیغ سنت شہر سیالکوٹ سے مجھ عاجز کو خط لکھنے سے دستیاب ہو سکتا ہے۔ محمد ابراہیم میر۔ محلہ میانہ پورہ شہر سیالکوٹ پنجاب، ۱۲ منہ،

ف ۲۱۰ فَمَنْ كَانَ يَرْجُوْا لِقَآءَ رَبِّهٖ ، رجا کے معنے لغت میں اُمید بھی ہیں، اور خوف بھی، پس معنے یہ ہوئے کہ جو کوئی خدا کے دیدار کی اُمید رکھتا ہو اُسکے لئے ضروری ہے کہ وہ نیک کام کرے۔ چنانچہ اِسکے بعد فرمایا۔ فَلْيَعْمَلْ عَمَلًا صَالِحًا یا یہ کہ جو کوئی خدا کی حاضری وملاقات کا خوف رکھتا ہو۔ وہ بھی نیک کام کرے۔ اھ

ف ۲۱۱ فَلْيَعْمَلْ عَمَلًا صَالِحًا، رجا کے معنے امید اور لقاء کے معنے دیدارِ الٰہی کے لئے جائیں تو بھی اور رجا کے معنے خوف اور لقاء سے مراد خدا کے سامنے پرسشِ اعمال کیلئے حاضر ہونا لئے جائیں تو بھی، عمل صالح کی ہر حالت میں ضرورت ہے دیدارِ الٰہی کی اُمید پر قابلیت وصلاحیت حاصل کرنے اور خوف اور حاضری کے وقت نجات حاصل کرنے کے لئے اعمالِ صالحہ کی ضرورت ہے۔ اَللّٰهُمَّ وَفِّقْنَا اَنْ نَعْمَلَ صَالِحًا تَرْضٰهُ ،

ف ۲۱۲ وَلَا يُشْرِكْ بِعِبَادَةِ رَبِّهٖۤ اَحَدًا۔ عمل صالح کی قبولیت کیلئے ضروری ہے۔ کہ وہ عمل شرک سے پاک ہو۔ شرک دو طرح پر ہے۔ اوّل شرکِ **جلی**۔ جیسے بُت پرست۔ گور پرست اور جملہ غیر اللہ پرست کرتے ہیں۔ دوم۔ شرکِ **خفی** جسے **ریاکاری** کہتے ہیں۔ حدیث میں اسے بھی شرک کہا گیا ہے۔ چنانچہ تفسیر ابن کثیر وغیرہ میں اس آیت کی تفسیر میں کئی ایک احادیث مع اسناد مرقوم ہیں۔ بعض صحیحین کی ہیں اور بعض دیگر کتب کی۔ اور بعض میں اس آیت کا حوالہ بھی ہے۔ ریاکاری کی مذمت کی احادیث ذیل میں مطالعہ فرمائیں :۔

(۱) حضرت ابوہریرہ رضؓ کہتے ہیں۔ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ :۔

اَنَا اَغْنَى الشُّرَكَآءِ عَنِ الشِّرْكِ مَنْ عَمِلَ عَمَلًا اَشْرَكَ فِيْهِ مَعِىَ غَيْرِىْ تَرَكْتُهٗ وَشِرْكَهٗ وَفِىْ رِوَايَةٍ فَاَنَا مِنْهُ بَرِىْٓءٌ هُوَ لِلَّذِىْ عَمِلَهٗ رَوَاهُ مُسْلِمٌ (مشکوٰۃ ص۴۵۴)

خدا تعالیٰ فرماتا ہے۔ "میں شرک سے سب شریکوں سے بڑھکر غنی ہوں الخ، جو کوئی ایسا عمل کرے جسمیں وہ میرے غیر کو میرے ساتھ شریک بناتا ہے تو میں اس شخص کو بھی اور اسکے شرک کو بھی ترک کر دیتا ہوں اور ایک روایت میں یوں آیا ہے کہ میں اس سے بری ہوں وہ عمل اُسکے لئے ہوگا جس کے لئے اس نے کیا۔"

(۲) اسیطرح حضرت جندب رضؓ سے روایت ہے کہ انہوں نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔ کہ :۔

مَنْ سَمَّعَ سَمَّعَ اللّٰهُ بِهٖ وَمَنْ يُّرَآئِىْ يُرَآئِى اللّٰهُ بِهٖ مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ (مشکوٰۃ ص۴۵۴)

جو کوئی لوگوں کو سنانے کے لئے عمل کرتا ہے۔ خدا اُسکا مخفی حال لوگوں کو سنا دیتا ہے اور جو کوئی ریا کیلئے کرتا ہے خدا اسکی ریاکاری ظاہر کر دیتا ہے

(۳) اسیطرح حضرت ابوسعید بن ابی فضالہ انصاری رضؓ سے روایت ہے۔ کہ انہوں نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا :۔

اِذَا جَمَعَ اللّٰهُ النَّاسَ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ لِيَوْمٍ لَّا رَيْبَ فِيْهِ نَادٰى مُنَادٍ مَنْ كَانَ اَشْرَكَ فِىْ عَمَلٍ عَمِلَهٗ لِلّٰهِ اَحَدًا فَلْيَطْلُبْ ثَوَابَهٗ مِنْ عِنْدِ غَيْرِ اللّٰهِ فَاِنَّ اللّٰهَ اَغْنَى الشُّرَكَآءِ

جب اللہ تعالیٰ قیامت کے دن جس میں ہرگز شک نہیں سب لوگوں کو جمع کرے گا۔ تو ایک ندا کرنے والا ندا کرے گا۔ کہ جس کسی نے کوئی ایسا عمل کیا ہو جس میں اُس نے خدا تعالیٰ کے لئے کسی کو شریک ٹھہرایا ہو پس وہ اُسکا ثواب اُس غیر اللہ سے طلب کرے کیونکہ

عَنِ الشِّرْكِ رواہ احمد (مشکوٰۃ ص۴۵۴) — اللہ تعالیٰ شرک سے سب شریکوں سے بڑھکر غنی ہے۔

یہ احادیث اُس شخص کے حق میں ہیں۔ جو کسی نیک کام میں ریاکاری کی نیت کرے۔ اور اگر کوئی شخص کوئی کام اپنی نیت میں تو محض خدا کی رضا کے لئے کرتا ہے۔ لیکن لوگ اُسکی تعریف کرتے ہیں۔ یا اُس نیک کام پر اُس سے محبت کرتے ہیں۔ تو وہ شخص اِن احادیث کے مضمون سے مستثنیٰ ہے۔ چنانچہ حضرت ابوذر رضؓ کہتے ہیں کہ:۔

قِيلَ لِرَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَرَءَيْتَ الرَّجُلَ يَعْمَلُ الْعَمَلَ مِنَ الْخَيْرِ وَيَحْمَدُهُ النَّاسُ عَلَيْهِ وَفِي رِوَايَةٍ وَيُحِبُّهُ النَّاسُ عَلَيْهِ قَالَ تِلْكَ عَاجِلُ بُشْرَى الْمُؤْمِنِ رَوَاهُ مُسْلِمٌ (مشکوٰۃ ص۴۵۶) یعنے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے پوچھا گیا کہ حضور فرمایئے، کہ کوئی شخص نیکی کا کام کرتا ہے اور لوگ اُسکی تعریف کرتے ہیں اور (ایک روایت میں یوں آیا ہے کہ) لوگ اُسے اُس کام کی وجہ سے محبت کرتے ہیں۔ (اُسکا کیا حکم ہے) آپ نے فرمایا کہ یہ (تعریف و محبت) مومن کیلئے بشریٰ عاجلہ یعنے دُنیا میں بشارت ہے،،

پس اِس آیت کا حاصل و مفہوم یہ ہوا کہ:۔

"جو شخص خدا کے غضب سے بچنے اور اُسکے دیدار کے حاصل کرنے کی اُمید رکھنا چاہے اُسکے لئے ضروری ہے۔ کہ وہ"

"اللہ تعؔ کو اعتقاداً و عملاً واحد معبود گردانے اور محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کو عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ جانے"

"اور شرک ظاہری اور باطنی (ریاکاری) کے بغیر اعمال صالحہ بجلائے۔ پس دین اسلام کا خلاصہ یہی ہے۔ اور اِسی پر"

خدا تعالےٰ نے اِس سورت کو ختم کیا ہے۔ تَمَّ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ اَوَّلًا وَّاٰخِرًا وَّظَاهِرًا وَّبَاطِنًا،،

۲۱۳ خاص اِس آخری آیت کے فضائل

ساری سورت کہف یا اُسکی ابتدائی دس آیتوں کے فضائل و خواص شروع کتاب میں دیباچہ کے ص۳ پر گذر چکے ہیں۔ لیکن خاص اِس آخری آیت کی فضیلت بھی حدیث میں وارد ہوئی ہے۔ چنانچہ تفسیر فتح البیان وغیرہ میں طبرانی وغیرہ سے نقل کیا کہ

"رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اگر میری اُمت پر سورت کہف کے"

"خاتمہ کے سوا کچھ بھی نازل نہ ہوتا تو یہی اُن کے لئے کافی تھا،،"

یعنے توحید و نبوت کا اقرار و شہادت جملہ صحیح اعتقادوں کی جڑھ ہے اور نیک اعمال میں خلوص نیت عملوں کی جان ہے۔ اور خدا کی حاضری اور اُس سے ثواب کی اُمید میں روز قیامت اور جزا و سزا پر ایمان ہے۔ پس جملہ اعتقادات و اعمال اُصولی طور پر اِس آیت میں جمع ہیں۔ باقی سارا قرآن اِسی کی تفصیل و تشریح ہے۔

نیز امام اسحاق بن راہویہؒ اور حافظ بزارؒ اور امام حاکمؒ نے بروایت حضرت عمر رضؓ نقل کیا اور حاکم نے اسے صحیح کہا کہ:۔

"رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس نے رات کو مَنْ كَانَ يَرْجُوْا لِقَاءَ رَبِّهٖ پڑھی اُسکے لئے عدن اَبْيَن سے مکہ شریف تک بلبالہ نور ہوگا۔ کہ درمیانی فاصلہ فرشتوں سے پُر ہوگا،،"

ف۵؎ عدن (بالتحریک) اَبْيَن بروزن اَبْيَض، یمن میں ساحل سمندر پر ایک پرانا شہر ہے۔ جہاں اَبْيَن حمیری نے اقامت کی تھی پس اس وجہ سے اسکا نام عدنِ اَبْيَن پڑ گیا (قاموس و لسان العرب زیر لفظ عدن) ۱۲ منہ

ع۱۸ خاتمۂ سُورتِ کہف

قرآن شریف کی لمبی سورتوں کے آخری رکوع میں عموماً اُس سورت کے اہم مضامین کا خلاصہ اور ایمان و ایمانیات اور حسابِ قیامت، اور بندوں کے انجام جنت و دوزخ کا ذکر ہوتا ہے۔ دیکھو خاتمہ سورۂ بقرہ پ۳ اور خاتمہ سورتِ آل عمران پ۴ اور خاتمہ سورۂ نسا پ۶، اور خاتمہ سورۂ مائدہ پ۷ اور خاتمہ سورۂ انعام پ۸ اور یہ امر حُسنِ سلسلہ اور حسنِ بیان میں سے ہی۔ سو اسی کے مطابق سورۂ کہف کا خاتمہ سمجھ لیجئے۔

شروع سورت میں قرآن شریف کے نازل کرنے کی وجہ یہ بیان کی :- لِيُنذِرَ بَأْسًا شَدِيدًا مِّن لَّدُنْهُ وَيُبَشِّرَ الْمُؤْمِنِينَ الَّذِينَ يَعْمَلُونَ الصَّالِحَاتِ أَنَّ لَهُمْ أَجْرًا حَسَنًا ۔ پھر فرمایا :- وَيُنذِرَ الَّذِينَ قَالُوا اتَّخَذَ اللَّهُ وَلَدًا، اور پھر فرمایا هَٰؤُلَاءِ قَوْمُنَا اتَّخَذُوا مِن دُونِهِ آلِهَةً ۔ بعد ازاں یہی مضامین مع اپنے ضمنی متعلقات بشارت و نذارت اور تمثیلات اور شرحِ احوالِ ضعفائے مؤمنینِ صالحین اور اُن کے مقابلہ میں ظالم و متکبر نافرمان منکرین کے انجامِ بد کی تفصیلات کے مسلسل آرہے ہیں۔ جیسا کہ آپ پر روزِ روشن کی طرح واضح ہو چکا ہے۔ پس اِن سب کے بعد اخیر کے اِس رکوع میں **توحیدِ الٰہی** کے اعتقاد، اور رسولِ برحق پر ایمان لانے اور اعمالِ صالحہ کرنے پر جنت الفردوس کی بشارت، اور شرک و کفر اور تکذیب و نافرمانی پر دوزخ کی نذارت اور قرآن شریف کی نامتناہی برکات کا بیان نہایت ہی موزون و احسن ہے۔ اور پھر خود **پیغمبرِ اسلام** صلی اللہ علیہ وسلم کی اپنی زبان مبارک سے یہ اقرار کروانا "کہ اے پیغمبر! تم صاف صاف کہدو کہ میں بھی تم جیسا ایک بشر (آدمی) ہوں، معبود نہیں ہوں۔ مجھ میں اور تم میں فرق صرف یہ ہے۔ کہ میں خدا کا بندہ ہو کر جملہ خصوصیاتِ رسالت کے ساتھ خدا کا رسول بھی ہوں، میری طرف خدا کی وحی آتی ہے۔ جس کا بنیادی مسئلہ **توحیدِ الٰہی** ہے جسکی طرف میں تمکو بلاتا ہوں۔ اِس اقرار کرانے کی ضرورت یہ تھی۔ کہ عیسائیوں نے عیسےٰؑ کو، یہودیوں نے عُزیرؑ کو، ہندوؤں نے رام جی اور کرشن جی کو۔ اور بدھوں نے گوتم بدھ کو خدائی تک پہنچایا۔ قریش نے بھی خانہ کعبہ میں مع دیگر بتوں کے حضرت ابراہیم و اسماعیل علیہما السلام کی تصویریں رکھی ہوئی تھیں (صحیح بخاری ذکر فتح مکہ و دخولِ خانہ کعبہ مع شروح صحیح بخاری۔

پس نہایت ضروری تھا۔ کہ آنحضرتؐ کی زبان مبارک سے بشریت و عبودیت کا اقرار کرا کر ہمیشہ کے لئے شرک کی جڑھ بنیاد اکھاڑ دی جائے۔ اور اِسی لئے آنحضرتؐ نے اپنی عبودیت کے اقرار کو کلمۂ شہادت کی جزوِ لاینفک بنا دیا۔ اور پھر اُسے نماز میں اُسکے خاتمہ کے قریب کے حصہ (قعدہ) میں لازمی طور پر مقرر فرما دیا کہ ہر ایک نمازی التحیات میں کلمۂ شہادت اَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ کہا کرے۔ تاکہ آپ کی اُمت سابقہ اُمتوں والی گمراہی سے بچی رہے۔

اِس سے اِس زمانہ حال کے جملہ مُشرکین (بُت پرستوں - قبر پرستوں - پیر پرستوں - تعزیہ پرستوں - جِنّات پرستوں - دیوی دیوتا پرستوں - انبیآء پرستوں - اولیآء پرستوں - ملائکہ پرستوں غرض جملہ غیر اللہ پرستوں کو نصیحت حاصل کرنا چاہیئے - اور خالصًا اکیلے خُدا کی عبادت کرنا چاہیئے - اور اِس میں کِسی طرح کا شرک اعتقادی یا عملی - قلبی یا بدنی - مالی یا زبانی ہرگز ہرگز نہیں کرنا چاہیئے -
چنانچہ اِس سُورت کا خاتمہ اِن الفاظ پر کیا ہے -

قُلْ اِنَّمَآ اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ يُوْحٰٓى اِلَيَّ اَنَّمَآ اِلٰـهُكُمْ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ ۚ فَمَنْ كَانَ يَرْجُوْا لِقَآءَ رَبِّهٖ فَلْيَعْمَلْ عَمَلًا صَالِحًا وَّلَا يُشْرِكْ بِعِبَادَةِ رَبِّهٖٓ اَحَدًا ؏

سُبحان اللہ! ساری سُورت میں شروع سے اخیر تک مضامین کا سِلسلہ کیسی اچھی ترتیب سے بیان ہُوا ہے - سُورت کو سارے دین کے خُلاصہ اور نچوڑ یعنے توحید و رسالت کی شہادت پر ختم کر دیا - گویا خاتمہ اِس بات پر ہے :-

اَشْهَدُ اَنْ لَّآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ

خداوندا! تُو ہمکو حُسنِ خاتمہ نصیب کر - دُنیا میں زندہ رہیں تو اِسی کلمۂ شہادت پر قائم رہیں اور جب مریں تو اسی کلمۂ شہادت پر مریں " آمین "

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ ثُمَّ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ کہ اُسکی توفیق سے آج یکم محرم ۱۳۵۹ھ کو مطابق ۱۰ فروری بعد از نمازِ اشراق یہ **تفسیر ختم ہُوئی -**

وَصَلَّی اللّٰهُ تَعَالٰی عَلٰی نَبِیِّهٖ وَصَفِیِّهٖ مُحَمَّدٍ وَّاٰلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ وَخُدَّامِ دِیْنِهٖ وَسَلَّمَ تَسْلِیْمًا کَثِیْرًا کَثِیْرًا

غلطنامہ طباعت

اِس غلطنامہ میں بعض اہم اغلاط ظاہر کی گئی ہیں باقی جو معمولی ہیں وہ ناظرین کے فہم رسا پر چھوڑ دی گئی ہیں

نمبر صفحہ	نمبر سطر	غلط	صحیح	نمبر صفحہ	نمبر سطر	غلط	صحیح	نمبر صفحہ	نمبر سطر	غلط	صحیح
۲۰	۶	واپس کردیا	واقف کردیا	۳۸	۱۴	وَاِنْ یَّرَوْا	وَاِنْ یَّرَوْا	۶	۲۵	مُنْدِرْکُہٗ	یُدْرِکُہٗ
۲۸	۱	اَکْلُھَا	اُکُلُھَا		۱۵	سَبِیْلَ الْغَیِّ	سَبِیْلَ الرُّشْدِ	۵۹	۱	کرآپ	ہدآپ
۲۹	۸	تمہارے	ملاجائے				لَا یَتَّخِذُوْہُ سَبِیْلًا			ذَرَانَّھُمْ	وَرَآءَھُمْ
۳۱	۱	الْاَرْضِ	الْاَرْضِ				وَاِنْ یَّرَوْا سَبِیْلَ	″	۳	یَاخُذَ	یَاْخُذُ
۳۱	۹	دوصورتیں	دوصورتیں				الْغَیِّ				
۳۳	۱۴	خیانتوں	خیانتوں	۳۹	۱	یَسْتَغْفِرُدا	یَسْتَغْفِرُوْا				
۳۷	۱	شُرَکَاءِیْ	شُرَکَاءِیَ	۴۲	۵	فِی النَّارِ	مِنَ النَّارِ				
۶	۳	مُوَبِقًا	مَّوْبِقًا	۵۸	۲۰	تجویں	تجویزیں				

تَمَّتْ

اَلْعَبْدُ الْحَقِیْرُ النَّاسُوْتِیُّ **مُحَمَّد اِبْرَاهِیْم مِیْر** السِّیَالْکُوْتِیُّ عُفِیَ عَنْہٗ